دفاعِ

سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ

رشحاتِ قلم

محققِ اہل سنت حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ

مُرتب

ابوسعد رضوان اللہ سیالکوٹی

ایم اے اسلامیات، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی۔ اسلام آباد

ابوریحان اکیڈمی۔ اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب	....	دفاع سیدنا معاویہ ؓ
رشحات قلم	....	حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی ؒ
ترتیب و حواشی	....	ابوسعد رضوان اللہ بن عبدالغفورؒ سیالکوٹی
طبع اول	....	رجب المرجب 1439ھ/اپریل 2018ء
زر تعاون	....	700
ناشر	....	ابوریحان اکیڈمی۔اسلام آباد

﴿کتاب ملنے کے پتے﴾

☆ ابوریحان اکیڈمی، اسلام آباد۔ فون: 0333 5272422

☆ بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی۔ملتان، فون: 0300 8020384

☆ مکتبہ شہید اسلام، لال مسجد، اسلام آباد، فون: 2823812 (051)

☆ قاضی چمن پیر الہاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد، سیدنا معاویہؓ چوک، حویلیاں۔ ضلع ایبٹ آباد

....

فہرست مضامین

☆☆☆

عرضِ مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی رحمہ اللہ (م2004ء) نے حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی رحمہ اللہ (م1995ء، سابق مدرس ندوۃ العلماء لکھنؤ وسابق صدر شعبۂ دعوت وارشاد جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، بنوری ٹاؤن کراچی) کی کتاب ''اظہارِ حقیقت بجواب خلافت وملوکیت'' کے ردّ میں دو جلدوں پر مشتمل کتاب بنام ''مولانا محمد اسحاق سندیلوی کا مسلک اور خارجی فتنہ'' لکھی تھی، قاضی صاحب رحمہ اللہ کی اس کتاب میں صحابہ کرامؓ، خاص طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرات حکمین رضی اللہ عنہما سے متعلق چند لفظی تساہلات اور تعبیری تسامحات اور بے احتیاطیوں پر حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمہ اللہ (فاضل ومتخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن کراچی، سابق استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیۃ اسلام آباد وسابق شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ، دھمیال کیمپ راولپنڈی) نے ایک نقد وتبصرہ (جواب نہیں) بنام ''سبائی فتنہ'' تحریر فرمایا جس کے بارے میں خود انہوں نے لکھا کہ:

''یہ چند طالب علمانہ گزارشات ہیں جو حضرت مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی صاحب کی تالیف خارجی فتنہ کے مطالعہ میں مفید ہوں گی'' (افتتاحیہ طبع اول)۔

سبائی فتنہ کی جلد اول حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں ہی جنوری، 1992ء میں ''بخاری اکیڈمی'' ملتان سے شائع ہوئی تھی، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی ہی جماعت کے ماہنامہ ''حق چار یار'' (جنوری 1992ء تا نومبر 1993ء) میں ''کتاب سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر'' کے عنوان سے 18 اقساط پر مشتمل اپنا طویل تبصرہ تحریر فرمایا، قاضی صاحب کے اس تبصرہ کا ''جواب الجواب'' مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ نے بھی لکھنا شروع کیا جس کی کئی اقساط ماہنامہ ''نقیبِ ختمِ نبوت ملتان'' میں اُسی

وقت شائع ہوئیں۔

کتاب ''سبائی فتنہ، جلد اول'' کا پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گیا، مصنف کا ارادہ تھا کہ جلد اول کی دوبارہ اشاعت سے پہلے کتاب کی ''جلد دوم'' پر جلد از جلد کام مکمل کر کے اسے شائع کیا جائے، لیکن آپ کے تدریسی مشاغل و دیگر مصروفیات کی وجہ سے دوسری جلد کی ترتیب میں تاخیر ہوتی رہی، اُدھر پہلی جلد کے بارے میں لوگوں کا استفسار بڑھ رہا تھا اور مانگ ہو رہی تھی، آخر کار سنہ 2001 میں ''سبائی فتنہ جلد اول'' کا دوسرا ایڈیشن مولانا محمد علی صاحب مردانی نے اپنے ذاتی خرچ پر مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی جماعت کی طرف سے ان کے کتاب ''سبائی فتنہ'' پر ماہنامہ حق چار یار میں لکھے گئے تبصرہ کے تقریباً بیس سال بعد اور قاضی صاحبؒ کی وفات کے تقریباً نو سال بعد بلکہ حضرت مولانا ابو ریحانؒ کی بھی وفات کے تقریباً تین سال بعد، اس تبصرہ کو الگ کتابی شکل میں بعنوان ''مشاجرات صحابہؓ اور راہ اعتدال، جلد دوم'' نومبر سنہ 2013ء میں شائع کر دیا گیا (حالانکہ حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنے اس تبصرہ کو ''کتاب سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر'' کے عنوان سے لکھا تھا)، جبکہ حضرت مولانا ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمہ اللہ نے سنہ 2004ء میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ''سبائی فتنہ، جلد دوم'' کی اشاعت کو صرف یہ سوچ کر روک دیا تھا کہ وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے کہ قاضی صاحب رحمہ اللہ کے جانے کے بعد اُن پر نقد کیا جائے، یہی وجہ تھی کہ ''سبائی فتنہ، جلد دوم'' کے جس حصہ کی آپ تبییض کر چکے تھے آپ نے وہ بھی شائع نہ کیا یہاں تک کہ آپ بھی سنہ 2010ء میں اس دار فانی سے رخصت ہو گئے، البتہ ان کا عزم تھا کہ اگر ''خارجی فتنہ'' کی دوبارہ اشاعت کی گئی تو وہ اپنی کتاب کے اس حصے کو بھی ضرور شائع کریں گے۔

مولانا ابو ریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ہم نے بھی ''سبائی فتنہ، جلد دوم'' کے اس تیار حصے کو شائع کرنا مناسب نہ سمجھا کہ دونوں ہستیاں اب اس دنیا میں نہ رہی تھیں، لیکن

اب چونکہ حضرت قاضی صاحبؒ کے قسط وار تبصرے کو دوبارہ شائع کر دیا گیا، تو ہم نے مناسب جانا کہ اس کا قسط وار شائع شدہ جواب الجواب بھی ایک کتابی شکل میں دوبارہ شائع کر دیا جائے نیز سبائی فتنہ حصۂ دوم کا وہ حصہ بھی ساتھ ہی شائع کر دیا جائے جو ابھی تک شائع نہ ہوا تھا تاکہ یہ ذخیرہ بھی کتابی شکل میں محفوظ ہو جائے (جبکہ 2012ء میں خارجی فتنہ کو بھی دوبارہ شائع کر دیا گیا ہے)، اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی گئی کہ قاضی صاحب رحمہ اللہ کے تبصرہ پر مشتمل کتاب مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق کے مقدمہ میں مولوی عبدالجبار سلفی صاحب نے یہ شوشہ چھوڑا کہ:

''مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے حمایت یزید اور مشاجرات کے موضوع پر ٹھوکریں کھائیں''

نیز یہ لکھا کہ:

''ماہ نامہ نقیب ختم نبوت ملتان ہی کے کار پردازان نے جب حضرت اقدسؒ (یعنی قاضی صاحب۔ناقل) کی کتاب ''خارجی فتنہ'' کی تردید میں ''سبائی فتنہ'' لکھوا کر شائع کی تو ماہنامہ حق چار یار میں تقریباً 18 اقساط پر مشتمل حضرت اقدسؒ کے مقالات بطور جواب شائع ہوئے، مذہب اہل السنت والجماعت پر ان حضرات نے جو اپنی لاعلمی اور بعض نے ضد بازی کی بناء پر جرح کی تھی اور مشاجرات صحابہؓ و اجتہادی اختلافات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے جہاں جہاں ٹھوکر کھائی تھی یا ان کی تحریروں سے قارئین کی گمراہی کا خدشہ ہوسکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؒ کو بروقت خبردار کر کے قلع قمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی''۔

(مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال، جلد دوم، ص 13، 14، طبع نومبر 2013)

جناب سلفی صاحب نے پہلا مغالطہ تو یہ دیا کہ مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں ''یزید کی حمایت'' کی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ''سبائی فتنہ، جلد اول'' میں یزید کی حمایت یا مخالفت کا کہیں کوئی ذکر تک نہیں تھا، یہ ''خارجی فتنہ'' کی جلد اول پر تبصرہ اور نقد تھا اور قاضی صاحبؒ نے یزید پر دوسری جلد میں لکھا تھا نہ کہ جلد اول میں، دوسرا مغالطہ بلکہ غلط بیانی سلفی صاحب نے یہ کی ہے کہ ''سبائی فتنہ'' نقیب ختم نبوت والوں نے لکھوائی تھی، سچ یہ ہے کہ (جیسا کہ

''سبائی فتنہ جلد اول'' کی طبع دوم کے افتتاحیہ میں خود مولانا ابوریحانؒ نے ابن امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا ہے):

''میری اس کتاب کا پہلا ایڈیشن انہوں نے ہی شائع کیا تھا اور اس وقت شائع کیا تھا جس وقت کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی بزرگی اور قد آوری کی وجہ سے کوئی، میری کتاب برائے اشاعت بالکل مفت لینے کے لئے بھی تیار نہ تھا، سب لوگ اس کو شائع کرتے ہوئے قاضی صاحب کی لتاڑ پچھاڑ سے ڈرتے اور ان کے عتاب و خطاب سے گھبراتے تھے، ایک محسن شاہ تھا جو مردانہ وار آگے بڑھا اور بلا خوف لومۃ لائم کتاب کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا''۔

(افتتاحیہ طبع دوم، ص 14)

لہٰذا ''ادارۂ مظہر التحقیق'' کے مولوی عبدالجبار سلفی صاحب کی یہ انتہائی غلط بیانی ہے کہ ''ماہ نامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے کار پردازان نے کتاب ''خارجی فتنہ'' کی تردید میں ''سبائی فتنہ'' لکھوائی''، بلکہ کتاب تو پہلے لکھی جا چکی تھی اور ادارۂ نقیب ختم نبوت ملتان کے ساتھ مولانا ابوریحانؒ کا رابطہ اس وقت ہوا جب آپ اپنی کتاب شائع کروانے کے لئے کسی ناشر کی تلاش میں تھے۔

اور نہ ہی یہ بات صحیح ہے کہ یہ کتاب ''خارجی فتنہ'' کے جواب یا رَدّ میں لکھی گئی، بلکہ خود قاضی صاحبؒ نے اپنے تبصرہ کی پہلی قسط میں حضرت مولانا ابوریحانؒ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ:

''یہ چند طالب علمانہ گزارشات ہیں جو قاضی مظہر حسین چکوالی صاحب کی تالیف ''خارجی فتنہ'' کے مطالعہ میں اُمید ہے کہ مفید ہوں گی''

(مشاجرات صحابہ اور راہِ اعتدال، جلد دوم، ص 18)

نیز قاضی صاحبؒ کے تبصرہ کی پہلی قسط کے جواب الجواب میں خود مولانا ابوریحانؒ نے زیرِ عنوان (کیا ''سبائی فتنہ''، ''خارجی فتنہ'' کا جواب ہے؟) صاف طور پر لکھ دیا تھا کہ ''قاضی صاحب نے میری کتاب کو اپنی کتاب کا جواب قرار دیا ہے حالانکہ ''سبائی فتنہ'' درحقیقت ''خارجی

فتنہ'' کا جواب نہیں ہے''، نیز لکھا کہ'' علاوہ ازیں سبائی فتنہ اگر خارجی فتنہ کا جواب ہوتا تو پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی قاضی صاحب سے اختلاف کیا ہوتا حالانکہ اس مسئلہ میں میں نے ان سے اختلاف نہیں کیا...... الخ''۔

سلفی صاحب نے ایک مغالطہ یہ دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت قاضی مظہر حسین کی کتاب'' خارجی فتنہ'' کی عبارات پر جن حضرات نے نقد اور جرح کی ہے اسے'' مذہب اہل السنت والجماعت پر جرح'' باور کروایا، جبکہ جرح اور نقد قاضی صاحبؒ کی غیر محتاط عبارات اور مظہری تعبیرات پر کیا گیا تھا جو کہ خود مذہب اہل سنت کے خلاف تھیں نہ کہ مذہب اہل سنت پہ، اور کتاب'' سبائی فتنہ'' میں اصول اہل سنت اور قواعد اجتہاد کو ہی بنیاد بنا کر قاضی صاحبؒ کی ان عبارات وتعبیرات پر نقد تھا، اس کی تفصیل آپ مولانا ابو ریحانؒ کے جواب الجواب اور سبائی فتنہ حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ مولانا ابو ریحان رحمہ اللہ نے نہ کسی صحابیؓ پر جرح یا تنقید کی نہ کسی کی تنقیص کی، نہ کسی کو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت، اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی اور بغاوت وجور وغیرہ وغیرہ کا مرتکب کہا، لکھا، اور نہ ہی ایسے الفاظ لکھ کر بعد میں یہ تاویل کی کہ میں نے تو ان کو ایسا صرف صورۃً کہا ہے نہ کہ حقیقۃً، انہوں نے تو کسی صحابیؓ کے بارے میں'' مجتہد مخطی'' تک کا لفظ بھی نہیں لکھا، بلکہ ان کا موقف تو یہ تھا کہ مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں احوط واسلم واقوی مسلک ہے ہی یہ کہ اس میں سکوت وتوقف اختیار کیا جائے، اس موقف کو تو سلفی صاحب نے'' مشاجراتِ صحابہؓ میں ٹھوکریں کھانا'' سے تعبیر کر دیا، لیکن جن حضرات نے ان مشاجرات کے ایک فریق صحابہ کرامؓ، خاص طور پر حضرت معاویہ وحضرات حکمین رضی اللہ عنہم کے بارے میں پہلے تو یہ سب کچھ لکھا، پھر اپنی صفائی پیش کرنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ'' ہم نے جو ان صحابہ کرامؓ کو یہ سب کچھ لکھا ہے اس سے ہماری مراد یہ تھی کہ وہ صورۃً یہ سب کچھ تھے نہ کہ حقیقۃً''، ان کے بارے میں سلفی صاحب نے نہیں بتایا کہ انہوں نے بھی کوئی ٹھوکر کھائی یا

نہیں؟ اگر انہوں نے ٹھوکر نہیں کھائی تو پھر انہیں یہ "حقیقۃً" اور "صورتاً" کا فسلسفہ چھانٹنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔

اسی طرح جب قاضی صاحب مرحوم کی کتاب "خارجی فتنہ" کا نیا ایڈیشن اسی مذکورہ ادارے کی طرف سے شائع کیا گیا تو اس پر ماہنامہ "حق چار یار" میں انہی مولوی عبدالجبار سلفی صاحب نے زیرِ عنوان "خارجی فتنہ کی جدید اشاعت، یزیدی حلقوں میں فکری تھرتھلی" یوں لکھا:

"حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ (یعنی قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی ؒ۔ناقل) نے "خارجی فتنہ" حصہ اول جون 1982ء میں اور دوسرا حصہ جولائی 1986ء میں مکمل فرمایا تھا، ان دو کتابوں میں تحقیق و تدقیق کے موتی لٹا دیے گئے ہیں، کافی عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی، کیونکہ اس کا پہلا ایڈیشن ہی طبع ہوا تھا، اس کے بعد طباعت نہ ہو سکی تھی، اس کتاب کے جواب میں مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے ایک کتاب "سبائی فتنہ" تحریر کی تھی جو واقعتاً سبائی فتنہ تھی، مگر اس میں حضرت رحمہ اللہ (یعنی قاضی مظہر حسین صاحب ؒ۔ناقل) کے خارجیت اور یزیدیت کے خلاف دیئے جانے والے دلائل کا توڑ نہ تھا، چنانچہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اس پر بھی مفصل تبصرہ "سبائی فتنہ پر ایک نظر" کے نام سے کر دیا تھا"۔

(ماہنامہ "حق چار یار" جنوری 2012، ص 27،28 و "دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ" ص 172، طبع اول اگست 2014ء نیز طبع دوم ستمبر 2014ء)

عجیب بات ہے کہ قاضی صاحب ؒ کی جس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہو کہ 30 سال تک اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، اس کے نئے ایڈیشن نے اب کیا تھرتھلی مچانی تھی؟، ہم اس "سرخی" کو کتاب بیچنے کا ایک حربہ (Tactic) ہی کہہ سکتے ہیں۔

یا شاید "فکری تھرتھلی" سے سلفی صاحب کی مراد وہ تھرتھلی ہے جو قاضی صاحب ؒ کی ان عبارات سے مچی جن میں قاضی صاحب نے صحابہ کرام ؓ کو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی خلاف ورزی، اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت، ازروئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز کام، اور قصور وغیرہ وغیرہ کا مرتکب لکھا، چنانچہ جب اسی کی دہائی میں "خارجی فتنہ"

شائع ہوئی تو واقعی صحابہ کرامؓ کا دفاع کرنے والوں میں ''قہرحلی'' مچی تھی، اور دشمنانِ صحابہ نے خوشیاں منائیں اور گھی کے چراغ جلائے کیونکہ ایک ''وکیلِ صحابہ'' کہلائی جانے والی شخصیت نے صحابہ کرامؓ، خاص طور پر حضرت معاویہؓ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) کے خلاف ''وکیلِ جرح'' کا سا کردار ادا کیا تھا۔

جہاں تک ''خارجی فتنہ'' کی مچائی ہوئی ''قہرحلی'' کا تعلق ہے، تو مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمہ اللہ کے اس پر مدلل اور مضبوط نقد و تبصرہ (جواب نہیں، جیسا کہ سلفی صاحب غلط بیانی کر رہے ہیں) بعنوان ''سبائی فتنہ'' نے پہلے ہی اس کی ''قہرحلی'' کا ایسا کافی و شافی علاج کر دیا تھا کہ آج تک کچھ لوگوں کے پیٹ میں کتاب ''سبائی فتنہ'' کے نام سے مروڑ اٹھ رہے ہیں، اسی علاج شافی کی وجہ سے 1982ء کے بعد سے 2012ء تک اُن کی طرف سے ''خارجی فتنہ'' کا نیا ایڈیشن شائع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔

مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ پر اسی سے ملتی جلتی ایک تعریض خود قاضی صاحبؒ نے بھی کی تھی جس کا جواب مولانا ابوریحانؒ نے یوں دیا تھا:

''باقی رہی قاضی صاحب کی بات یزیدی ٹولہ کے عش عش کرنے کی؟ تو اس سلسلے میں صرف اتنی عرض ہے کہ میری اس زبان پر یزیدی ٹولہ عش عش کرتا ہوگا یا نہیں، یہ تو قاضی صاحب ہی بہتر جانتے ہوں گے کیونکہ انہی کے پرانے اور دیرینہ تعلقات ہیں اس ٹولہ سے، البتہ سبائی ٹولہ کو میری کتاب سے غش پر غش ضرور پڑ رہے ہیں، حامیانِ سبائیت کے پیٹوں میں مروڑوں پر مروڑے ضرور اٹھ رہے ہیں، ان کی رات کی نیند اور دن کا سکون ضرور غارت ہوا، ہوا ہے، اس لئے قاضی صاحب، یزیدی ٹولہ کی عش عش کو چھوڑیں، سبائی ٹولہ کے غش غش کی خبر لیں'' (اس کی تفصیل آپ ''مظہری تبصرہ کی قسطِ دوم کے مفصل جواب'' میں پڑھیں گے)۔

قارئین کو یہ بتاتے چلیں کہ سلفی صاحب جس خاص فکر سے تعلق رکھتے ہیں ان کی اصطلاح میں ''یزیدی'' اسے کہا جاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ حضرت معاویہ،

حضرت عائشہ، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص اور دوسرے اصحاب جمل وصفین (رضی اللہ عنہم) کا بھی دفاع کرے، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ ان تمام صحابہ کرامؓ کا بھی دفاع کرے جنھوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کیا، اس کی بیعت کی اور اس کی بیعت توڑنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کیا، یوں بالواسطہ طور پر اس گروہ کے نزدیک وہ تمام صحابہ کرامؓ بھی ''یزیدی'' ہی ٹھہرتے ہیں جنھوں نے یزید کی ولی عہدی کی تجویز دی، اس کی بیعت کی، اور اس پر قائم رہے، وہ تو ان کا بس نہیں چلتا کہ بظاہر اس گروہ نے ''وکالت صحابہ'' کا لیبل لگا رکھا ہے ورنہ یہ اُن تمام صحابہ کرام کو بھی ''یزیدی'' کا خطاب عنایت فرما دیتے۔

نیز جو اُن کی ہاں میں ہاں نہ ملائے، ان کے مخصوص الفاظ میں نعرہ نہ لگائے، یا جو اُن سے اختلاف کرے اسے بھی یہ ''یزیدی'' کا خطاب عطا کرتے ہیں۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ ضروری ہے کہ جب انہی سلفی صاحب نے قاضی صاحبؒ کی طرف سے ''کتاب سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر'' کے عنوان سے قسط وار لکھے گئے تبصرے کو کتابی شکل میں شائع کیا تو اس کا نام بدل کر ''مشاجراتِ صحابہ اور راہِ اعتدال'' رکھ دیا، اسی طرح جب اپنے قسط وار مضمون ''یزیدی فتنہ'' کو کتابی شکل میں شائع کیا تو اس کا بھی نام بدل کر ''دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' رکھ دیا۔

الغرض ا''سبائیت سے متاثر ٹولے'' کی جانب سے پھیلائی جانے والی ایسی ہی غلط فہمیوں کے سدِ باب کے لئے اب ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مولانا ابوریحان سیالکوٹیؒ کی طرف سے حضرت قاضی صاحبؒ کے تبصرہ کے اُسی وقت لکھے گئے جواب الجواب کو بھی کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ نے قاضی صاحبؒ کی توہین صحابہؓ پر مشتمل عبارات پر جو مضبوط نقد کیا تھا، کیا قاضی صاحبؒ اپنے تبصرہ میں اس کا جواب دے سکے؟ اور کیا وہ مولانا ابوریحانؒ کے اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' میں بیان کیے گئے اصولی موقف کو غلط ثابت کر سکے؟ (یہ جواب الجواب ہم نے حضرت مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ کے

ہاتھ سے لکھی ہوئی فائل سے نقل کیا ہے، نقیب ختم نبوت ملتان کے شماروں سے نہیں) نیز ''سبائی فتنہ، حصہ دوم'' کے اُس حصہ کو بھی جس کی تبییض وترتیب مولانا سیالکوٹی ؒ اپنی زندگی میں مکمل کر چکے تھے ساتھ ہی شائع کیا جارہا ہے، تاکہ قارئین جان سکیں کہ ''لاعلمی یا ضد کی بناء پر'' مشاجرات صحابہؓ میں ٹھوکر کس نے کھائی؟، اور'' خارجی فتنہ'' میں بیان کیے گئے ''تحقیقی وتدقیقی موتی'' سچے ہیں یا نقلی؟۔

اس کے علاوہ مولانا ابوریحان ؒ کے بہت سے احباب اور تلامذہ کا یہ بھی اصرار تھا کہ ان کے مختلف موضوعات پر لکھے گئے متفرق مضامین اور خطوط کو بھی کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے، لہٰذا وہ بھی ساتھ ہی شائع کیے جارہے ہیں۔

یوں یہ کتاب حضرت مولانا شیخ الحدیث ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی نوّر اللہ مرقدہ کے مختلف مضامین، جوابی مضامین اور مکاتیب کا ایک مجموعہ اور گلدستہ ہے، اور موضوع ان سب کا چونکہ دفاع صحابہؓ اور خاص طور پر دفاع سیدنا حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ ہے، اس لئے اس گلدستہ کو ''دفاع سیدنا معاویہ ؓ'' کے عنوان سے پیش کیا جارہا ہے۔

واللہ الموفق

ابوسعد رضوان اللہ بن مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی ؒ

☆☆☆

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین وعلیٰ کل من تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین۔ اما بعد

حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی ﷾ کا آبائی علاقہ موضع ''لوہارے'' تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ تھا، لیکن آپ کی ولادت، سنہ 1365ھ مطابق 1946ء میں بمقام صادق آباد ضلع رحیم یار خان ہوئی، اس زمانہ میں آپ کے والد گرامیؒ بسلسلۂ روزگار صادق آباد (ضلع رحیم یار خان) میں مقیم تھے، آپ نے اپنی ابتدائی دینی تعلیم اور حفظ قرآن صادق آباد شہر کے مضافات میں واقع مدرسہ خدام القرآن موضع ''میرے شاہ'' میں حاصل کی، چنانچہ آپ نے ایک جگہ خود اس زمانے کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے کہ:

''یہ مدرسہ اگرچہ شہری آبادی سے کئی میل دور خالص دیہاتی آبادی میں تھا، وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہوتا تھا، پکی سڑک ایک طرف سے چھ میل اور دوسری طرف سے تین میل دور تھی، اس پر بھی موٹر لاری اِکا دُکا ہی چلا کرتی تھی، وہاں سے زیادہ تر پیدل ہی مدرسہ پہنچنا ہوتا تھا، یا پھر صادق آباد شہر سے سالم تانگہ مدرسہ کے لیے کروانا ہوتا تھا، مدرسہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد عثمان صاحب ﷫ (فاضلِ دیوبند و تلمیذِ شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس اللہ سرہ) کے اخلاص اور انتھک شبانہ روز محنت اور طلبہ خصوصاً چھوٹی عمر کے طلبہ کی تعلیم وتربیت سے متعلق ان کی خاص ''مجتہدانہ'' مہارت ومساعی کی وجہ سے اس کی شہرت کراچی تا پشاور صرف اندرونِ ملک ہی نہیں بلکہ بیرونِ ملک تک پہنچی ہوئی تھی، مکہ ومدینہ کے دو طالب علم تو خود میرے ہم درس تھے، حضرت مہتمم صاحب کی دعوت پر اور کچھ مدرسہ کی شہرت کے پیش نظر آئے دن عالم اسلام کی مایۂ ناز اور عظیم شخصیات مدرسہ تشریف لاتی رہتی تھیں، حضرت مولانا محمد یوسف (حضرت جی، امیر تبلیغی جماعت)، حضرت مولانا عبدالغفور مدنی، حضرت مولانا محمد صادق، مہتمم مظہر العلوم کھڈہ کراچی، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا قاضی احسان احمد

شجاع آبادی، حضرت مولانا حامد میاں، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی، اور جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء المنعم بخاری (رحمہم اللہ) جیسے بزرگوں کی سب سے پہلی زیارت مجھے وہیں نصیب ہوئی، شیخ الاسلام حضرت مدنی، امام الہند ابوالکلام آزاد، اور امیر شریعت (رحمہم اللہ) کی وفات کی خبریں بھی وہیں سنیں، ایوب خان کا مارشل لاء بھی وہیں دیکھا، احرار کی لال جیپ مع لاؤڈ سپیکر وہیں دیکھی"۔

آپ کی دینی تعلیم کی تکمیل سنہ 1386ھ مطابق 1966ء میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی سے ہوئی، آپ نے دورۂ حدیث شریف میں مندرجہ ذیل اساتذہ کرام سے پڑھا:

صحیح بخاری :......محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ (م1397ھ/1977ء)

صحیح مسلم :...... حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ (م1409ھ/1989ء)

جامع ترمذی :......حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ (م1415/1995)

سنن ابی داؤود:......حضرت مولانا فضل محمد رحمہ اللہ (م1417ھ/1996ء)

سنن نسائی، سنن ابن ماجہ:......حضرت مولانا بدیع الزمان رحمہ اللہ (م1420ھ/2000ء)

مؤطین وطحاوی:......حضرت مولانا مصباح اللہ شاہ رحمہ اللہ (م1416ھ/1995ء)

درس نظامی کی تکمیل کے بعد وہیں محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی زیر نگرانی "تخصص فی الحدیث" مکمل کیا، بعد ازاں آپ اپریل 1969ء میں اسلام آباد تشریف لے آئے، کچھ عرصہ وہاں ایک مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد ستمبر 1972ء میں تقدیر آپ کو پھر کراچی لے گئی، وہاں حاجی کیمپ کی مسجد میں آپ امام وخطیب مقرر ہوئے، کچھ ماہ بعد جولائی 1973ء میں بوجوہ اپنے آبائی وطن سیالکوٹ تشریف لے گئے اور سیالکوٹ شہر کے محلہ (ٹبہ پورہ) کی ایک مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھال لی۔

اسی دوران غالباً سنہ 1973ء/1974ء میں آپ بذریعہ بحری جہاز حج کے لئے

تشریف لے گئے اور اپنے شیخ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حج ادا کیا، آپ اپنے شیخ کے ساتھ تقریباً ساڑھے تین ماہ حرمین شریفین میں رہے اسی دوران وہیں آپ نے نماز تراویح میں قرآن کریم سنایا اور سامعین میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔

کچھ سال بعد (مارچ 1977ء میں) حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ (خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد) کی دعوت پر دوبارہ اسلام آباد لوٹ آئے اور نیول کالونی اسلام آباد کی مسجد امیر حمزہ میں (جو اس وقت صرف ایک خالی پلاٹ کی شکل میں تھی) امام وخطیب کے فرائض سنبھالے، ساتھ ہی "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" (جو اُس وقت اسلام آباد کے سیکٹر ایف سکس فور کے ایک سرکاری کوارٹر میں قائم تھا، اور بعد میں جامعۃ العلوم الاسلامیۃ الفریدیۃ کے نام سے اپنی حالیہ جگہ پر منتقل ہو گیا جو اُس زمانے میں اسلام آباد کی واحد دینی درسگاہ تھی) میں تدریس بھی شروع کی۔

تقریباً تیس سال بعد (2004ء/2005ء) میں ایک بار پھر سیالکوٹ کے پرانے ساتھیوں کے اصرار پر آپ مولانا محمد علی کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی معروف دینی درسگاہ "جامعہ شہابیہ سیالکوٹ" بطور صدر مدرس، شیخ الحدیث اور خطیب تشریف لے گئے، چونکہ آپ کے اہل خانہ اور اہل وعیال اسلام آباد میں ہی مقیم تھے اور آپ کی صحت میں بھی کچھ اونچ نیچ رہنے لگی تھی اس لئے اہل خانہ کے اصرار پر تقریباً تین سال سیالکوٹ میں گزارنے کے بعد ایک بار پھر واپس اسلام آباد آ گئے اور راولپنڈی کی معروف درسگاہ جامعہ فاروقیہ، قائداعظم کالونی، دھمیال کیمپ میں بطور شیخ الحدیث آپ کا تقرر رہا۔

آپ وفاق المدارس العربیہ کی نصابی کمیٹی کے رکن بھی تھے، اگست 2010ء میں وفاق المدارس کے تحت ہونے والے درجہ عالیہ کے امتحانی پیپر چیک کرنے کے لئے کراچی تشریف لے گئے، وہاں سے واپس اسلام آباد آتے ہوئے جہاز موسم کی خرابی کی وجہ سے لاہور اترا، وہیں لاؤنج میں اچانک طبیعت ناساز ہوئی اور بے ہوش ہو گئے، ہوائی اڈہ انتظامیہ نے قریبی

ہسپتال پہنچایا، تقریباً چوبیس گھنٹے اسی حالت میں رہنے کے بعد منگل اور بدھ کی درمیانی شب مورخہ 22 شعبان 1431ھ مطابق 3 اگست 2010ء کو داعیِ اجل کو لبیک کہا، آپ کی نماز جنازہ بروز بدھ (22 شعبان مطابق 4 اگست) آپ کی وصیت کے مطابق حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم (ناظم صوبہ پنجاب، وفاق المدارس العربیہ) کی زیرِ امامت ادا کی گئی، اور دارالعلوم فاروقیہ، قائداعظم کالونی ڈھمیال کیمپ راولپنڈی کے قریب واقع قبرستان میں آپ کی تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ واسکنہ فسیح جنانہ۔

آپؒ کا مشرب ومسلک

اپنے بارے میں آپ خود لکھتے ہیں کہ:

''جب میں پیدا ہوا تو میرے والد صاحب، اُس وقت بھی (جیسا کہ شعور کی آنکھ کھولنے کے بعد اپنے گردوپیش، گھر کے ماحول اور ماں باپ نیز بہن بھائیوں کے طور طریق سے معلوم ہوا) بحمد اللہ متصلب دیوبندی تھے، دیوبندی عقائدِ حقہ کے حامل تھے، اکابرِ دیوبند سے صرف عقیدت ہی نہیں بلکہ عقیدہ بھی دیوبندی ہی رکھتے تھے، اکابرِ دیوبند سے ہی وابستہ تھے، خود تو حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے اور میری والدہ ماجدہ، انہیں کے ممتاز خلیفہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب پسروری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، میں نے جب سے شعور کی آنکھ کھولی، اُس وقت سے اب تک اپنے گھر میں علماءِ دیوبند کے سوا کسی اور مکتبِ فکر کے کسی بھی عالم کو داخل ہوتے نہیں دیکھا''۔

(بحوالہ مضمون ''سبحانک ھذا بھتان عظیم ۔مظہری یزیدیت بمقابلہ عباسی یزیدیت'')

اور میں بھی بلا کسی شک وشبہ کے یہ بات لکھ رہا ہوں کہ والد گرامیؒ کی علماء دیوبند وبزرگان کے ساتھ عقیدت مثالی تھی، آپ 1986 میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے منعقدہ ''شیخ الہند سیمینار'' میں شرکت کے لئے دوسرے علماء کے ساتھ ہندوستان تشریف لے گئے، اس دوران آپ نے دارالعلوم دیوبند کی زیارت بھی کی۔

اسی طرح جب بھی انہیں معلوم ہوتا کہ علماء حق کے کوئی بزرگ اسلام آباد تشریف لاتے ہیں تو وہ ان کی زیارت کے لئے جاتے بلکہ مجھے بھی ساتھ لے کر جاتے، میں انہی کے طفیل شیخ الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، حضرت مولانا اسعد مدنی، حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری وغیرہم (رحمہم اللہ) کی زیارت سے اپنے بچپن میں مشرف ہوا ہوں۔

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

میں سنہ 1990ء میں پہلے بسلسلۂ تعلیم اسلام آباد سے سیالکوٹ پھر وہیں سے سنہ 1996ء میں بسلسلۂ روزگار بیرون ملک منتقل ہو گیا تھا جہاں سے سنہ 2013ء میں مستقل طور پر واپس پاکستان آ گیا، یہاں آنے کے بعد مختلف مجالس میں حضرت والد گرامی رحمہ اللہ کے بارے میں چند ایسی باتیں سننے کو ملیں جن کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں جو صرف ایک مخصوص ذہنیت رکھنے والے گروہ کی پھیلائی ہوئی ہیں، لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً ان غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا جائے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ کا عقیدہ

بعض مجالس میں یہ بات سنائی دی کہ "ابوریحان سیالکوٹی صاحب کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں خیالات ونظریات درست نہ تھے"، بلکہ بعض جگہ تو کچھ حضرات نے آپؒ کا ذکر کرتے ہوئے آپ پر "خارجی ذہن رکھنے والے" کی پھبتی بھی اڑائی، یہ بات سراسر غلط اور بہتان ہے اور "ایک مخصوص حلقہ" کی طرف سے پھیلائی گئی، جنہیں قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی رحمہ اللہ کی کتاب "خارجی فتنہ، جلد اول" پر آپ کا نقد وتبصرہ ناگوار گزرا، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے خود، قاضی مظہر صاحبؒ کی کتاب "خارجی فتنہ" کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

"تفصیلی مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ کتاب مذکور فتنہ خارجیت وناصبیت کے رد میں تو واقعی خوب ہے لیکن دوسری جانب...... عقیدے کی حد تک فساد کا تو میں قاضی صاحب کے

بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا ..... البتہ الفاظ کی حد تک بے احتیاطیوں کے بارے میں کسی قدر وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ بے احتیاطیاں اس میں یقیناً ہوئی ہیں۔ نیز مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان میں اہل سنت کے ہی اصول وحدود کی جیسی رعایت ہونی چاہیے تھی اور ہو بھی سکتی تھی، تعبیرات کی حد تک اس کا ویسا اہتمام نہیں ہو سکا۔ خصوصاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرات حکمین رضی اللہ عنہما سے متعلق لفظی تساہلات اور تعبیری تسامحات تو کتاب میں جا بجا موجود ہیں، جس کو قاضی صاحب کے مخاطبین بڑی آسانی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی منقبت نگاری کے بہانہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقصت شماری کا نام دے سکتے ہیں۔ اور یہ وہ بات ہے جس کا اعتراف خود قاضی صاحب کو بھی ہے، جس کی انہوں نے تاویل بھی کی ہے، لیکن ہمارے نزدیک وہ تاویل خود قابل تاویل ہے جیسا کہ ان شاء اللہ معلوم ہوگا۔ ''خارجی فتنہ'' کی بس ایسی ہی باتیں میری ان معروضات کا موضوع ہیں، ورنہ جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ اور نواصب وخوارج کے الزامات سے ان کی کلی براءت کا تعلق ہے، میں اسی عقیدہ میں اپنی نجات سمجھتا ہوں جو قاضی صاحب نے اہل سنت کے حوالے سے اصولی طور پر بیان فرمایا ہے'' (سبائی فتنہ، حصہ اول، طبع دوم، ص 18، 19)۔

اس عبارت کے خط کشیدہ الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقیدہ کا اعلان کر دیا ہے، لہٰذا آپ پر ''خارجی'' نظریات کا حامل ہونے کی تہمت لگانا اور آوازہ کسنا تعصب اور عناد کے سوا کچھ نہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم ۔

''یزیدیت'' اور محمود عباسی کی تحریرات سے متاثر ہونے کا الزام

اسی طرح قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کتاب ''سبائی فتنہ'' سے تو کوئی ایسی بات ہاتھ نہ آئی جس کو بنیاد بنا کر قاضی صاحبؒ، والد محترم رحمۃ اللہ علیہ پر (قاضی صاحب کا اصطلاحی) ''یزیدی'' ہونے کا فتویٰ داغ سکیں، لیکن جب آپ نے مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحبؒ کا ایک ''کھلا خط'' دیکھا جو تجلیات صفدر کی جلد اول میں حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ کے 25 فل سکیپ صفحات پر مشتمل ایک خط کے جواب میں اوکاڑوی صاحبؒ نے شائع کیا (اوکاڑوی صاحب کو

لکھا گیا خط، اس کے جواب میں اوکاڑوی صاحب کا تجلیات صفدر جلد اول میں شائع کردہ کھلا خط، اور پھر اس کے جواب الجواب میں اوکاڑوی صاحب کو بھیجا گیا خط، یہ تمام خطوط آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے)، تو قاضی صاحبؒ نے اوکاڑوی صاحبؒ کے اسی جوابی ''کھلے خط'' کو بنیاد بناتے ہوئے بالآخر آپؒ پر ''یزیدیت'' کا فتویٰ داغ دیا، چنانچہ اوکاڑوی صاحب کی وفات کے بعد ان کی خدمات کا تعارف کرواتے ہوئے زیرِ عنوان ''یزیدیت'' قاضی صاحبؒ نے لکھا:

''اور بعض دیوبندیت کی طرف منسوب اہلِ علم نے بھی عباسی کی تحریرات سے متاثر ہوکر اس کا عقیدہ اپنا لیا، چنانچہ ابوریحان مولوی عبدالغفور صاحب سیالکوٹی مؤلف کتاب ''سبائی فتنہ'' بھی اس زمرے میں شامل ہیں۔ مناظر اسلام مولانا اوکاڑویؒ نے یزیدیت کے ردّ میں بھی قلم اٹھایا، چنانچہ انہوں نے کھلا خط بنام ابوریحانؔ صاحب لکھا تھا جو تجلیاتِ صفدر جلد اول میں شائع ہوگیا ہے اور جس میں آپ نے اپنی مناظرانہ علمی صلاحیت کے ذریعہ ان کو لاجواب اور بے بس کردیا تھا''۔ (ماہنامہ حق چار یار، مولانا اوکاڑوی نمبر، ص52)۔

ہم اہلِ علم سے عرض کرتے ہیں کہ مولانا ابوریحان صاحبؒ اور اوکاڑوی صاحبؒ کے خطوط کا ضرور مطالعہ کریں اور غور کریں کہ کیا مولانا ابوریحانؒ کے مدلل و معقول موقف کے سامنے اوکاڑوی صاحب علمی صلاحیت کا مظاہرہ کرسکے ہیں اور کیا واقعی ان کو لاجواب و بے بس کردیا ہے؟ ہم تو قاضی صاحبؒ کا اوکاڑوی صاحبؒ کی تحریر کو ''علمی صلاحیت اور ابوریحانؒ صاحب کو لاجواب اور بے بس کرنے والی'' لکھنا اُن کی ''بزرگی'' ہی بس سمجھتے ہیں۔

حتیٰ کہ قاضی صاحبؒ کے نام سے منسوب ''ادارہ مظہر التحقیق لاہور'' نے قاضی صاحبؒ کے تحریر کردہ ''کتاب سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر'' کے عنوان سے شائع ہونے والے قسط وار تبصرہ کو قاضی صاحب کی وفات کے تقریباً نو سال بعد جب یک جا کتابی شکل میں ''مشاجرات صحابہؓ اور راہِ اعتدال، جلد دوم'' کے نام سے شائع کیا تو اِس کتاب کے مقدمہ میں بھی حضرت والد صاحب ﷫ پر ''یزید کا دفاع'' کرنے کا بہتان لگایا گیا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سبائی فتنہ میں

کہیں بھی یزید کے دفاع یا مخالفت کی بحث اشارۃً بھی نہ تھی، مولانا ابوریحان رحمہ اللہ نے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع کیا، کتنے افسوس کی بات ہے کہ صحابہؓ کی ایک جماعت کے دفاع کو یزید کا دفاع کہا جارہا ہے۔ فالی اللہ المشتکی'۔

قاضی صاحب رحمہ اللہ کے اس الزام پر تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے مضمون ''مظہری یزیدیت بمقابلہ عباسی یزیدیت'' میں ان کا حساب نقد ونقد چکا دیا تھا (وہ بھی آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے)، اس مضمون میں آپ نے واشگاف الفاظ میں لکھا کہ: ''قاضی صاحب کا میرے بارے میں یہ لکھنا کہ میں بھی عباسی تحریرات سے متاثر ہوکر اس کا عقیدہ اپنا لینے والے زمرے میں شامل ہوں، از اول تا آخر بالکل غلط اور مجھ پر سراسر بہتان عظیم ہے''۔ نیز آپ نے واضح طور پر لکھا کہ: ''میرا اس زمرے سے کوئی تعلق نہیں، میں عباسی نظریات وعقائد کے نہ بنیادی قواعد وضوابط میں ان کا ہم نوا ہوں، اور نہ ان پر مرتب کردہ ان کے نتائج ومسائل میں ہی ان کا ہم خیال ہوں، میرے اور عباسی صاحب کے نظریات وخیالات بالکل الگ الگ ہیں''۔ پھر آپ نے یزید کے بارے میں اپنے نظریات کی وضاحت کرتے ہوئے اس مضمون میں لکھا کہ: ''میں باتباع اکابر (یزید کے بارے میں) لانُحِبُّه ولانَسُبُّه کا قائل ہوں'' (1)، میں اپنے ان نظریات کو اپنے مضمون ''حضرت حسینؓ کے کربلائی خروج کی بنیاد کیا تھی؟'' میں مفصل ومدلل

(1) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یزید کے بارے میں ''لانحبه ولا نسبه'' (نہ اس سے محبت رکھتے ہیں اور نہ اسے بُرا بھلا کہتے ہیں) والا موقف ذکر کرکے لکھا ہے کہ ''وهذا هو المنصوص عن الامام احمدؒ، وعليه المقتصدون من اصحابه وغيرهم من جميع المسلمين'' یہی بات امام احمد بن حنبل سے منصوص ہے، نیز ان کے اصحاب اور دوسرے تمام مسلمانوں میں سے جو انصاف پسند اور اعتدال والے لوگ ہیں سب کا یہی موقف ہے (مجموع الفتاویٰ، ج4 ص483، طبع سعودیہ)، اس کی مزید توضیح امام ابن تیمیہؒ نے ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کی ہے کہ ''ولهذا كان المقتصدون من أئمة السلف يقولون فى يزيد وامثاله: انا لا نسبّهم ولانحبهم أى لانحب ما صدر منهم من ظلم، والشخص الواحد يجتمع فيه حسنات وسيئات وطاعات ومعاصي وبرٌّ وفجور وشرّ فيثيبه الله علىٰ حسناته ويعاقبه علىٰ سيئاته إن شاء أو يغفر له ....

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

بیان کر چکا ہوں (یہ مضمون بھی آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے)۔

اسی طرح حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے کتاب ''سبائی فتنہ'' پر ان ہی کی جماعت کے ماہنامہ ''حق چار یار'' میں شائع ہونے والے تبصرہ کی پہلی قسط کے جواب میں حضرت والد محترم رحمہ اللہ نے لکھا تھا:

''میں الحمدللہ، قاضی صاحب کی اس کتاب (یعنی خارجی فتنہ۔ناقل) کے وجود میں آنے سے پہلے بھی نہ خارجی تھا، نہ ناصبی، نہ رافضی تھا نہ مودودی، نہ قاضی صاحب کا اصطلاحی یزیدی تھا نہ عباسی، اور نہ اب ہی ہوں، بلکہ بحمداللہ پہلے بھی خالص سُنی تھا اور اب بھی بحمداللہ سُنی ہوں''۔

(مظہری تبصرہ کی قسطِ اول کا جواب، ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، مئی 1992ء، ص54)

نیز آپ نے بالتصریح لکھا کہ:

''ہمارے نزدیک جس طرح رافضیت اور خارجیت وناصبیت، سبائی فتنے کی شاخیں اور شعبے ہیں جن کی تردید کرنا اور دنیا کو ان فتنوں سے آگاہ کرنا ضروری ہے، اور اہل حق ہمیشہ سے یہ فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، بالکل اسی طرح صرف محاربینِ حضرت علی بالخصوص حضرت

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

ويحب ما فعله من الخير ويبغض ما فعله من الشر '' یعنی ائمہ سلف میں سے معتدل لوگ یزید اور اس جیسے لوگوں کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ہم انہیں بُرا کہیں گے نہ اُن سے محبت کریں گے (محبت نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ) اُن سے جو مظالم صادر ہوئے، اُن سے محبت نہیں کریں گے، ایک شخص کے اندر اچھائیاں اور برائیاں، طاعات ونافرمانیاں، نیکی اور گناہ وشر جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں اور اچھائیوں پر ثواب دے گا اور بُرائیوں پر اگر چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف کردے اور اُس کے اچھے اعمال سے محبت کرتا ہے اور بُرے اعمال کو ناپسند کرتا ہے (مجموع الفتاویٰ، ج4 ص475) تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے معتدل گروہ کے یزید سے محبت نہ کرنے کا مطلب یہ بتایا ہے کہ یزید سے جو ظلم ہوا، اس سے محبت نہیں کی جائے گی، ایک اور جگہ اسے بایں الفاظ بیان کیا ہے کہ ''يزيد عند علماء ائمة المسلمين ملك من الملوك، لا يحبونه محبة الصالحين وأولياء '' یعنی یزید، ائمہ مسلمین کے نزدیک بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہے، اس سے اولیاء اللہ اور نیک بزرگوں جیسی محبت نہیں کی جائے گی (ایضاً، ج3 ص412)۔مرتب

معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے مشاجراتی اجتہادی موقف پر یوں بلا تکلف نقد و تبصرہ بھی اسی سبائی فتنے کی ہی ایک شاخ اور اسی کا ایک شعبہ ہے، اس کی تردید کرنا اور اس سے دنیا کو آگاہ کرنا از بس ضروری ہے"۔ (مظہری تبصرہ کی قسط اول کا جواب، ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، اپریل 1992ء، ص 44)۔

پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"اور جس طرح حضرت علی یا دوسرے کسی بھی صحابی (رضی اللہ عنہ) کی شان میں ناشایاں الفاظ کا استعمال، ان کے اجتہادی مواقف پر بے تکلفانہ نقد و تبصرہ اور ان کی تنقید و تنقیص، سبائی فتنہ کا شعبہ ہے بالکل اسی طرح صحابیین حضرت علی، اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی شان میں بھی ناشایاں الفاظ و نامناسب تعبیرات کا استعمال، ان کے اجتہادی مواقف پر بے تکلفانہ نقد و تبصرہ اور ان کی تنقید و تنقیص بھی سبائی فتنہ اور یقیناً سبائی فتنہ کی ہی ایک شاخ ہے، اس کو سبائی فتنہ ہی کہا جائے گا"۔ (ایضاً)

لہٰذا ایک مخصوص فکر کے حامل طبقے کی طرف سے جس کا کام ہی ان کے مخصوص نظریات کے ساتھ اختلاف رکھنے والے ہر آدمی کو، اور ان کی بولی نہ بولنے والے ہر شخص کو "یزیدی"، "ناصبی" اور "خارجی" کا خطاب دینا ہے، حضرت والد گرامی رحمہ اللہ کے بارے میں پھیلائی جانے والی یہ باتیں اُن حضرات کے مریدانِ باصفا کو تو خوش کر سکتی ہیں لیکن حقیقت سے ان کا دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

میر پور، آزاد کشمیر سے اسی مخصوص جماعت کے سرگرم کارکن ایک صاحب نے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو دو خط بھیجے جن میں چار سوالات کے جوابات مانگے گئے، پہلا خط مورخہ 18 ربیع الثانی سنہ 1413ھ، مطابق 16 اکتوبر 1992ء اور دوسرا خط مورخہ 26 ربیع الثانی، مطابق 23 اکتوبر سنہ 1992ء کو لکھا گیا، حضرت والد صاحبؒ کو ان صاحب کے بارے میں علم تھا کہ یہ کون ہیں اور کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں (کیونکہ یہی صاحب اس سے پہلے مورخہ 13 ربیع الاول سنہ 1413ھ کو حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ، مہتمم جامعہ فریدیہ

اسلام آباد، کے نام "مخصوص نعروں سے آراستہ" ایک خط لکھ چکے تھے جس میں حضرت والد گرامی ابو ریحان عبدالغفور ﷫ کو خارجی بتایا اور اپنے ممدوح حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کے بارے میں چند بزرگوں کے تعریفی اقوال نقل کر کے یہ مطالبہ کیا کہ ابو ریحان صاحب کو اپنے مدرسہ سے نکال باہر کریں، جس کی نقل ہمارے پاس محفوظ ہے)۔ اس لئے حضرت والد گرامی ﷫ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان صاحب کا یہ سوالات کرنے کا مقصد کسی خاص غرض کی تکمیل ہے۔ اس لئے پہلے خط کا جواب تو آپ نے مختصر طور پر یہی دیا کہ "مجھ سے یہ سوالات کس حیثیت سے کر رہے ہیں اور کس غرض سے؟"۔ اُن صاحب نے اس کے جواب الجواب میں دوسرا خط بھیجا جس میں لکھا کہ "آپ کی ایک تصنیف زیرِ بحث ہے، علمی حلقوں کی طرف سے اعتراضات بھی ہو رہے ہیں، میں نے اپنی تسلی کے لئے یہ چار سوالات آپ کی خدمت میں ارسال کیے ہیں، اگر جوابات عنایت فرمائیں گے تو نہ صرف میری تسلی ہو جائے گی بلکہ شاید اور بہت سے لوگوں کا ابہام بھی دُور ہو جائے"۔ والد محترم ؒ نے اس کا بھی مختصر جواب لکھا کہ "آپ یہی فرمایئے کہ آپ کو میری کون سی تصنیف کی کس بات سے میرے بارے میں کیا غلط فہمی ہوئی؟"، لیکن اُن صاحب کے خط کی پشت پر اپنے ریکارڈ کے لئے ان صاحب کی طرف سے پوچھے گئے چاروں سوالوں کا جواب اپنے ہاتھ سے تحریر فرما کر محفوظ رکھا، اس وقت وہ خط اور اُس پر سرخ روشنائی سے جلی حروف میں لکھے اُن چاروں سوالوں کے جواب میرے سامنے ہیں، صاحب خط نے جو چار سوالات کیے وہ یہ تھے:

1:...... آپ حضرت حسین ؓ اور یزید کے مسئلہ پر کیا عقیدہ رکھتے ہیں؟

2:...... کیا آپ یزید کو صالح، عادل حکمران مانتے ہیں؟

3:...... جنگِ صفین کے سلسلہ میں حضرت علی ؓ کا موقف درست تھا یا کہ حضرت امیر معاویہ ؓ کا؟

4:...... جنگِ صفین میں آپ خطائے اجتہادی کس بزرگ کی طرف منسوب کرتے ہیں؟

حضرت والد گرامی، مولانا ابو ریحان عبدالغفور ﷫ نے سوالیہ خط کی پشت پر لکھا کہ "...... یہ صاحب ایک خاص مقصد بلکہ ایک ...... مشن کی تکمیل کی غرض سے سوالات کر رہے تھے،

میں وہ غرض اچھی طرح جانتا تھا اس لئے ان کو وہ جوابات دیے (یعنی جو مختصر جوابات صاحب خط کو بھیجے گئے) ورنہ ان کے سوالوں کا صحیح جواب میرے نزدیک یہ ہے:

جواب سوال نمبر 1

حضرت حسینؓ کا کربلائی موقف میرے نزدیک از اول تا آخر بالکل صحیح اور مطابق قواعدِ شرعیہ ہے، خواہ یزید، فاسق ہو یا عادل دونوں صورتوں میں حسینی موقف کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

جواب سوال نمبر 2

یزید کے بارے میں میرا عقیدہ وہی ہے جو اہل السنۃ محققین کا ہے کہ ''لا نُحِبّہ و لا نَسُبُّہ''۔

جواب سوال نمبر 3

دونوں بزرگوں (حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما) کا موقف اپنی اپنی جگہ درست تھا۔

جواب سوال نمبر 4

(جنگِ صفین میں خطائے اجتہادی دونوں میں سے) کسی کی طرف بھی منسوب نہیں کرتا۔

آخری دو باتوں کی مکمل تفصیل اپنی کتاب میں دے چکا ہوں۔

(دستخط)

الغرض! اس سارے واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد صرف اِن امور کے بارے میں حضرت والد گرامیؒ کے موقف اور نظریہ کی وضاحت ہے۔ نیز یہ بتانا مقصود ہے کہ کیسے خوف الٰہی سے عاری، فکرِ آخرت سے بے پرواہ ہو کر، اور دلائل کی دنیا میں عاجز آنے کے بعد کچھ لوگوں کے ترکش کا آخری تیر یہی ہوتا ہے کہ بلا سوچے سمجھے کسی پر بھی ''خارجی'' اور ''یزیدی'' وغیرہ کے فتوے داغ دیتے ہیں۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں آپ کا موقف

جس نے بھی بالاستیعاب حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''سبائی فتنہ حصہ اول'' کا مطالعہ کیا ہے وہ اِس بارے آپ کے موقف سے بخوبی آگاہ ہے، مختصراً یہ کہ آپ کے نزدیک

مشاجرات صحابہؓ میں ''توقف وامساک اور سکوت اختیار کرنا'' ہی سب سے ''احوط واسلم اور اقرب الی واتقن'' مسلک اور موقف تھا (تفصیل کے لئے سہائی فتنہ حصہ اول، ص423 و ص 696 طبع دوم ملاحظہ کی جاسکتی ہے)، نیز آپؒ نے ''سہائی فتنہ حصہ اول'' میں اپنے موقف کی بنیاد اہل سنت کے مسلمہ اصول اور قواعد اجتہاد پر رکھی ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(ا)...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رونما ہونے والے مشاجرات اجتہادی تھے۔

(ب)...... مجتہد کی خطأ وصواب کا قطعی فیصلہ قیامت تک نہیں ہوسکتا، اس کی خطأ وصواب ظنی ہے۔

(ج)...... اسی ظنی خطأ وصواب کو بھی اگر کسی وقت بامر مجبوری بیان کرنا پڑے تو انداز بیان ایسا ہونا چاہیے کہ جانب خطأ کی توہین وتنقیص نہ ہوتی ہو، اس کی کسر شان کا کوئی پہلو نہ نکلتا ہو۔

(د)...... اجتہادیات میں ہر مجتہد کے لئے اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا لازم وضروری ہوا کرتا ہے۔

(ہ)...... کسی خطئی مجتہد کا خطئی ہونا بوقت ضرورت بتایا تو جاسکتا ہے لیکن اس کو ضرور بالضرور قطعی ہی بتانے پر ادھار کھائے بیٹھنا قطعاً جائز نہیں ہے۔

(سہائی فتنہ، حصہ اول، ص387 طبع دوم)

نیز آپ نے لکھا کہ: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی خصوصاً مشاجراتی اختلافات پر بوقتِ ضرورت بھی گفتگو کرتے وقت صرف ان فقہی اجتہادی ضابطوں کو ہی پیش نظر رکھ لینا بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان سے متعلق صریح وصحیح نبوی ارشادات وہدایات کو بھی پیش نظر رکھنا ازبس ضروری ہے''۔ (سہائی فتنہ، حصہ اول، ص701 طبع دوم)

مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ کا یہ موقف کوئی نیا یا انوکھا نہیں، بلکہ سلف صالحین سے منقول ہے مثلاً:

1:...... امام ابوبکر احمد بن محمد الخلال (م311ھ) نے صحیح سند کے ساتھ معروف تابعی حضرت محمد بن سیرین سے روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

''هاجت الفتنة واصحاب رسول الله ﷺ عشرة آلاف فما حضر

فيها مائة بل لم يبلغوا الثلاثين ۔ جب فتنہ اٹھا (یعنی جب حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد صحابہؓ کے درمیان اختلافات رونما ہوئے) تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی، لیکن ان میں سے (کسی بھی جانب شرکت کرنے والے) سو (100) بھی نہ تھے بلکہ ان کی تعداد تیس تک بھی نہیں پہنچی''۔

(السنة لابی بکر الخلال، الجزء الثانی ،ص466،روایت نمبر728،طبع دار الرایۃ، الریاض)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت موجود صحابہ کرامؓ کی 99 فیصد اکثریت غیر جانبدار رہی تھی اور ''توقف'' کے مسلک وموقف پر قائم تھی۔

2:...... یہی ابوبکر الخلالؒ اسی کتاب میں امام احمد بن حنبلؒ سے صحیح سند کے ساتھ ایک اور روایت بھی نقل کرتے ہیں:

''امام احمد بن حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ:یا ابا عبدالله ما تقول فيما كان من علي ومعاوية رحمهما الله؟ فقال ابو عبدالله: ما أقول فيها الا الحسنىٰ رحمهم الله اجمعين ۔اے ابوعبداللہ (امام احمد بن حنبل کی کنیت ہے) جو کچھ حضرت علیؓ ومعاویہؓ کے درمیان ہوا آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: میں اس بارے میں سوائے اچھی بات کے کچھ نہیں کہتا، اللہ کی ان دونوں پر رحمت ہو''۔

(السنة لابی بکر الخلال، الجزء الثانی ،ص460،روایت نمبر713،طبع دار الرایۃ، الریاض)

اس روایت کے نیچے کتاب کے محقق ڈاکٹر عطیہ زہرانی لکھتے ہیں:''اسنادہ صحيح، وهذا هو مذهب السلف واحسان القول فيهم والسكوت عما شجر بينهم ۔اس روایت کی سند صحیح ہے،سلف کا یہی مذہب ہے کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں اچھی بات کی جائے اور جو کچھ ان کے درمیان ہوا اس بارے سکوت اختیار کیا جائے۔

3:...... امام ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی (م671ھ) لکھتے ہیں:

''لا يجوز ان يُنسب الى احد من الصحابة خطأ مقطوع به، اذ كانوا كلهم اجتهدوا فيما فعلوه، وارادوا الله عزوجل، وهم كلهم لنا ائمة ، وقد تعبّدنا

بالكف عما شجر بينهم، والا نذكرهم الا باحسن الذكر......الخ ۔کسی صحابی کی طرف قطعی طور پر غلطی کی نسبت کرنا جائز نہیں کیونکہ ان سب نے جو کیا وہ اس میں مجتہد تھے اور ان کا ارادہ اللہ کی رضا تھی، وہ سب ہمارے امام ہیں، اور ہمیں چاہیے کہ جو کچھ ان کے درمیان ہوا، اس (کو بیان کرنے) سے رک جائیں اور ان سب کا ذکر اچھے طریقے سے کریں''۔

4:...... پھر اگلے صفحے پر حضرت حسن بصری ؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ سے صحابہؓ کے درمیان ہونے والی لڑائیوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''فقال شهده اصحاب محمد ﷺ وغبنا، وعلموا وجهلنا، واجتمعوا فاتبعنا، واختلفوا فوقفنا ۔اس لڑائی میں صحابہ کرامؓ موجود تھے اور ہم نہیں تھے، اُن کا جن باتوں میں اختلاف ہوا وہ اُن کا خوب علم رکھتے تھے جبکہ ہم ان باتوں سے جاہل ہیں، جن باتوں پر ان کا اتفاق ہوا ہم ان کی پیروی کرتے ہیں، اور جن باتوں میں ان کا اختلاف ہوا ہم وہاں توقف کرتے ہیں''۔ (الجامع لأحكام القرآن، ج19، ص382، 383، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے اپنی کتاب ''خارجی فتنہ، جلد اول'' میں امام قرطبیؒ کی مذکورہ بالا عبارت ''لا يجوز ان ينسب الى أحد من الصحابة خطأ مقطوع به......الخ '' کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ:

''مندرجہ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں (یعنی صحابہؓ۔ناقل) سے کسی سے متعلق قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلطی پر تھے، کیوں کہ یہ اجتہادی اختلاف ہے اور اجتہادی مسائل میں فیصلہ ظنِ غالب کی بنا پر ہی ہوتا ہے نہ کہ قطعیت کی بنا پر، تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے اجتہاد پر مبنی ہے، اس کو خطأ تو کہہ سکتے ہیں لیکن باطل نہیں کہہ سکتے، ......الخ''۔

(خارجی فتنہ طبع اول، ص295، 296/ ج1)

قاضی صاحب کا امام قرطبیؒ کی عبارت کا یہ مطلب بیان کرنا توجيه القول بما لا يرضىٰ به قائله کا مصداق ہے، امام قرطبیؒ تو یہاں حق و باطل کی نہیں بلکہ خطأ وصواب کی بات

کر رہے ہیں، لہٰذا ان کی عبارت کا یہ مطلب بیان کرنا کہ ''مجتہد کے اجتہاد کو خطاً تو کہہ سکتے ہیں لیکن باطل نہیں کہہ سکتے'' یہ اس عبارت کا مفہوم ہرگز نہیں، کیوں کہ امام قرطبیؒ، باطل کے بارے میں نہیں بلکہ خطاً کے بارے میں ہی کہہ رہے ہیں کہ مجتہد کے اجتہاد کو باطل کہنا تو درکنار، قطعی طور پر خطاً بھی نہیں کہہ سکتے، انکے الفاظ ہیں: لایجوز ان ینسب الیٰ احدٍ من الصحابة خطأ مقطوع به ......الخ''، یہ الگ بات ہے کہ خود قاضی صاحب مرحوم یہاں جس اجتہادی خطاً وصواب کو ''ظنی'' فرمارہے ہیں، اسے نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ سے ثابت کرنے پر بھی اپنا سارا زور صرف کرتے رہے، اوراس اجتہادی خطاً وصواب کو ''قطعی'' ہی بنادیا، اس پر مفصل کلام ''سبائی فتنہ، جلداول'' میں ہوچکا ہے، یہاں اس پر بحث مقصود نہیں۔

5: ...... شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولهذا كان من مذاهب اهل السنة الإمساك عما شَجَر بين الصحابة ......الخ'' یعنی صحابہ کرامؓ کے درمیان جو بھی اختلافات ہوئے ان کے بارے میں زبان بندرکھنا اہل سنت کے عقائد میں شامل ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

''ولهٰذا كان الامساك طريقة الافاضل السلف'' اس لئے (مشاجرات صحابہ میں) زبان بندرکھنا ہی (جسے سکوت وتوقف بھی کہا جاتا ہے) سلف صالحین کا طریقہ تھا۔

(منہاج السنۃ، ج4/ص448، 449 طبع سعودیہ)

6: ...... اسی طرح حافظ ابن تیمیہؒ، مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں اہل سنت کے چار اقوال ذکر کرتے ہوئے چوتھا قول یہ ذکر کرتے ہیں:

''والرابع الإمساك عما شَجَرَ بَيْنَهم مطلقاً ...... (الیٰ قوله) ...... وعلىٰ هٰذا نصوص أحمد واهل السنة...... وهو مذهب اهل السنة والجماعة '' یعنی چوتھا

قول، مشاجرات صحابہؓ کے بارے میں مطلقاً زبان بند رکھنا اور سکوت اختیار کرنا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر اہل سنت کی نصوص سے یہی معلوم ہوتا ہے......اور یہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

(مجموع الفتاوی، ج35/ص51 طبع سعودیہ)

7:...... یہاں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ذکر آیا ہے تو اسی مناسبت سے ان کی ایک اور بات بھی نقل کی جاتی ہے، امام ابن عبدالبر قرطبیؒ (م463ھ) روایت کرتے ہیں کہ محمد بن عبدالرحمن الصیرفی نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ:

"اذا اختلف اصحاب رسول اللہ ﷺ فی مسئلة هل يجوز لنا ان ننظر فی اقوالهم لنعلم مع من الصواب منهم فنتبعه؟ ، فقال لی: لا يجوز النظر بين اصحاب رسول اللہ ﷺ ، فقلتُ: فكيف الوجه فی ذالك؟ قال: تُقَلِّد ايُّهُم احببتَ" ترجمہ: صحابہ کرامؓ میں جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہوجائے تو کیا جائز ہے کہ ہم ان کے اقوال کا جائزہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے تاکہ ہم اس کی پیروی کریں؟ آپ نے مجھے فرمایا کہ نہیں جائز کہ اصحاب رسول کا جائزہ لیا جائے، میں نے کہا پھر کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا: ان میں سے جس کی چاہو پیروی کرلو (ان میں سے کسی کے موقف پر رائے زنی نہ کرو)۔

(جامع بیان العلم وفضلہ، ج2/ص909، دار ابن الجوزی، السعودیہ)

8:...... امام حافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد الاصبہانیؒ (م535ھ) لکھتے ہیں:

"ومن السنة السكوت عما شجر بين اصحاب رسول اللہ ﷺ ونشر فضائلهم والاقتداء بهم......الخ " سنت (کا مقتضیٰ) یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے مابین جو اختلافات ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے فضائل بیان کئے جائیں اور ان کی اقتداء کی جائے۔

(الحجة فی بيان المحجة وشرح عقيدة اهل السنة، ج1/ص236، دار الرایہ، سعودیہ)

اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں رقمطراز ہیں:

"وما جرىٰ بين علي ومعاوية فقال السلف: من السنة السُّكوتُ عمّا

شجر بين اصحاب النبي ﷺ" حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کے مابین جو اختلافات ہوئے، اس سلسلے میں سلف کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کرنا سنت (کا مقتضیٰ) ہے۔

(الحجة في بيان المحجة وشرح عقيدة اهل السنة، ج2/ص526)

9:...... امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعریؒ (م324ھ) اہل سنت کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ونتولىٰ سائر اصحاب رسول الله ﷺ ونكف عمّا شجر بينهم" ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان کے مابین جو اختلافات ہوئے ان (کے بیان کرنے) سے رُک جاتے ہیں (کفِ لسان کرتے ہیں)۔

(الابانة عن اصول الديانة، ص11، دار ابن زیدون، بیروت)

10:...... امام موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی الحنبلیؒ (م620ھ) لکھتے ہیں:

"ومن السنة تولي اصحاب رسول الله ﷺ ومحبتهم، وذكر محاسنهم، والترحم عليهم، والاستغفار لهم، والكف عن ذكر مساوئهم وماشجر بينهم ...... الخ" سنت (کا مقتضیٰ) ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سے دوستی اور محبت رکھی جائے اور ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے، ان کے لئے رحمت کی دعا کی جائے اور ان کے لئے مغفرت مانگی جائے، اور ان کے عیوب اور جو کچھ اختلافات ان کے مابین ہوئے ان کو بیان کرنے سے اپنے آپ کو روکا جائے۔ (لُمعة الاعتقاد، ص40، المکتب الاسلامی بیروت)۔

یہ بطورِ نمونہ چند حوالے ذکر کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوا کہ مشاجرات صحابہؓ میں "حقیقی مسلکِ اعتدال" توقف و امساک اور سکوت ہے، نہ یہ کہ اپنی اپنی عدالتیں لگا کر اور صحابہ کرامؓ کو کٹہرے میں کھڑا کر کے فیصلے صادر کرتے رہیں کہ ان کے اجتہادی اختلافات و مشاجرات میں فلاں قطعی طور پر مخطی تھا اور فلاں مصیب، اور جو اُس زمانے میں موجود صحابہ کرامؓ کی

اکثریت اور سلف صالحین کی اتباع میں توقف و اساک کو ''احوط و اسلم و اقویٰ'' بتا ۓ ا س ب
''مشاجرات صحابہ میں ٹھوکر کھانے'' اور ''خارجی و ناصبی و یزیدی'' جیسی پھبتی اڑائی جا ۓ۔

حتیٰ کہ خود قاضی صاحبؒ نے بھی اصولی طور پر اس بات سے اتفاق کیا تھا (اگر چہ ان کی بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس اصول پر کار بند نہیں رہے تھے)، چنانچہ لکھتے ہیں

''احتیاط اسی میں ہے کہ مشاجرات صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرز بیان ایسا ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص و توہین لازم نہ آئے''۔

(خارجی فتنہ طبع اول، ص 303-304 / ج 1)

ایک اور جگہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے امام قرطبی رحمہ اللہ کی عبارت پر تبصرہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے مندرجہ تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلم اور بہتر تو یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں سکوت کیا جائے......الخ''۔

(خارجی فتنہ طبع اول، ص 315 / ج 1)

لیکن یہی قاضی صاحبؒ، دوسری طرف مشاجرات میں ''امساک و سکوت و توقف'' کو ہی احوط و اسلم و اقویٰ بتانے اور لکھنے والوں پر غصہ بھی فرماتے رہے۔ یا للعجب۔

یہاں حضرت والد گرامیؒ کے موقف و نظریہ کی انہی کے قلم سے لکھی گئی مزید وضاحت کے لئے دو خطوط کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں، جن سے ان قارئین کو جنہوں نے حضرت قاضی صاحبؒ کی کتاب ''خارجی فتنہ، جلد اول'' اور حضرت والد گرامی مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ کے اس پر نقد و تبصرہ ''سبائی فتنہ، جلد اول'' کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا، یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ حضرت قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کی بعض عبارات و تعبیرات پر مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ کے تحفظات و اعتراضات آخر کیا تھے؟۔

آپ نے یکم اگست 1992ء کو ''خیر المدارس ملتان'' کے حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ کو اپنی کتاب ''سبائی فتنہ حصہ اول'' کے بارے میں ایک طویل عریضہ لکھا جس

میں اپنے موقف کی وضاحت یوں فرمائی:

''میرے گرامی قدر بزرگوارا صورت حال یہ ہے کہ قاضی صاحب (یعنی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی ﷫ مؤلف کتاب ''خارجی فتنہ'' ۔ ناقل) نے کہا کہ صحابہؓ کی مشاجراتی اجتہادی خطأ وصواب یقینی وقطعی ہے، میں نے کہا کہ محض ظنی ہے۔

قاضی صاحب نے صحابہؓ کی اس خطأ کو گناہ، معاذاً سخت نافرمانی، نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی خلاف ورزی، اللہ ورسول کے حکم کی مخالفت، ازروئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز، اور قصور جیسے بالکل ناجائز الفاظ سے یاد کیا۔

میں نے کہا کہ صحابہؓ کی خطأ اجتہادی کو بوقتِ ضرورت بھی بس خطأ اجتہادی ہی کہا جائے اپنی طرف سے اس کو گناہ اور سخت نافرمانی وغیرہ وغیرہ الفاظ سے یاد نہ کیا جائے۔

قاضی صاحب نے صحابہؓ کو مجتہد مخطی صرف بتایا نہیں بلکہ زبردستی بنایا ہے۔

میں نے کہا صحابہؓ یا کسی بھی مجتہد مخطی کو مخطی صرف بتایا جاسکتا ہے زبردستی بنایا نہیں جاسکتا۔

قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کو نصِ قرآنی کا مخالف بنانے کے لئے کہا کہ ازروئے نصِ قرآنی وحدیثی ان پر حضرت علیؓ کی پیروی لازم تھی اور وہ انہوں نے نہیں کی۔

میں نے کہا کہ ایک مجتہد پر اپنے ہی اجتہاد کی پیروی لازم ہے، اپنے اجتہاد پر قائم رہتے ہوئے کسی دوسرے مجتہد کی پیروی اس کے لئے جائز ہی نہیں۔

قاضی صاحب نے لکھا کہ مشاجرات صحابہؓ میں اہل السنۃ کا مذہب نہ سکوت وتوقف ہے نہ کل مجتھد مصیب ، بلکہ تخطیہ وتصویب ہی ان کا اصل مذہب ہے یہی مختار، قوی ترین، راجح ترین اور مقبول ترین ہے، اس کے مقابلہ میں سکوت وتوقف نہ صرف یہ کہ اہل السنۃ کا مذہب نہیں بلکہ یہ کمزور ترین مذہب بھی ہے۔

میں نے لکھا کہ اس سلسلے میں اہل السنۃ کا اصلی مذہب سکوت وتوقف ہی ہے، یہی قوی

ترین، راجح ترین، مقبول ترین، اور احوط و اسلم ہے، صحابہؓ کا تخطیہ و تصویب تو بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کی قید کے ساتھ مقید با مر مجبوری محض ایک تاویل اور ایک مخلص ہے، مشاجرات میں اہل السنۃ کا اصل مذہب نہیں۔

قاضی صاحب نے لکھا کہ ائمہ اربعہؒ کا مذہب بھی تخطیہ و تصویب ہی تھا اور دلیل یہ دی کہ فلاں فلاں ان کے مقلدین حضرت معاویہؓ کو خطی اور حضرت علیؓ کو مصیب کہتے ہیں۔

میں نے کہا کہ ائمہ اربعہؒ کا مذہب بھی اس معاملہ میں سکوت و توقف ہی تھا اور دلیل میں خود ان کی اپنی تصریحات پیش کیں۔

قاضی صاحب نے اکابرِ اہل السنۃ کے سترہ اقوال پیش کیے تخطیہ و تصویب کے۔

میں نے بھی سترہ ہی اقوال تقریباً انہی اکابر کے پیش کر دیے سکوت و توقف پر۔

''المجتهد يُخطي ويصيب'' اور ''كل مجتهد مصيب'' پر قاضی صاحب نے بحث کرتے ہوئے اول الذکر کو اہل السنۃ کا اور ثانی الذکر کو اصل میں معتزلہ کا قول بتلا کر اس کو مشاجرات پر چسپاں کیا۔

میں نے بتایا کہ مشاجرات تو معتزلہ کے نزدیک اجتہادی اختلاف ہی نہیں بلکہ حق و باطل، عدل و فسق بلکہ اسلام و کفر کا اختلاف ہے، وہاں وہ ''كل مجتهد مصيب'' کے قطعاً قائل نہیں، بلکہ ان کا یہ قول فقہی اختلافات سے متعلق ہے اور فقہی و مشاجراتی اختلافات کا حکم خود قاضی صاحب کے نزدیک الگ الگ ہے۔

نیز میں نے بتایا کہ ''كل مجتهد مصيب'' بھی درحقیقت ہے اہل السنۃ کا ہی اصل مذہب البتہ اہل السنۃ کے متکلمین کا مذہب ہے، جبکہ ''المجتهد يخطي ويصيب'' اہل السنۃ کے ہی فقہاء کا مذہب ہے، اصل میں معتزلہ کا ان میں سے کوئی مذہب نہیں، اگر وہ ''كل مجتهد مصيب'' کے قائل ہیں تو انہوں نے متکلمین اہل السنۃ کا ہی مذہب چرایا، اور پھر اس میں اپنی اعتزالیت داخل کی ہے جس کی تفصیل میری کتاب میں مذکور ہے، طرفین کے دلائل آپ کو

طرفین کی کتابوں یعنی ''خارجی فتنہ'' اور ''سبائی فتنہ'' میں ملیں گے۔ یہ میری کتاب کے مرکزی مباحث کا خلاصہ ہے۔

میرے گرامی قدر بزرگوار! سبِّ صحابہؓ تو آپ کے نزدیک بھی حرام اور اس کا مرتکب اہل السنۃ سے خارج ہی ہوگا (خیر الفتاویٰ، ج 1 ص 374) اور سب، قاضی صاحب کے نزدیک ہی ''ہر اس بات کو کہتے ہیں جس سے مخالف برافروختہ ہو اس میں وہ اپنی توہین سمجھے'' (حق چار یار، ص 6 بابت ماہ محرم سنہ 1413ھ/ جولائی 1992ء)، تو آپ ہی فرمایئے کہ اگر حضرت معاویہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) آج زندہ ہوتے اور ان کو یہ کہا جاتا کہ آپ مشاجراتی اختلاف میں بطور اصل حکم تو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، اللہ و رسول کے حکم کی مخالفت، نصوص قرآنیہ و حدیثیہ کی خلاف ورزی کرنے کے ہی مرتکب ہوئے ہیں، کہا تو آپ کو باغی، خاطی، جائر اور آپ کے موقف کو از روئے نصِ قرآنی در حقیقت بالکل ناجائز ہی جائے گا، ہاں چونکہ آپ صحابہؓ ہیں اس لئے اس کو آپ کا صوری گناہ، سخت نافرمانی اور بغاوت وغیرہ کہیں گے، تو کیا اس سے ان کو انقباض نہ ہوتا؟ اگر ہوتا تو کیا قاضی صاحب کی یہ ساری باتیں سبِّ صحابہؓ کے ضمن میں نہیں آتیں؟...... میرے قابلِ صد احترام بزرگوار! میں نے اپنی کتاب میں مشاجرات صحابہؓ کے مسئلہ پر خالصۃً اصولی بحث کی ہے، قاضی صاحب سے اصولی اختلاف کیا ہے، ان کے مقابلہ میں کسی صحابیؓ، یا صحابہؓ کے کسی فریق پر گناہ، یقیناً سخت نافرمانی جیسا کوئی حکم لگانا تو درکنار، اجتہادی خطاً و صواب تک کا حکم بھی نہیں لگایا، کسی کی توہین و تنقیص نہیں کی، اکابر کے اصولی موقف سے اپنے خیال کے مطابق سرِ مو انحراف نہیں کیا حتیٰ کہ خلاف جمہور ان کے کسی شاذ قول تک کا سہارا بھی میں نے نہیں لیا، اگر کیا ہے تو اصولِ اہل السنۃ، قواعدِ اجتہاد اور اکابر کے اقوال کی روشنی میں صحابہؓ کا بس دفاع ہی کیا ہے......الخ''۔

(ملخصاً خط بنام حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحبؒ، ص 3 تا 5، یکم صفر 1413ھ مطابق یکم اگست 1992ء)

اسی طرح آپؒ نے حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ (دارالافتاء والارشاد،

ناظم آباد، کراچی) کے نام مورخہ 14 ربیع الاول 1413ھ، مطابق 13 ستمبر 1992 کو ایک خط لکھا جس میں اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' کے بارے میں لکھا:

''میں نے اس میں (یعنی کتاب ''سبائی فتنہ'' میں۔ ناقل) مشاجرات صحابہؓ کا ذکر نہیں کیا، صحابہؓ کے مابین کسی بھی قسم کا محاکمہ نہیں کیا، کسی کو مخطی، کسی کو مصیب نہیں بتایا، بلکہ میں نے تو صحابہؓ کے بارے میں کسی قسم کی گفتگو کرنے سے متعلق اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد بیان کر کے صرف اور صرف یہ بتایا ہے کہ صحابہؓ سے متعلق قاضی صاحب کے الفاظ و تعبیرات ان اصول وقواعد کے خلاف ہیں......الخ''۔

مولانا ابوریحان سیالکوٹیؒ اختلاف میں خلاف کے قائل نہ تھے

سب جانتے ہیں کہ قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کی علمی نوک جھونک چلتی رہی، میں اس وقت ساتویں درجہ کا طالب علم تھا جب حضرت والد صاحبؒ نے صرف حضرت قاضی صاحبؒ سے ملاقات کی خاطر جہلم کا سفر فرمایا، میں اس سفر میں آپ کے ساتھ تھا، میری آنکھوں کے سامنے آج بھی وہ منظر ہے جب حضرت قاضی صاحبؒ مدرسہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کی مسجد کے صحن میں عصر کی نماز کے بعد شاید تسبیحات میں مصروف تھے، ہم آپ کے فارغ ہونے کا انتظار کرتے رہے، جب آپ فارغ ہوئے تو والد صاحبؒ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا، اور اپنا تعارف کروایا (اس سے پہلے شاید آپ حضرت قاضی صاحبؒ کو چند خطوط لکھ چکے تھے، ابھی سبائی فتنہ منظرِ عام پر نہیں آئی تھی) تو قاضی صاحب نے آپ کو گلے سے لگایا۔

اسی طرح جب حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اسلام آباد کے ایک ہسپتال (PIMS) میں داخل تھے تو حضرت والد صاحبؒ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قاضی صاحبؒ کی عیادت کے لئے وہاں بھی تشریف لے گئے تھے اور حضرت قاضی صاحبؒ کی خدمت میں ہدیہ بھی پیش کیا تھا جو انہوں نے قبول بھی فرمایا تھا۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کا کہنا تھا کہ علمی اختلاف رائے الگ چیز ہے، اور مخالفت الگ چیز، لہٰذا آپؒ نے کبھی علمی اختلاف

کو مخالفت نہیں بنایا اور نہ اسے ذاتی مخاصمت و دشمنی میں تبدیل کیا۔

کچھ زیر نظر کتاب کے بارے میں

عزیزم مولوی رضوان اللہ علیہ کی خواہش تھی کہ حضرت والد گرامی مولانا ابو ریحان سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف تحقیقی مضامین کو ایک مجموعے کی شکل میں شائع کر دیا جائے، نیز ان کی وہ تحریرات جو وہ اپنی زندگی میں شائع کرنا چاہتے تھے لیکن قضاء نے انہیں موقع نہ دیا وہ بھی شائع کر دی جائیں، پھر مجالس و محافل میں جب بھی حضرت والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین و تلامذہ سے ملاقات ہوتی تو ان سب کا یہی سوال ہوتا کہ استاذ جی رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف اوقات میں شائع ہونے والے مضامین کو ایک کتابی شکل میں ترتیب دیا جائے، نیز ''سبائی فتنہ، جلد دوم'' کا کم از کم وہ حصہ ضرور شائع کر دیا جائے جس کی نہ صرف تبییض آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی میں کر چکے تھے بلکہ اس کی اشاعت کا عزم بھی کر رکھا تھا۔

علاوہ ازیں جب لاہور کے ایک ادارہ نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کتاب ''سبائی فتنہ'' پر سنہ 1992ء میں بالاقساط شائع ہونے والے ''اجمالی تبصرہ'' کو دوبارہ تقریباً بیس سال بعد بعنوان ''مشاجرات صحابہ اور راہ اعتدال، جلد دوم'' شائع کیا تو عزیزم مولوی رضوان اللہ کا اصرار ہوا کہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اُس تبصرہ کے اُسی زمانہ میں لکھے گئے جواب کو بھی کتابی شکل میں ضرور شائع کرنا چاہیے تاکہ ''تبصرہ'' اور ''جواب تبصرہ'' دونوں سامنے ہوں تو پڑھنے والے کے لئے ''حقیقی راہِ اعتدال'' کو جاننا آسان ہوگا، نیز قارئین یہ جان سکیں کہ آیا قاضی صاحب مرحوم ''سبائی فتنہ جلد اول'' میں بیان کردہ اصولِ اہل السنۃ وقواعدِ اجتہاد میں سے کسی اصول یا قاعدے ضابطے کے بارے میں اپنے تبصرہ میں یہ ثابت کر سکے کہ یہ خلاف مذہب اہل السنۃ ہے؟، چنانچہ عزیزم مولوی رضوان اللہ حفظہ اللہ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، اللہ تعالیٰ اسے جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ آمین

حافظ عبید اللہ، اسلام آباد

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان ﷛

(افادات: حضرت مولانا ابوریحان سیالکوٹی ﷬)

(ازقلم: مرتب)

آپؓ عرب کے مشہور ومعروف قبیلہ "قریش" سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی شرافت وبجابت اور جود وسخا میں پورے عرب میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا، اس قبیلہ کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں آقائے دوجہاں ﷺ مبعوث ہوئے۔ پھر قریش میں سے آپؓ خاندان بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت معاویہ ﷛ کے والد حضرت ابوسفیان ﷛ اسلام لانے سے قبل ہی اپنے خاندان میں ممتاز حیثیت کے مالک اور قبیلہ کے معزز سرداروں میں شمار ہوتے تھے، آپؓ زمانہ جاہلیت میں بھی اعلیٰ صفات کے مالک اور اخلاق کریمانہ کے حامل تھے، عصر حاضر کے معروف محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ حیدرآبادی ثم فرنساوی (1908ء - 2002ء) نے لکھا ہے کہ:

"مکہ مکرمہ میں شریف النفس لوگوں کی کمی نہیں تھی، جب کبھی آوارہ لڑکے (بڑوں کے بہکاوے میں آکر) گلیوں میں سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیچھا کرتے، آپ ﷺ پر پتھر وغیرہ پھینکتے اس وقت اگر آپ ﷺ ابوسفیان (﷛) کے گھر کے قریب ہوتے تو آپ ﷺ اس گھر میں پناہ حاصل کرتے تھے، ابوسفیان (﷛) آوارہ لڑکوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیتے، جب آوارہ لڑکے بھاگ جاتے تو خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی منزل کی جانب چل پڑتے"۔

(محمد رسول اللہ ﷺ، مترجم، ص 81، بیکن بکس، لاہور)

حضرت ابوسفیان ﷛ فتح مکہ کے دن اسلام لائے، آپؓ کے اسلام لانے کی آنحضرت ﷺ کو بہت مسرت ہوئی اور آپ نے اعلان فرمایا:

"جو شخص بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے گا اسے امن دیا جائے گا"

اسلام لانے کے بعد آپؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رہے اور غزوۂ حنین

یرموک میں شرکت کی، آپ کا انتقال مشہور روایت کے مطابق سنہ 31ھ میں ہوا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی (بحوالہ: الاستیعاب واسد الغابۃ)۔

آپ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کا والی مقرر فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت حضرت ابوسفیانؓ بدستور نجران کے والی تھے۔ (بحوالہ: الاستیعاب)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے ہی فرزند ارجمند ہیں، آپ کی ولادت مشہور قول کے مطابق بعثت نبوی سے پانچ سال قبل ہوئی، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے آپ کا تعارف یوں کروایا ہے:

"معاوية بن ابي سفيان صخر بن حرب بن امية بن عبدشمس بن عبد مناف القرشي الاموي، امير المؤمنين ، وُلد قبل البعثة بخمس سنين، وقيل بسبع، وقيل بثلاث عشرة، والأول أشهر"

(معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی، امیر المؤمنین، آپ کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی، ایک قول سات سال قبل بعثت کا بھی ہے، نیز ایک قول بعثت سے تیرہ سال قبل کا بھی ہے، لیکن پہلی بات زیادہ مشہور ہے)

(الاصابة في تمييز الصحابة ، ج10 ص227، قاہرہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

مشہور یہ ہے کہ آپؓ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے، لیکن محقق یہ ہے کہ اسلام تو صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں کسی وقت لائے البتہ اس کا اظہار فتح مکہ کے موقع پر کیا، جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اسلام تو بہت پہلے لائے تھے مگر اظہار بعد میں کیا، امام نووی رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف یوں کروایا ہے:

"معاوية بن ابي سفيان: الصحابي ابن الصحابي، تكرر في هذه الكتب ، هو ابوعبدالرحمن معاوية بن ابي سفيان صخر بن حرب بن أمية بن

عبد شمس بن عبد مناف بن قصي القرشي الاموي .... وكان معاوية يقول انه اسلم يوم الحديبية و كتم اسلامه من ابيه وامه ....الخ "

(معاویہؓ بن ابی سفیان، خود بھی صحابی ہیں اور صحابی کے بیٹے ہیں، ان کا ذکر کتابوں میں بار بار آیا ہے، (ان کا نسب یوں ہے) ابوعبدالرحمٰن معاویہؓ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی قرشی اموی .... حضرت معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ: میں مسلمان تو حدیبیہ کے دن ہی ہو گیا تھا لیکن میں نے اپنا اسلام اپنے ماں باپ سے چھپایا)

(تهذيب الاسماء واللغات، ج2 ص102، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

یہی بات دوسری کتب میں ان الفاظ سے بیان کی گئی ہے:

"اسلمتُ يوم عمرة القضاء ولكني كتمتُ اسلامي من ابي الىٰ يوم الفتح " (میں اسلام تو عمرۃ القضاء کے دن ہی لا چکا تھا لیکن میں نے یہ بات اپنے والد سے فتح مکہ کے دن تک چھپائے رکھی)۔

(البدایہ، ج8 ص117۔ نیز ملاحظہ ہو: اسد الغابۃ ، ج4 ص385۔ تاریخ بغداد ، ج1 ص207۔ نسب قریش، ص124 تحت اولاد ابی سفیان بن حرب)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

"معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما قرشی اموی، صلح حدیبیہ کے سال اسلام لائے اور ان کے والد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے"۔

(ازالۃ الخفاء مترجم، ج1 ص472 حاشیہ)

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"صحیح بخاری میں ہے کہ اگلے سال عمرۃ القضاء میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک قینچی سے تراشے تھے، یہ واقعہ عمرۃ القضاء ہی کا ہے کیونکہ حجۃ الوداع میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق فرمایا تھا"۔

(تفسیر معارف القرآن، ج8 ص90، سورۃ الفتح تحت آیت:27)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دعا فرمائی:

"اللهم اجعله هادياً مهدياً واهدِ به"

(اے اللہ! انہیں ہدایت دہندہ اور ہدایت یافتہ بنا اور انہیں ذریعۂ ہدایت بنادے)۔

(جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب معاوية بن ابي سفيان، ج2 ص247، مطبع محمد سعید اینڈ سنز کراچی۔ نیز ملاحظہ ہو: التاريخ الكبير للبخاري ۔طبقات ابن سعد ۔تاريخ بغداد ۔ الفتح الرباني لترتيب مسند الامام احمد بن حنبل الشيباني وغيرهم ، دیکھو: رحماء بینہم، ج4 ص131)

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللهم علمه الكتاب والحساب وَقِه العذاب"

(اے اللہ! انہیں علمِ کتاب وحساب عطا فرما، اور انہیں عذاب سے بچا)

(حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ "هذا الحديث رواته ثقات لكن اختلفوا في صحبة عبدالرحمن والأظهر انه صحابي" یعنی اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن عبدالرحمٰن کے بارے میں اختلاف ہے، اور ظاہر بات یہ ہے کہ وہ صحابی ہیں۔ تاريخ الاسلام للذهبي، ج2 ص319)۔

اور ظاہر ہے کہ ہادی ومہدی اور علمِ کتاب وحساب نیز عذاب سے بچائے جانے کی دعائیں مخلص، مؤمن ومسلمان کے لئے ہی ہوسکتی ہیں نہ کہ منافق وکافر کے لئے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:

"ابني هذا سيد ولعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين"

(میرا یہ بیٹا سردار ہے، شاید اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا)

(صحیح بخاری، ج1 ص373، 512، 530، کتاب المناقب وکتاب الفتن ۔ وغيرها من الكتب)

اس حدیث میں دونوں جماعتوں کو مسلمان فرمایا گیا ہے، اور وہ دونوں جماعتیں حضرت حسن اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی جماعتیں ہیں، چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"وقد شهد الصادق والمصدوق للفرقتين بالاسلام، فمن كفّرهم او واحداً منهم لمجرد ما وقع فقد اخطأ وخالف النص النبوي المحمدي الذي لاينطق عن الهوىٰ، إن هو إلّا وحي يُوحىٰ"۔

(یعنی صادق ومصدوق ﷺ نے ان دونوں گروہوں کے ایمان کی شہادت دی ہے، پس اب جو ان دونوں کی یا ان میں سے کسی ایک جماعت کی تکفیر محض ان واقعات کو بنیاد بنا کر کرے جو واقع ہوئے تو اس نے غلطی کی اور نبوی ومحمدی نص کی مخالفت کی، وہ محمد ﷺ جو اپنی خواہش سے نہیں بولتے، یہ تو وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے) (البدایہ، ج6ص220)۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وفيها ردٌ على الخوارج الذين كانوا يُكفّرون علياً ومن معه ومعاويةَ ومن معه بشهادة النبي ﷺ لطائفتين بأنهم من المسلمين، ومن ثم كان سفيان ابن عُيينة يقول عقب هذا الحديث : قوله "من المسلمين" يعجبنا جداً"

(اس میں خوارج کی تردید ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اوران کے ساتھیوں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی تکفیر کرتے تھے، اور اُن کی تردید نبی ﷺ کی طرف سے ان دونوں جماعتوں کے مسلمان ہونے کی گواہی سے ہوگئی، حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ: آپ ﷺ کا "من المسلمين" فرمانا ہمیں بہت اچھا لگتا ہے)۔

(فتح الباری، ج13ص66)

فائدہ: آنحضرت ﷺ، ان دونوں جماعتوں کے درمیان اتحاد ومصالحت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب فرمارہے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ صلح خاص لطف الٰہی کا کرشمہ تھی اور یہ کہ یہ دونوں جماعتیں عند اللہ بھی مؤمن تھی، رسول اللہ ﷺ نے بھی انہیں مؤمن فرمایا، چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت اسی صلح کے نتیجے میں ملی تھی تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان کی خلافت بھی اللہ ورسول کی پسندیدہ خلافت تھی ورنہ آنحضرت ﷺ اس صلح کو اللہ کی طرف منسوب نہ فرماتے،

اس کی تحسین نہ فرماتے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کتابت وحی جیسے اہم منصب پر مامور فرمایا، اور یہ چیز ایسی معروف و مشہور ہے کہ محتاج دلیل نہیں، سیرۃ طیبہ میں جہاں کاتبانِ نبوی کا تذکرہ ہوتا ہے وہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اسمِ گرامی بھی آپ کو ملے گا، علامہ ہیثمیؒ نقل کرتے ہیں:

"عن عبدالله بن عمرو أن معاوية كان يكتب بين يدي رسول الله ﷺ"

(حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ، رسول اللہ ﷺ کے لئے لکھا کرتے تھے)

(علامہ ہیثمی فرماتے ہیں "اسنادہ حسن" "اس کی سند حسن ہے، مجمع الزوائد، ج9 ص357۔ نیز ملاحظہ ہو: الاستیعاب مع الاصابۃ، تذکرۂ معاویہؓ، ج8 ص117۔ الاصابۃ، تذکرۂ معاویہؓ، ج3 ص433۔ زاد المعاد، فصل في كتابه ﷺ، ج1 ص29۔ البدایۃ والنہایۃ، تذکرۂ معاویہؓ، ج8 ص117۔ وتذکرۂ کاتبانِ وحی، ج5 ص354 وغیرہم)

واضح رہے کہ نبی کا کاتب، وحی کا ہی کاتب ہوتا ہے، نبیؐ جو کچھ بھی لکھواتے تھے وحی ہی ہوتا تھا، اگر کاتبِ وحی اور کاتبِ رسول کی تفریق ہی کرنی ہے تو پھر یہ تفریق سب میں کرنی ہوگی، بتانا ہوگا کہ دوسرے تمام کاتبانِ وحی نے قرآن کی کون کون سی آیات لکھی ہیں جب کہ وہ بھی کاتبانِ نبیؐ میں سے ہیں؟۔

امام نوویؒ، ایک جگہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

"واما معاوية رضي الله عنه فهو من العدول الفضلاء والصحابة النجباء......الخ"

(معاویہ رضی اللہ عنہ، عادل، فاضل اور جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں)

(نووی شرح مسلم، ج2 ص272)

اس کے قریب قریب الفاظ حافظ ملا علی قاریؒ حنفی نے بھی لکھے ہیں:

"واما معاوية فهو من العدول الفضلاء والصحابة الاخيار"

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج11 ص272)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ یکے از اصحاب آنحضرت بود ﷺ، وصاحب فضیلت جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم......الخ''۔

(یہ اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ حضرت معاویہؓ بن ابی سفیانؓ، آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ میں سے ایک تھے، اور صحابہ کرامؓ میں سے بھی جلیل القدر صحابہؓ کے زمرہ میں سے تھے)

(ازالۃ الخفاء مترجم، ج1 ص571)

آنحضرت ﷺ کی طرح حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ایمان واخلاص کے پیش نظر باعزت اور اہم مناصب ان کو عطا کیے، علاقہ شام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی ''یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ'' فتوحات اسلامی کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے، ان کی معاونت کے طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک امدادی جماعت بھیجی تو اس کا امیر، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا:

''واجتمع الیٰ ابي بکر اناس فامّر علیهم معاویة وامره باللحاق بیزید فخرج معاویة حتیٰ لقي بیزید'' (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ جمع ہوئے پس آپ نے حضرت معاویہؓ کو ان پر امیر بنایا اور آپ کو یزید (بن ابی سفیان) سے ملنے کا حکم دیا، پس آپ نکلے یہاں تک کہ یزید سے جا ملے)۔ (طبری، ج4 ص30۔ البدایہ، ج7 ص4 تحت سنہ 13ھ)۔

عہد فاروقی میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو ان کی جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر مقرر فرما دیا۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں حضرت معاویہؓ کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ان کے بھائی ''یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ'' کے انتقال کے بعد ان کو شام کا گورنر بنا دیا اور پھر اپنی زندگی بھر انہی کو وہاں رکھا، معزول یا تبدیل نہ کیا بلکہ وقتاً فوقتاً ان کی حدود ولایت بڑھاتے ہی رہے، تنخواہ بھی ان کی دوسرے گورنروں کی بنسبت زیادہ رکھی، حالانکہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے، جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان واعتماد نہ ہوجاتا اسے کسی مقام یا علاقے کا امیر وحاکم نہ بناتے تھے۔ یہ گورنروں پر کڑی نظر بھی رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی فروگذاشتوں پر گرفت کیا کرتے تھے، معمولی معمولی بے ضابطگیوں اور شکایتوں پر ان کو معزول یا تبدیل کردیا کرتے تھے، نیز کسی گورنر کو ایک معینہ سے زیادہ ایک جگہ نہ رہنے دیتے تھے بلکہ گورنروں کی برابر تبدیلیاں کرتے رہتے تھے، لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، ان کے واحد گورنر ہیں جن کو اپنے سارے دور خلافت میں معزول کیا نہ تبدیل، بلکہ آپ کا اعتماد ان پر روز بروز بڑھتا ہی رہا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سارے دور فاروقی میں کسی طرف سے بھی ان کے خلاف کوئی ایسی شکایت دربار فاروقی میں نہ پہنچی تھی جو ان کی معزولی کا سبب ہوتی۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے سارے دور خلافت میں شام کا حاکم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہی برقرار رکھا:

"ثم جمع عمر الشام كلها لمعاوية واقرّه عثمان "

(سير اعلام النبلاء ، ج3 ص88 تحت معاوية بن ابي سفيان - الاصابة ، ج3 ص433 ترجمة معاوية- تهذيب الاسماء للنووي ، ترجمة معاوية)

الغرض! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جلیل القدر صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا ایسا متواتر اور معروف ومشہور ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا کوئی مخالف (اپنی ذات کے اعتبار سے خواہ وہ کتنا ہی قد آور کیوں نہ ہو) ان کی صحابیت کا اگر انکار کرنا چاہے تو ناممکن اور قطعاً ناممکن ہے کہ وہ اپنی عظمتوں کے باوجود بھی اس میں کامیاب ہوسکے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا قائل اور معترف نہ ہو، محدثین ہوں یا متکلمین، اصحاب سیر ہوں یا مؤرخین، علماء اسماء الرجال ہوں یا علماء الاصول، فقہاء ہوں یا صوفیاء، پھر حنفی وشافعی ہوں یا مالکی وحنبلی، غرضیکہ سبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک قابل قدر صحابی مانتے اور کہتے ہیں۔

"عیاں را چہ بیاں" کے بمصداق اہل السنۃ سے اس کی تصریحات نقل کرنے کی ضرورت تو نہ تھی، لیکن دورِ حاضر کے بعض خدا، رسول بیزار، بدطینت و بدآموز مناصر کی اس سلسلہ میں ہرزہ سرائی کے پیش نظر چند تصریحات ذکر کر دینا ان شاء اللہ مفید رہے گا۔

علماء اسماء الرجال میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے صحابہؓ پر کتاب لکھی ہو اور زمرۂ صحابہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہ کیا ہو۔

چنانچہ یہ ہیں حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (م463ھ) انہوں نے "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" کے نام سے صحابہ کرامؓ پر کتاب لکھی، اس کے "حرف المیم" میں حضرت معاویہؓ کا طویل ترجمہ ذکر کیا (دیکھیں الاستیعاب، ج2 از ص243 تا ص248، دار الفکر)۔

اور یہ ہیں حافظ الدنیا حافظ ابن حجر عسقلانیؒ شافعی (م852ھ) انہوں نے بھی صحابہ کرامؓ پر "الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ" نامی کتاب لکھی، اس میں قسم اول کے صحابہؓ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا (دیکھیں، الاصابۃ، ج10 از ص227 تا234، مرکز ہجر، قاہرہ)۔

اور یہ ہیں عز الدین ابن الاثیرؒ (م630ھ)، انہوں نے صحابہ کرامؓ پر "اُسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" نامی کتاب لکھی، اس کے "حرف المیم والعین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تعارف ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو، اسد الغابۃ، ج5 از ص201 تا ص204، بیروت)۔

اور یہ ہیں امام حافظ احمد بن عبد اللہ ابو نعیم اصبہانیؒ (م430ھ)، انہوں نے اپنی کتاب "معرفۃ الصحابۃ" میں نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں یہ لکھا کہ "اسلم قبیل الفتح وقیل عام القضیۃ وھو ابن ثمان عشرۃ" (آپ فتح مکہ سے ذرا پہلے مسلمان ہوئے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ عمرۃ القضاء کے سال مسلمان ہوئے جب آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی)، بلکہ انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ "وعدّہ ابن عباس من الفقہاء" (حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے آپ کو فقہاء (صحابہ) میں شمار کیا ہے)، نیز حضرت ابن عباسؓ سے ہی یہ بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا "ما رایتُ رجلاً اخلق للملك من معاویۃ" (میں

نے حضرت معاویہؓ سے بڑھ کر کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو پیدا ہی حکومت کرنے کے لئے ہوا ہو یعنی جس میں حکومت کرنے کی پیدائشی صلاحیت ہو)، نیز حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے یہ بات نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا "مارایت احداً کان اسود من معاویة" (میں نے معاویہؓ سے بڑھ کر سرداری کے لائق کوئی نہیں دیکھا)، نیز حافظ ابو نعیمؒ لکھتے ہیں "کان حلیماً وقوراً فصیحاً" (حضرت معاویہؓ، بردبار، صاحب وقار اور فصیح تھے)۔

(ملاحظہ ہو: معرفة الصحابة للاصبهانی، ج5 ص2496 تا ص2499، دار الوطن للنشر، ریاض)

علاوہ ازیں محدثین میں ارباب صحاح ستہ کی جو حیثیت ہے سبھی اس سے واقف ہیں، ان ارباب صحاح ستہ نے بھی حضرت معاویہ ؓ کے واسطے سے آنحضرت ﷺ کی احادیث مبارکہ بطور حجت کے ذکر کی ہیں، اور بعض نے تو "ابواب المناقب" میں ان کے مناقب کا بھی ایک مستقل باب قائم کیا ہے، حضرت معاویہ ؓ کی فضیلت و منقبت میں کوئی صحیح حدیث مروی ہے یا نہیں؟ ابھی ہماری بحث اس سے نہیں، ہم تو اس وقت صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرات محدثین نے حضرت معاویہ ؓ کو دیگر صحابہ کرام ؓ کی صف میں جگہ دے کر ان کی صحابیت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

یہی حال مؤرخین کا ہے، ناممکن ہے کہ کوئی مؤرخ حضرت معاویہ ؓ کی صحابیت کا منکر ہو، تاریخ کی مشہور و معروف کوئی کتاب اٹھالیجئے، اس میں آپ کو حضرت معاویہ ؓ کا صحابی ہونا آفتاب نیمروز سے بھی زیادہ واضح نظر آئے گا۔

یہ چند حوالے پیش کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ حضرت معاویہ ؓ سے بیگانے ہی خفا نہیں یگانے بھی ناخوش نظر آتے ہیں، ان پر اغیار نے ہی طعن و تشنیع کے تیر نہیں برسائے بلکہ اپنوں نے بھی اس میں بھرپور حصہ لیا ہے، ان کی خوبیوں اور فضیلتوں کا غیروں نے ہی انکار نہیں کیا اپنوں نے بھی "لم یصح فی فضائل معاویة شیء" اور "الا یرضیٰ راساً براس حتیٰ یفضل وحتیٰ یُروی له فضائل" کہہ کر ان کے فضائل کا برملا انکار کیا ہے، ان

کی خطاؤں اور لغزشوں کو دشمنوں نے ہی نہیں اچھالا بلکہ دوستوں نے بھی ان کو خوب خوب مشتہر کیا ہے۔

بقول حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ﷾ :

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت تاریخ اسلام کے درخشاں زمانوں میں ہے جس میں اندرونی طور پر امن اطمینان کا دور دورہ بھی تھا اور ملک سے باہر دشمنوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھے لیکن حضرت معاویہؓ کے مخالفین نے ان پر اعتراضات والزامات کا کچھ اس انداز سے انبار لگایا ہے کہ تاریخ اسلام کا یہ تابناک زمانہ سبائی پروپگنڈے کے گرد وغبار میں روپوش ہو کر رہ گیا ہے''۔ (حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق، حرف آغاز، ص5)۔

اور ان ناقدین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بدقسمتی سے ''غیروں'' کے ساتھ کچھ ایسے بھی نظر آتے ہیں، جن کے ناموں سے پہلے ''مفسر، محدث، فقیہ، مجتہد، حجۃ الاسلام وغیرہ وغیرہ'' کے سابقے بھی نظر آتے ہیں، اور ان میں سے کچھ نے تو حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے گروہ کے اسلام کو بھی مشکوک لکھ دیا جس میں حضرت معاویہؓ بھی شامل ہیں۔فیا اسفاہ۔ مثلاً ملاحظہ ہو کہ:

الف : ...... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تقریباً چالیس صحابہؓ ایسے ہیں جو وحی اور نبوی فرامین ومعاہدات کی کتابت کیا کرتے تھے، جنہیں کاتبانِ نبوی اور کاتبانِ وحی کہا جاتا ہے، ان میں ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، کتابت وحی ایک بہت بڑی سعادت ہے، حضرت معاویہؓ کا نام تو ان سعادت مند کاتبانِ رسول کی فہرست سے کاٹا نہ جاسکتا تھا لیکن ان کی اس سعادت کو گدلا کرنے کے لئے ان چالیس کاتبانِ نبوی میں سے سوائے حضرت معاویہؓ کے کسی کاتب نبوی کی کتابت میں یہ بحث نہیں چلائی گئی کہ اس نے وحی کی کتابت کی ہے یا صرف نبوی خطوط کی، اس کو کاتب وحی کہا جائے یا صرف کاتب رسول؟، یہ بحث چلائی گئی اور بڑے اہتمام سے یہ تفریق کی گئی تو صرف اور صرف حضرت معاویہؓ کی کتابت میں، صرف یہاں ہی یہ فیصلہ سنایا گیا کہ ''انہوں نے چونکہ وحی کی کتابت نہیں کی بلکہ صرف نبوی خطوط بنامِ ملوک لکھے تھے لہٰذا صحیح یہی ہے کہ ان کو کاتب وحی نہ کہا

جائے بلکہ کاتب رسول کہا جائے"۔

ب:...... امام بخاری ؒ نے صحیح بخاری میں چالیس کے قریب صحابہ کرام کے نام ہائے
ومناقب بیان کئے ہیں، جن میں ایک حضرت معاویہؓ بھی ہیں، ان میں سے اکثر صحابہؓ کے فضائل
کا ذکر تو لفظ "مناقب" کے عنوان سے کیا ہے جیسے مثلاً "باب مناقب عمرؓ" لیکن سات صحابہؓ
کے فضائل پر لفظ "مناقب و فضائل وغیرہ" کے بجائے لفظ "ذکر" سے باب باندھا ہے یعنی یوں
یوں کہا ہے "باب ذکر عباسؓ"، حضرت معاویہؓ بھی انہی سات صحابہؓ میں ہیں، ان کے
فضائل بھی "باب ذکر معاویہؓ" کے عنوان سے بیان کئے ہیں، لیکن ان سات صحابہؓ میں سے
سوائے حضرت معاویہؓ کے اور کسی صحابی کے بارے میں یہ نکتہ نہیں اٹھایا گیا کہ "ان کے فضائل پر
"ذکر" کا عنوان اس لئے باندھا ہے کہ ان کی فضیلت و منقبت میں صحیح سند سے کچھ بھی ثابت
نہیں"، یہ نکتہ اٹھایا گیا تو صرف اور صرف حضرت معاویہؓ کے حق میں، حالانکہ "منقبۃ" کے بجائے
"ذکر" کے عنوان میں اگر یہی نکتہ ہوتا تو امام بخاریؒ ان صحابہؓ کے فضائل پر بھی "ذکر" کا باب کیوں
باندھتے جن کے فضائل، صحیح الاسناد احادیث سے ثابت ہیں؟۔

ج:...... کسی بھی صحابی کو کسی بھی غیر صحابی کے برابر لا کر نہ تو یہ سوال اٹھایا گیا کہ ان دونوں میں
سے کون افضل ہے؟ اور نہ کسی غیر صحابی کو کسی صحابی پر جزوی یا کلی کسی بھی قسم کی کوئی فضیلت ہی دی
گئی، صحابہ کرام ؓ کی پوری جماعت میں سے یہ امتیازی سلوک کیا گیا تو صرف اور صرف
حضرت معاویہ ؓ سے کہ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے برابر لا کر یہ سوال بھی اٹھایا گیا
کہ معاویہؓ افضل ہیں یا عمرؒ بن عبدالعزیز؟، اور پھر ان کو باوجود اس کے کہ وہ غیر صحابی ہیں زہد
وعدل تک میں جزوی فضیلت بھی دے ڈالی گئی حضرت معاویہؓ پر باوجود اس کے کہ وہ صحابی ہیں۔

د:...... تیس سالہ خلافت والی حدیث کے پیش نظر تیس سال بعد خلافت ختم ہو کر کٹکھنی
بادشاہت شروع ہو گئی تھی، اس کے مطابق تیس سال کے بعد آنے والے تمام ہی حکمران، بادشاہ
اور ان کی حکومتیں کٹکھنی بادشاہتیں بنتی تھیں، لیکن خلافت اسلامیہ کی ابتداء سے لے کر خلافت

مثانیہ ترکیہ پراس کے زوال تک سوائے حضرت معاویہؓ کے نہ کوئی اور حکمران، بادشاہ کہلایا اور نہ کوئی اور حکومت، بادشاہت کہلائی، بلکہ اس دورانیے کے تقریبا تمام ہی حکمرانوں کو خلفاء کے نام سے یاد کیا گیا اوران کی حکومتوں کو خلافتوں کے عنوان سے پکارا گیا، اس سارے عرصے میں اس حدیث کے بمصداق اگر کوئی بادشاہ ہوا تو وہ صرف حضرت معاویہؓ تھے، کوئی حکومت اگر بادشاہت ہوئی تو وہ صرف انہی کی حکومت تھی، اس حدیث کے بموجب تیس سالہ خلافت کے بعد آنے والی بادشاہت، حضرت معاویہؓ سے ہی شروع ہوئی اور انہی پر ختم ہوگئی، وہی دنیاء خلافت میں پہلے بادشاہ بھی ہوئے اور آخری بھی، حتیٰ کہ حافظ ابن کثیرؒ جیسے سُنی نے بدنام زمانہ یزید تک کے لئے بھی ''بُویع له بالخلافة ''اور''امیر المؤمنین ''جیسے الفاظ لکھ دیے لیکن حضرت معاویہؓ کے لئے انہی کے بقول اسی حدیث کے حوالہ سے''السنة ''ہی یہ قرار پائی کہ '' یُقال له مَلِك ولا یُقال له خلیفه'' (کہ آپ کو بادشاہ کہا جائے گا، خلیفہ نہیں)۔

بلکہ لکھنے والوں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ: ''اصولی طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہ تھے اور نہ ان کی حکومت خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی، بلکہ وہ ایک دنیاوی حکمران تھے اوران کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی......''۔

(تاریخ اسلام از معین الدین ندوی، ص362 حصہ دوم)

اب تو یہ حال ہے کہ آج کل کے بعض حضرات جو بزعمِ خود''دیوبندیت کی تطہیر'' کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو''خلیفہ راشد'' کہنے والوں پر ناصبیت کا فتویٰ بھی داغ دیا ہے (دیکھیں: رسالہ''دیوبندیت کی تطہیر ضروری ہے''، ص9، از مفتی محمد سعید خان)، یا اسفاہ۔

یہ چند مثالیں ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنوں کے ہی امتیازی سلوک کی، ورنہ تو اپنوں کا ہی ان کے خلاف کہا، لکھا اتنا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ان کا دفاع ناممکن سا ہوگیا ہے، جب حضرت معاویہؓ کے ساتھ اپنوں کا یہ سلوک ہے تو غیر تو پھر غیر ہیں خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ ان کا، ان کے ساتھ کیا سلوک رہا ہوگا۔

یہ غالباً سنہ 1984 / 1985 کی بات ہے کہ ایک ''عبدالقیوم علوی'' نامی شخص نے (جو اپنے آپ کو ''وفاق المدارس کا سند یافتہ'' اور ''سنی'' کہتا تھا) ایک کتاب بنام ''تاریخ نواصب، حصہ اول'' لکھی جس میں اس بدبخت نے صحابہ کرامؓ جیسی مقدس اور اللہ، رسول کی تزکیہ شدہ جماعت سے لے کر اس دور تک کے دنیاءِ اسلام کے تقریباً تمام معروف و مشہور پیشوایانِ امت اور ائمہ ہدیٰ، مفسرین و محدثین اور محققین و ائمہ مجتہدین کو ''ناصبی'' بتا کر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، کافر، منافق، ملعون وغیرہ وغیرہ بنانے کی ناپاک و ناکام کوشش کی، بعض پر تو نام بنام یہ فتوے مصنف نے لگائے اور بعض پر بعنوان عام، اور صحابیٔ رسولؐ، کاتبِ وحی سیدنا حضرت معاویہ ﷺاور ان کے ساتھی صحابہؓ و تابعینؒ کو تو کئی طرح سے کافر، منافق و دشمن اسلام بنانے کی شیطانی کوشش کی، جس کے خلاف اسلام آباد کی مایۂ ناز شخصیت حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ (خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد) نے 14 فروری 1985ء کو رپورٹ درج کروائی، پانچ سال کی انتھک کوشش کے بعد بالآخر 15 نومبر 1989ء کو عدالت سے مصنف مذکور کو جرم ثابت ہونے پر تین سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی یہ عدالتی فیصلہ ''فیصلہ اسلام آباد'' کے عنوان سے شائع بھی کیا گیا تھا، اس ساری عدالتی جدوجہد میں حضرت مولانا ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمہ اللہ از اول تا آخر حضرت مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ کے علمی و تحقیقی معاون رہے جس کا ذکر مولانا محمد عبداللہ شہید رحمہ اللہ نے ''فیصلہ اسلام آباد'' کے پیش لفظ میں بھی فرمایا ہے۔

حضرت مولانا ابوریحان سیالکوٹی رحمہ اللہ بڑے افسردہ لہجے میں فرمایا کرتے تھے کہ مقدمہ کی سماعت کے دوران عبدالقیوم علوی نے یہی موقف اختیار کیا تھا کہ ''میں نے اپنی کتاب میں حضرت معاویہ ﷺاور ان کے دیگر ساتھی صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے، یہ سب میں نے اپنی طرف سے نہیں لکھا بلکہ اہل سنت کے علماء کی کتابوں سے ہی نقل کیا ہے'' اور پھر یہ شخص کتابوں کے حوالے بھی پیش کیا کرتا تھا کہ دیکھو اہل سنت کے فلاں فلاں عالم اور مؤرخ نے یہ لکھا ہے۔

(اس بارے میں مزید مطالعہ کا شوق ہو تو جناب پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی ﷫ کی کتاب ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ناقدین'' کا مطالعہ مفید ہوگا)۔

حضرت معاویہؓ کی تنقیص کرنے والوں کے بارے میں اسلاف کا طرز عمل

ایک بار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی برائی کی گئی تو آپ نے فرمایا:

''دعونا من ذم فتىٰ قريش من يضحك في الغضب ولا يُنال ما عنده إلّا عن الرضا ولا يؤخذ ما فوق رأسه إلّا من تحت قدميه''

(قریش کے اس جوان کی برائی مت کرو جو غصہ کے وقت ہنستا ہے یعنی انتہائی بردبار ہے، اور جو کچھ اس کے پاس ہے بغیر اس کی رضامندی کے حاصل نہیں کیا جا سکتا اور اس کے سر پر کی چیز کو حاصل کرنا چاہو تو اس کے قدموں میں جھکنا پڑتا ہے یعنی انتہائی غیور و شجاع ہے)۔

(الاستيعاب في معرفة الاصحاب، ج2، ص245، دار الفكر بيروت)

ابوبکر احمد بن محمد الخلال (م 311ھ) نے صحیح سند کے ساتھ امام احمد بن حنبل ﷫ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ:

''قال رجل: يا ابا عبدالله الي خال ذكر أنه ينتقص معاوية وربما أكلتُ معه، فقال ابو عبدالله مبادراً: لا تأكل معه''

(ایک آدمی نے امام ابو عبداللہ (احمدؒ بن حنبل) سے کہا کہ میرا ایک ماموں ہے جس کے بارے میں سنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتا ہے اور کبھی کبھی میں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھاتا بھی ہوں، تو امام احمد بن حنبل نے ایک دم فرمایا: اس کے ساتھ بیٹھ کر نہ کھایا کرو)۔

(السنة لابي بكر الخلال، ج2 ص448)

انہی ابوبکر احمد بن محمد الخلال (م 311ھ) نے صحیح سند کے ساتھ امام احمد بن

حنبل ﷫ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آپ کے پاس ایک رقعہ آیا جس میں لکھا تھا کہ:

"ماتقول رحمك الله فيمن قال: لا أقول ان معاوية كاتب الوحي ولا أقول انه خال المؤمنين، فإنه أخذها بالسيف غصباً؟ قال ابو عبدالله: هذا قول سوء رديء، يجانبون هؤلاء القوم ولا يجالسون ونبين امرهم للناس"

(آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گے جو کہتا ہے کہ: میں حضرت معاویہ کو کاتب وحی اور خال المؤمنین نہیں مانتا اس لئے کہ انہوں نے (خلافت) تلوار کے زور پر غصب کی تھی، تو امام احمد بن حنبل نے فرمایا: یہ بری اور گھٹیا بات ہے، ایسے لوگوں سے الگ رہا جائے، ان کے ساتھ نشست و برخاست نہ کی جائے اور انہیں لوگوں کے سامنے ننگا کیا جائے)۔

اس سے اگلی روایت ہے کہ ابوبکر المروذی کہتے ہیں:

"قلتُ لابي عبدالله أيما أفضل معاوية او عمر بن العزيز، فقال: معاوية افضل، لسنا نقيس بأصحابِ رسول الله ﷺ أحداً، قال النبي ﷺ: خير الناس قرني الذي بُعثتُ فيهم"

(میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا: حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز میں سے افضل کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: معاویہؓ افضل ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ پر کسی (غیر صحابی) کو قیاس نہیں کرتے (یعنی کسی غیر صحابی کا صحابی کے ساتھ موازنہ نہیں کرتے کیونکہ) نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: بہترین میرے زمانے (کے لوگ) ہیں جن کے اندر میں مبعوث کیا گیا ہوں)۔ (السنة لابي بكر الخلال، ج2 ص434، دارالرایۃ)

حافظ ابن عساکرؒ نے بروایت ابراہیم بن میسرۃ روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ:

"مارأيتُ عمر بن عبدالعزيز ضَرَبَ انساناً قطُّ، إلّا إنساناً شَتَمَ معاويةَ، فإنه ضربه اسواطاً"۔

(میں نے حضرت عمر بن العزیز ﷫ کو کبھی کسی انسان کو مارتے نہیں دیکھا، مگر ایک انسان کو جس

نے حضرت معاویہ ﷛ کو برا بھلا کہا تھا، آپ نے اسے کوڑے مارے)۔

(تاریخ مدینہ دمشق، ج59 ص211، دارالفکر)

حضرت معاویہ ﷛ کا انقیاد واتباع شریعت

حضرت معاویہ ﷛ اور رومیوں کے مابین معاہدہ تھا، مدت معاہدہ ختم ہونے سے اتنے دن پہلے رومیوں کی سرحد کی طرف فوج کشی کر دی کہ معاہدہ ختم ہونے تک ان کی سرحد پر پہنچ جائیں تاکہ معاہدہ ختم ہوتے ہی ان پر حملہ کر دیا جائے، ایک صحابی حضرت عمرو بن عنبسہ ﷛ نے حدیث سنائی، آپ نے وہیں سے فوجیں واپس کر لیں:

"کان بین معاویة وبین الروم عهد، وکان یسیر نحو بلادهم حتیٰ اذا انقضیٰ العهد غزاهم، فجاء رجل علیٰ فرس أو برذون وهو یقول: الله اکبر، الله اکبر، وفاء لا غدر، فنظروا، فاذا عمرو بن عنبسة، فأرسل الیه معاویةفسأله، فقال: سمعتُ رسول الله ﷺ یقول: من کان بینه وبین قوم عهد فلا یشد عقدة ولایحلها حتیٰ ینقضی أمدها أو ینبذ الیهم علیٰ سواء، فرجَع معاویة"۔

(سنن ابی داؤد، ج2 ص379، باب فی الامام بینه وبین العدو عهد)

حضرت معاویہ ﷛ کی خدا خوفی، فکرِ آخرت اور عشقِ رسول ﷺ

حضرت معاویہ ﷛ کے سامنے ایک دفعہ ریاکاری کے وبالِ اخروی سے متعلق آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ بیان کی گئی، حضرت معاویہ ﷛ وہ حدیث شریف سن کر خوف خدا اور فکرِ آخرت سے اتنا روئے کہ دیکھنے والوں کو ان کی ہلاکت کا گمان ہونے لگا:

"ثم بکیٰ معاویة بکاءً شدیداً حتیٰ ظننا أنه هلك............ ثم أفاق معاویة ومسح عن وجهه وقال: صدق الله ورسوله، من کان یرید الحیاة الدنیا وزینتها نُوَفِّ الیهم ـــ (الیٰ قوله تعالیٰ)ـــ وباطل ما کانوا یعملونَ"

(پھر حضرت معاویہؓ اتنا روئے یہاں تک کہ ہم سوچنے لگے کہ وہ اب فوت ہو جائیں گے...... پھر

جب حضرت معاویہؓ کو ہوش آیا تو آپؓ نے چہرہ پونچھا اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا، پھر یہ آیت پڑھی "من کان یرید الحیاۃ الدنیا ......" جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی رونق چاہتا ہے ہم ایسے لوگوں کے اعمال کا بدلہ دنیا میں دے دیتے ہیں اور اس میں کوئی کمی نہیں رکھتے، یہ ایسے لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں، پس جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا وہ ضائع ہو گیا اور ان کے اعمال باطل ہو گئے)۔

(سنن ترمذی، ج2 ص73، باب ماجاء في الرياء والسمعة، ابواب الزهد)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض الوفات میں وصیت فرمائی کہ:

"إِنَّ رسولَ الله ﷺ كساني قميصاً فرفعتُه، وقلّم اظفارَه يوماً، فاخذتُ قُلامتَه فجلعتُها في قارورة، فإذا مِتُّ فالبِسُوني ذالك القميصَ وقطّعوا تلك القُلامة واسحقوها وذُرُّوها في عيني وفي فِيَّ، فعَسى الله أن يرحمني ببركتها"

(یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے ایک قمیص پہنائی تھی جسے میں نے بعد میں اتار کر رکھ لیا (یعنی سنبھال کر رکھ لیا) اسی طرح ایک دن آپ ﷺ نے اپنے ناخن مبارک تراشے تو آپؐ کے ناخنوں کے ٹکڑے میں نے اکٹھے کر کے ایک بوتل میں محفوظ کر لیے تھے، پس جب میں مر جاؤں تو تم لوگ مجھے وہ قمیص پہنا دینا اور ان ناخنوں کے ٹکڑوں کو پیس کر میری آنکھوں اور میرے مُنہ میں ڈال دینا، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے مجھ پر رحم فرمائیں گے)۔

(صحیح تاریخ الطبری، ج4 ص37، 38، دار ابن کثیر، بیروت/طبقات ابن سعد، ج6 ص30، مکتبۃ الخانجی، قاہرہ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رجب سنہ 60ھ میں وفات پائی، اس وقت صحیح قول کے مطابق آپ کی عمر تقریباً 78 سال تھی، صحابیِ رسول ﷺ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور دمشق میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی خلافت کی کل مدت 19 سال 3 ماہ اور کچھ دن بنتی ہے۔



حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بحیثیت ایک خلیفۂ راشد

(از قلم: محقق اہل سنت حضرت مولانا شیخ الحدیث ابو ریحان عبدالغفور سیالکوٹی رحمہ اللہ)

کہا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد تو درکنار نرے خلیفہ بھی نہ تھے بلکہ مَلِک یعنی بادشاہ تھے۔ اسی طرح ان کی حکومت بھی خلافت راشدہ تو رہی ایک طرف نری خلافت بھی نہ تھی بلکہ ملوکیت یعنی بادشاہت تھی۔ چنانچہ مؤرخ اسلام شاہ معین الدین ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

> ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نہ خلیفہ راشد تھے اور نہ ان کی حکومت، خلافت راشدہ یعنی اسلامی حکومت کا صحیح نمونہ تھی بلکہ وہ ایک دنیاوی حکمران تھے اوران کی حکومت دنیاوی بادشاہت تھی''۔ (تاریخ اسلام، ص 34، ج 2)

حالانکہ خلیفہ وخلافت کے جس قانون قاعدے اور اصول ضابطے سے ان سے پہلے حضرات خلفاء، خلفاء راشدین اوران کی حکومتیں راشدہ خلافتیں بنی تھیں بعینہٖ اسی قانون قاعدے اور اصول ضابطے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفۂ راشد اوران کی حکومت، خلافت راشدہ ثابت ہوتی ہے۔ جس کا مختصر بیان حسب ذیل ہے۔

اہل سنت علماءِ عقائد وکلام بالخصوص امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے خلیفۂ راشد کی استحقاقی شرائط اوراس کے منصبی فرائض بڑی تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اور جو حکمران و حکومت ان پر پورے اترے ہوں ان کو انھوں نے خلیفۂ راشد اور خلافتِ راشدہ ہی کہا اور مانا ہے۔ تو ملاحظہ ہو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ راشد ہونا، پہلے تو انہی حوالوں سے اور پھر کچھ اور حوالوں سے بھی۔

بحوالۂ شرائطِ خلیفۂ راشد:

امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے کسی شخص کے مستحق خلافت ہونے کی درج ذیل شرطیں لکھیں ہیں۔

(1) مسلمان ہو، کافر نہ ہو

(2) عاقل ہو، مجنون و بے وقوف نہ ہو

(3) بالغ ہو، نابالغ نہ ہو

(4) مرد ہو، عورت نہ ہو

(5) حر یعنی آزاد ہو، غلام نہ ہو

(6) متکلم، سمیع اور بصیر ہو، گونگا، بہرا اور اندھا نہ ہو۔

(7) شجاع یعنی بہادر و ہوشیار ہو اور صاحب رائے ہو، (بزدل) آرام طلب اور ناتجربکار نہ ہو۔

(8) عادل اور صاحب مروت ہو، یعنی کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے والا ہو، صغیرہ گناہوں پر اصرار کرنے والا، نیز وارستہ مزاج یعنی آزاد طبع اور بے پرواہ نہ ہو۔

(9) مجتہد ہو، (اور بقول شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں مجتہد ہونے کے لیے صرف علم قرآن اور حفظ حدیث کافی تھا۔) (ازالۃ الخفا مترجم، صفحہ 22، جلد 1)

(10) پدری نسب سے قریشی ہو۔ (دیکھو ازالۃ الخفاء، مترجم از صفحہ 18 تا 22، جلد 1 و صفحہ 330، جلد 2)

جس شخص میں یہ شرطیں پائیں جائیں وہ خلافت کا مستحق ہوتا ہے اور جب ایسے کسی شخص کو ارباب حل و عقد خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں تو وہ خلیفۂ راشد ہوتا اور کہلاتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی استحقاق خلافت کی مذکورہ شرطوں کی تفصیل دے کر تصریح فرماتے ہیں کہ:

"الحاصل جب یہ شرطیں کسی شخص میں پائی جائیں تو وہ مستحق خلافت سمجھا جائے گا اور اگر اس کو (اہل حل و عقد) خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں تو وہ خلیفۂ راشد ہوگا۔" (ازالۃ الخفاء، مترجم صفحہ 23 جلد 1)

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے خلیفۂ راشد ہونے کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، ایک یہ کہ اس میں استحقاق خلافت کی مذکورہ تمام شرطیں پائی جائیں اور دوسری یہ کہ اہل حل و عقد اس کو خلیفہ بنائیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

کسی شخص کے خلیفۂ راشد ہونے نہ ہونے کا پہلے بھی یہی معیار اور یہی قاعدہ تھا اور اب بھی یہی ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گا۔ اس کے علاوہ کوئی اور خاص قاعدہ و قانون کسی کے خلیفۂ راشد ہونے نہ ہونے کے لیے سُنّی مسلک میں نہ پہلے کبھی ضروری قرار دیا گیا ہے اور نہ آئندہ ہی اس

کو ضروری قرار دیا جا سکتا ہے۔ آج تک جو کوئی خلیفۂ راشد ہوا ہے یا آئندہ ہوگا اسی قاعدے قانون کے تحت ہی ہوا ہے اور ہوگا۔ حتیٰ کہ پہلے چاروں خلفاء راشدین مہدیین (رضی اللہ عنہم اجمعین) بھی اپنے اپنے دور میں جو خلیفہ ہوئے تھے تو اسی قاعدے قانون کے تحت ہی ہوئے تھے یعنی ان میں خلافتِ راشدہ کے استحقاق کی تمام شرطیں بھی پائی گئیں تھیں اور اہلِ حل وعقد نے ان کو خلیفہ بھی بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی۔ یہی دونوں چیزیں خارج میں ان حضراتِ اربعہؓ کے خلفاءِ راشدین ہونے کے لیے کافی بھی گئی تھیں ان کے علاوہ کوئی اور خاص چیز یا کوئی شرط ان کے لیے بھی ضروری قرار نہ دی گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جن مہاجرین اولین کے بارے میں آیتِ استخلاف اور آیتِ تمکین نازل ہوئی تھیں۔ ان میں سے حضراتِ خلفاءِ اربعہؓ کے علاوہ اور کوئی بھی خلیفہ نہ ہوا اور نہ مانا گیا، کیونکہ ان چار حضرات کے علاوہ اوروں میں یہ دونوں چیزیں اکٹھی نہ پائی گئی تھیں۔ خلافت کے مستحق تو بنصِ قرآنی وہ سب حضرات بھی بے شک تھے مگر اہلِ حل وعقد نے ان چار کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ نہ بنایا تھا اور کسی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ...... جن کو ساری دنیاءِ سنیت بالاتفاق خلیفۂ راشد جانتی اور مانتی ہے...... وہ بھی انھیں دو باتوں کی بنیاد پر ہی خلیفۂ راشد ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ اس امت کے آخری خلیفہ...... حضرت مہدی علیہ الرضوان کی خلافت کا تحقق بھی انہیں دو چیزوں کے پائے جانے پر ہی ہوگا۔ (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء مترجم، صفحہ 26 تا 28، جلد 1)

لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفۂ راشد ہونے نہ ہونے کا دارومدار بھی انہیں دو چیزوں پر ہوگا۔ ان کے علاوہ کسی اور خاص چیز یا کسی خاص شرط کی ضرورت ہرگز ہرگز نہ ہوگی۔ ان سے پہلے خلفاء راشدین کی طرح اگر ان میں بھی یہ دونوں چیزیں پائی گئی ہوں تو پھر بعد کی ساری دنیا کے انکار کے باوجود بھی یقیناً وہ خلیفۂ راشد ہوں گے۔ اور اگر یہ دونوں چیزیں ان میں نہ پائی گئی ہوں تو پھر ساری دنیا کے ان کو ہزاروں مرتبہ خلیفۂ راشد کہنے اور ماننے کے باوجود بھی وہ ہرگز ہرگز خلیفۂ راشد نہ ہوں گے۔

اس اعتبار سے جب دیکھا جاتا ہے تو اس میں ایک ذرہ بھر بھی کوئی شک نہیں رہتا کہ ان میں یہ دونوں چیزیں علی وجہ الاتم پائی گئی تھیں۔ چنانچہ کوئی سنی مسلمان اس سے انکار نہیں کرتا اور نہ بقائمی ہوش وحواس کر ہی سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں استحقاق خلافت کی تمام شرطیں موجود تھیں، وہ مسلمان بھی تھے اور عاقل وبالغ بھی، مرد بھی تھے اور حر بھی، متکلم وسمیع بھی تھے اور

امیر بھی، شجاع بھی تھے اور عادل بھی، مجتہد بھی تھے اور قریشی بھی، اور اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ استحقاقِ خلافت کے بعد اس دور کے تمام اہلِ حل و عقد نے ...... جو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے یا کبار تابعین ...... ان کو بالاتفاق خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔

جب ان میں وہ دونوں چیزیں پائی گئیں جن کے پائے جانے سے کوئی شخص، خلیفہ راشد ہوا کرتا ہے تو وہ بھی یقیناً اور یقیناً، خلیفۂ راشد ہی ہوئے۔ اگرچہ کسی کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔

بحوالۂ فرائضِ خلیفۂ راشد:

اور اب آیئے، خلیفۂ راشد کے فرائضِ منصبی کی طرف

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفۂ راشد کے وہ فرائض بھی ایک مستقل عنوان کے تحت بیان فرمائے ہیں چنانچہ عنوان قائم کیا ہے:-

"مسئلہ (پنجم) ان امور کا بیان جو خلیفہ پر واجب ہیں از قسم اجراء مصالح اہلِ اسلام۔" پھر وہ امور بالتفصیل بیان فرماتے ہیں جو ایک نظر میں حسبِ ذیل ہیں۔

(1) دینِ محمدی (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو اسی طرح محفوظ رکھنا جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مستفیضہ سے ثابت ہو اور سلفِ صالحین کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہو۔

(2) ارکانِ اسلام یعنی جمعہ، جماعت، زکوٰۃ، حج اور صوم کا قائم کرنا، اپنے مقام پر بذاتِ خود اور مقاماتِ بعیدہ میں اپنے نائبین کے ذریعہ۔

(3) جس قدر ہو سکے بذاتِ خود علومِ دینیہ کو زندہ رکھنا اور ہر شہر میں مدرّسین و معلّمین مقرر کرنا۔

(4) عہدۂ قضاء کے فرائض انجام دینا اور قاضیوں، مفتیوں کو مقرر کرنا۔

(5) بلادِ اسلامیہ کو، کافروں، رہزنوں، اور غاصبوں سے محفوظ رکھنا اور دارالاسلام کی سرحدوں کو فوجوں اور آلاتِ جنگ سے معمور رکھنا، دشمنانِ خدا سے جہاد کرنا اور لشکروں کی ترتیب، مجاہدوں کے وظائف، مالِ غنیمت کی تقسیم، قاضیوں، مفتیوں، معلموں، واعظوں، اور مساجد کے اماموں کے مشاہرے نیز جزیہ وخراج کی وصولی جیسے اس کے تمام متعلقات کو بحسن وخوبی انجام دینا۔

(6) کاروبار میں سچے، امانت داروں اور خیر خواہوں کو نائب بنانا۔

(7) رعایا، امراء شہر، حکام، اور افواج کے حالات کی خبر گیری رکھنا تا کہ ظلم اور خیانت نہ

ہونے پائے۔

(8) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔

(9) حدود اللہ کو جاری کرنا۔

(10) مسلمانوں کے کام، کافروں کے سپرد کسی صورت نہ کرنا۔

(دیکھو ازالۃ الخفاء مترجم از صفحہ 28 تا 30، نیز صفحہ 13 جلد 1، نیز صفحہ 330 جلد 2)

جو حکمران خلیفۂ راشد کے یہ تمام منصبی فرائض ادا کرے وہ خلیفہ راشد ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان رضی اللہ عنہم سے خلیفہ اور مَلِک (یعنی بادشاہ) میں فرق سے متعلق سوال کیا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ:

> "خلیفہ وہ ہے جو رعیت میں عدل کرے اور ان کے درمیان برابر تقسیم کرے اور لوگوں پر ایسی شفقت کرے جیسے کوئی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کرے۔"

(ازالۃ الخفاء مترجم، صفحہ 222 جلد 2)

سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

> واللہ! میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ۔ ایک کہنے والے نے کہا: اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فرق ہے۔ فرمایا! کیا ہے؟ اس نے کہا: خلیفہ نہیں لیتا بجز حق کے اور خرچ بھی صرف حق کے موقع میں کرتا ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ آپ ایسے ہی ہیں، اور بادشاہ، لوگوں پر ظلم کرتا ہے، اس سے لیتا ہے اور اس کو دیتا ہے۔ تو (حضرت) عمر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے۔"

(ایضاً صفحہ 223 جلد 2)

یہاں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور ایک کہنے والے نے خلیفۂ راشد کے فرائض میں سے بطور مثال چند فرائض کا ذکر کیا ہے، مراد تمام ہی فرائض ہیں۔

واضح رہے کہ خلیفۂ راشد کے یہ منصبی فرائض بعینہٖ خلافتِ راشدہ کے مقاصد یا کہہ لیجیے کہ اسلامی حکومت کی دستوری دفعات بھی ہیں۔ لہٰذا ان کو بجالانے والا حکمران جب خلیفۂ راشد کہلاتا ہے ایسے ہی جس حکومت میں یہ انجام پائیں وہ خلافتِ راشدہ کہلاتی ہے۔ چنانچہ شاہ

صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''جب ہم خلافت کو وصفِ راشدہ کے ساتھ مقید کریں گے (یعنی خلافتِ راشدہ کہیں گے) تو اس کے معنی ہوں گے پیغمبر ﷺ کی نیابت ان کاموں میں جو بر بناءِ وصفِ پیغمبری، پیغمبر ﷺ انجام دیتے تھے یعنی اقامتِ دین اور دشمنانِ خدا کے ساتھ جہاد اور حدود اللہ کا جاری کرنا اور علوم دینیہ کا احیاء اور ارکانِ اسلام (یعنی نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ) کا قائم کرنا اور قضاء و افتاء کا قائم کرنا اور جو امور اس ذیل میں آتے ہیں ان کی انجام دہی ایسے احسن طور پر کہ گناہ سے محفوظ رہتے ہوئے اس کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائیں۔''

(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 330 جلد 2)

دیکھ لیجئے یہ تمام کام وہی ہیں جو اوپر، خلیفۂ راشد کے فرائض کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی خلافت کا معنی یوں نقل کیا ہے۔

''اور معاویہ سے مروی ہے کہ وہ منبر پر بیٹھ کر کہا کرتے تھے، اے لوگو! خلافت مال جمع کرنے اور خرچ کرنے کا نام نہیں ہے لیکن خلافت ہے حق پر عمل کرنا اور انصاف کے ساتھ حکم کرنا اور اللہ کے حکم کے مطابق لوگوں سے لینا۔'' (ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 223 جلد 2)۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی حکومت اس معیار پر بھی پورے اترتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے خلیفۂ راشد کے یہ تمام منصبی فرائض اپنی چھیاسٹھ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی وسیع و عریض مملکت میں بکمال و تمام انجام دیے تھے۔ اس کی مکمل تفصیل کے لیے تو ایک دفتر چاہیے۔ میں نے اسی موضوع پر اپنے مفصل مضمون میں بالترتیب ہر ہر فرض کی انجام دہی کی بطور نمونہ، چند مثالیں ذکر کی ہیں لیکن یہ مختصر مضمون ان مثالوں کا بھی متحمل نہیں ہے۔ اس لیے یہاں ان کی حکومت سے متعلق اہلِ نظر کے بعض مجموعی اظہار و اعتراف نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ ان کے دورِ حکومت پر مجموعی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الجهاد فی بلاد العدوّ قائم وکلمة الله عالية والغنائم ترد اليه من اطراف الارض والمسلمون معه فی راحة وعدل وصفح وعفو" (البداية صفحه 119 جلد 8)

یعنی 41 ہجری سے لے کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے سوا انیس سالہ

پورے دور خلافت میں دشمن کے ملکوں میں جہاد کا سلسلہ برابر قائم رہا۔ اللہ کے دین کا (چہار دانگ عالم میں) ڈنکا بجتا رہا۔

غنائم زمین کے گوشوں سے آپ کے آتے رہے۔ اور مسلمان آپ کی ہمراہی یعنی آپ کے دور حکومت میں عدل وانصاف اور عفو ودرگذر کے سایہ میں امن وراحت کی زندگی بسر کرتے رہے۔

پھر ان خمسوں اور بیت المال کی دیگر آمدنیوں سے تمام ملکی مصارف پورے کیے جاتے تھے۔ مملکت اسلامیہ کی معاشی وصنعتی ہر طرح کی ترقی انہیں آمدنیوں سے وابستہ تھی۔ فوجی اخراجات، والیوں اور گورنروں کے مشاہرات، قاضیوں، مفتیوں، معلموں، اور موذنوں کی تنخواہیں بھی اسی قومی خزانہ عامرہ سے ادا کی جاتی تھیں۔ صرف ایک دمشق کے بیت المال کی جو تفصیل مؤرخین نے دی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام اخراجات کے بعد بھی بیت المال میں چار چار لاکھ دینار بچ جایا کرتے تھے۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ تفصیل دے کر لکھتے ہیں:

"وھذا یدل علی کثرۃ دخلھا وعظیم البرکۃ فی مستغلھا"

(یہ صورت حال، آمدنی کی کثرت اور غلے میں بہت زیادہ برکت پر دلالت کرتی ہے۔)

(بحوالہ سیرۃ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ از مولانا نافع، صفحہ 400 جلد 1)

یہی حال عراق اور مصر وغیرہ کے اسلامی بیت المالوں کا بھی تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہی شان وشوکت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور گورنری کی بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

"ولم تزل الفتوحات والجھاد قائما علی ساقہ فی ایامہ فی بلاد الروم والفرنج وغیرھا"

(ان کے پورے دور گورنری میں، رومیوں، فرنگیوں اور ان کے علاوہ دیگر کافر ملکوں میں برابر فتوحات ہوتی رہیں اور جہاد اپنی پوری آن بان کے ساتھ قائم رہا۔) (البدایہ والنہایہ، صفحہ 118 جلد 8)

ہمارے دور کے بہت بڑے محقق عالم حضرت مولانا محمد نافع صاحب۔ متعنا اللہ بطول حیاتہ المبارکہ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں کہ:

"فلفتح اللہ بہ الفتوح ویغزو الروم ویقسم الفئی والغنیمۃ ویقیم حدود اللہ، واللہ لایضیع اجر من احسن عملا" (اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ بہت سی فتوحات عطا فرمائیں، وہ ملکِ روم (جیسی عظیم مملکت) میں جہاد کرتے، مالِ فئی و غنیمت، تقسیم کرتے اور حدود اللہ قائم (جاری) کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اچھا عمل کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا۔") (سیرۃ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، صفحہ 404 جلد 1)

یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے منصبی فرائض نہ صرف ادا کیے بلکہ ایسے عمدہ اور اچھے طریقے سے ادا کیے کہ اس پر اس اللہ تعالیٰ سے، جو کسی کے بھی اچھے عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا، اجر، ثواب کی بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے۔

علماء سلف کے ان تبصروں سے یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفۂ راشد کے زیرِ بحث تمام منصبی فرائض پوری طرح ادا کیے تھے اور بتایا جا چکا ہے کہ جو مسلمان حکمران یہ تمام فرائض بجا لائے وہ خلیفۂ راشد ہوا کرتا اور جس حکومت میں یہ فرائض انجام پائیں وہ خلافتِ راشدہ ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفۂ راشد ہوئے اور ان حکومت بھی خلافتِ راشدہ ہوئی۔ اور اب ملاحظہ ہو کچھ اور حوالوں سے بھی۔

بحوالۂ ضابطۂ تقررِ خلیفہ:

امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقرر خلیفہ سے متعلق یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ:

"مسلمانوں پر ایسے خلیفہ کا مقرر کرنا جو جامع شرائط خلافت ہو، فرضِ کفایہ ہے (اور) قیامت تک (فرض رہے گا۔")

(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 17 جلد 1)

آگے لکھا ہے کہ:

"اگر کسی ایسے شخص کو لوگ، خلیفہ بنائیں، جس میں یہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں تو اس کی خلافت کے بانی گناہگار رہوں گے۔"

(ایضاً صفحہ 23، جلد 1)

اور اب دیکھیے اس ضابطہ کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو۔

اتنی بات تو یقینی اور ایک ناقابلِ انکار تاریخی حقیقت ہے کہ دورِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے تم

ارباب حل وعقد صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا اور اس وقت کے عوام وخواص تمام مسلمانوں نے ان کو اپنا خلیفہ مانا تھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اسی لیے تاریخ میں اس سال کو "عام الجماعۃ" یعنی مسلمانوں کی اجتماعیت کا سال، کہا جاتا ہے۔

اب اس استخلاف یعنی خلیفہ بنانے کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، خلافت کے مستحق یعنی اس کی تمام شرطوں کے جامع ہوں اور ان کو خلیفہ بنانے والے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے خلافت کے مستحق، شخص کو ہی خلیفہ بنایا اور مقرر کیا ہو ......اور دوسری یہ کہ وہ خلافت کے مستحق اور اس کی تمام شرطوں کے جامع نہ ہوں اور ان کو خلیفہ بنانے والوں نے ایک غیر مستحق خلافت اور غیر جامع شرائط شخص کو خلیفہ بنا ڈالا ہو۔

اگر دوسری صورت فرض کی جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے والے تمام ارباب حل وعقد، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ اور تمام مسلمانوں عوام وخواص مسلمانوں مذکورہ ضابطہ کی شق 2 کے تحت گناہ گار ہونا لازم آتا ہے۔ اور ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا یوں اجتماعی طور پر گناہ گار ہونا، باطل ہے۔

ایک تو اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ، صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ کا زمانہ ہے جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر القرون یعنی اس امت کا بہترین زمانہ فرمایا ہے۔ خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم الخ ......اگر اس سارے ہی قرن کو گناہ گار مانا جائے تو وہ خیر القرون نہیں رہتا بلکہ شر القرون ٹھہرتا ہے جس میں العیاذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اور دوم اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کی یہ فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو گناہ اور معصیت پر جمع نہ کرے گا...... ان اللہ لا یجمع امتی علی الضلالہ ......تو جو امت، اللہ کے فضل وکرم اور برکت نبی مکرم، گناہ پر جمع ہونے سے محفوظ ہو، یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابہ وتابعین پر مشتمل اس کا ہر اول دستہ ہی پورا گناہ پر جمع ہو جائے۔

سوم اس لیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے نتیجہ میں منعقد ہوئی تھی اور یہ صلح، اللہ ورسول کی پسندیدہ ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی...... فمن عفا واصلح الخ ......میں بتصریح شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسی صلح کی طرف اشارہ ہے اور

آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی تو اس صلح کے بارے میں مشہور ہی ہے، جس کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے فضائل میں دیکھا جا سکتا ہے تو جو خلافت، اللہ و رسول کی پسندیدہ صلح کے نتیجہ میں منعقد ہوئی ہو، ہرگز ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ اس کے بانی صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ بالخصوص حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس میں گناہ گار ٹھہرے ہوں۔

چہارم اس لیے کہ اگر یہ سارا ہی طبقہ یوں یک لخت گناہ گار قرار پا جائے تو پھر بعد والی ساری امت کا آنحضرت ﷺ سے دینی و ایمانی رشتہ ہی منقطع ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ بعد والوں کو دین و ایمان ان صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ کے واسطہ سے ہی پہنچا ہے۔

جب ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ اور ان تمام مسلمانوں کا یوں بیک جنبش گناہ گار ہونا باطل ہوا تو ان کا ایک غیر مستحق خلافت اور غیر جامع شرائط خلافت شخص کو خلیفہ بنانا باطل ہوا۔ لہٰذا پہلی صورت ہی متعین ٹھہری کہ ان حضرات نے خلافت کے مستحق اور اس کی شرائط کے جامع شخص کو ہی خلیفہ بنایا تھا۔ اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جب لوگ، کسی مستحق خلافت شخص کو خلیفہ بنائیں وہ خلیفہ راشد ہی ہوا کرتا ہے۔ مَلِک و بادشاہ نہیں ہوا کرتا۔ لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس ضابطہ کے حوالہ سے بھی خلیفۂ راشد ہی ثابت ہوئے نہ کہ مَلِک و بادشاہ۔

بحوالۂ سپردگی خلافت از خلیفۂ راشد:

وضاحت اس حوالہ کی یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے پہلے خلیفہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ تھے اور خلیفہ بھی محض وقتی، عارضی اور ہنگامی نہ تھے بلکہ ارباب حل وعقد کی بیعت سے باقاعدہ و باضابطہ اور مستقل خلیفہ ہوئے تھے۔ اسی لیے ان کی خلافت کو...... باوجودیکہ وہ خود مہاجرین اولین میں سے نہیں ہیں...... مہاجرین اولین، خصوصاً حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تتمہ کے طور پر باقاعدہ طور پر شمار کیا جاتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت و سلطنت حضرت حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے ہی سپرد کی تھی اور سپرد بھی بلا کسی جبر و اکراہ، بلا کسی کمزوری و مجبوری اور بلا کسی قلت و علت کے محض مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر باختیار خود کی تھی اور باقاعدہ و باضابطہ اور مستقل طور پر ملی ہوئی حکومت سے دست بردار ہو کر کی تھی۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے وہی حکومت، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سپرد کی تھی اور اسی حکومت سے دست بردار بھی ہوئے تھے جو انہیں اوپر سے پہنچی تھی اور سب جانتے اور مانتے ہیں کہ حضرت حسن

رضی اللہ عنہ کو اوپر سے منتقل ہوتی ہوئی خلافتِ راشدہ والی حکومت ہی پہنچی تھی۔ بادشاہی والی حکومت نہ پہنچی تھی...... بلکہ اگر اہلِ سنت کے اس استدلال کو دیکھا جائے۔ جس میں وہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حدیثِ سفینہ کے حوالہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا تکملہ بنا کر قرآن کی موعودہ خلافتِ راشدہ کے تیس سال پورے کیا کرتے ہیں تو پھر یہ تک بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت حسن کو قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ ہی پہنچی تھی۔اسی سے دستبردار ہوکر اسی کو انھوں نے آگے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔ بادشاہت والی حکومت نہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس تھی نہ ان کو اوپر سے پہنچی تھی اور نہ انھوں نے وہ آگے سپرد ہی کی تھی۔ جب ان کو سپرد ہی خلافتِ راشدہ ہوئی تھی تو ادھر سے اُدھر جاتے ہی آخر وہ بادشاہت کیسے بن گئی؟ کیا صرف اس لیے کہ حدیث سفینہ میں تیس سالہ خلافت کے بعد "ثم یؤتی اللّٰہ ملك من یشاء" آیا ہے؟ تو یہ لفظ تو حدیث میزان میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے ذکر کے بعد بھی آیا ہے۔ ان حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "خلافة نبوة ثم یؤتی اللّٰہ الملك من یشآء" (ابوداؤد، ازالۃ الخفاء، خارجی فتنہ) اس سے تو حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت بھی بادشاہت ثابت ہوتی ہے۔ نیز شاہ صاحب دہلویؒ نے احادیثِ خلافت کا تفصیلی ذکر کر کے یہاں تک تصریح کر دی ہے کہ نقلِ متواتر سے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا ثابت ہو چکا ہے کہ "بعد شہادت حضرت عثمان کے خلافت برطریق نبوت نہ رہے گی اور کاٹ کھانے والی سلطنت ظاہر ہوگی۔" (ازالۃ الخفاء، ص 552، ج 1) اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی کاٹ کھانے والی سلطنت بنتی ہے۔ جو تاویلیں ان حدیثوں میں کی جاتی ہیں وہی آخر حدیثِ سفینہ میں کیوں نہیں ہو سکتیں اور کیوں نہیں کر لی جاتیں؟ اور کیوں نہیں کی گئیں؟ یہاں ہی معاویہ رضی اللہ عنہ کو مَلِک اور ان کی حکومت کو ملوکیت کہنے کو ہی آخر "سنت" کیوں بنا ڈالا گیا؟

بحوالۂ قرآن:

آخر میں "خــاتـمــہ مسـلك" کے طور پر قرآن و حدیث کے حوالہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خلیفۂ راشد ہونا ملاحظہ ہو۔

امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرات خلفاء راشدین کی خلافتوں کے برحق

ہونے پر قرآن کریم کی جن آیات سے استدلال کیا ہے ان میں سے ایک سورۃ الانبیاء کی یہ آیت بھی ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثها عبادی الصالحون۔

(اور بے شک ہم لکھ چکے ہیں (سب) آسمانی کتابوں میں، لوح محفوظ (میں لکھنے) کے بعد کہ زمین کے وارث ہوں گے، میرے نیک بندے)

(سورۃ الانبیاء آیت 105)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے زمین کی وراثت وخلافت کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ علامہ عثمانی رحمہ اللہ اس آیت پر اپنے تفسیری فوائد میں تحریر فرماتے ہیں۔

''کامل وفادار بندوں سے حق تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کو دنیا وآخرت کی کامیابی اور اس زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنائے گا۔''

آگے اس سلسلہ کی قرآنی آیات سے استشہاد کر کے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ ایسا حتمی اور قطعی وعدہ ہے جس کی خبر اس نے اپنی کتب شرعیہ اور کتب قدریہ میں دی، ''لوح محفوظ'' اور ''ام الکتاب'' میں یہ وعدہ درج کیا اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار اعلان کرایا۔ داؤد علیہ السلام کی کتاب'' زبور'' 37۔29 میں ہے کہ'' صادق زمین کے وارث ہوں گے۔'' چنانچہ اس امت میں کے کامل وفادار اور صادق بندے مدت دراز تک زمین کے وارث رہے، شرق وغرب میں انھوں نے آسمانی بادشاہت قائم کی، عدل وانصاف کے جھنڈے گاڑ دیے، دینِ حق کا ڈنکا چاردانگِ عالم میں بجادیا۔ اور نبی کریم ﷺ کی یہ پیش گوئی ان کے ہاتھوں پر پوری ہوئی ۔''ان اللّٰہ زَویٰ لي الارض فرایتُ مشارقها ومغاربها وَاِنَّ امتی سَیَبْلُغُ مُلکُها ما زوِیَ لِی منها ۔''

(تفسیر عثمانی سورہ الانبیاء آیت نمبر 105)

حدیث کا ترجمہ یہ ہے:

بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹا تو میں نے اس کے مشارق ومغارب دیکھ لیے، اور بے شک میری امت کی سلطنت وہاں

تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی ہے۔''

(صحیح مسلم ص290 جلد 2)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے جن نیک اور کامل وفادار بندوں سے زمین کی وراثت و خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے اب ان کا مصداق اور موعودلہم ، نبی امی ﷺ کی امت کے ہی ''الصلحون '' ہیں۔شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس،حضرت ابوالدرداء (رضی اللہ عنہم) اور بروایت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ زبور سے یہی مصداق نقل کیا ہے۔

(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 123 جلد 2)

پھر امتِ محمدیہ کے ''الصالحون'' میں سے سب سے بڑھ کر نیک اور کامل وفادار و فرمانبردار بندے چونکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں لہٰذا امتِ محمدیہ میں سے بھی سب سے بڑھ کر اس آیت کے مصداق اوراس حتمی وقطعی وعدہ کے سب سے اول موعودلہم یہی حضرات ہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جن کو دنیا میں بالفعل خلافتِ ارضی کی یہ میراث ملی ان میں،حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد نمایاں نام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔چنانچہ حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے مصداق کا خلفاء کی تفصیل بیان کرتے ہوئے جو روایات نقل کی ہیں،ان میں جہاں حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا نام بنام ذکر کیا ہے۔وہاں اسی سیاق اور اسی انداز میں ان کے متصل بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی بھی تصریح کی ہے،قارئین ملاحظہ فرمائیں،حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں:

(1) ''ابو القاسم بغوی نے سعید بن عبد العزیز سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ذی قربات حمیری سے (جو یہود کے بڑے عالموں میں سے تھا) پوچھا گیا کہ اے ذی قربات! حضرت ﷺ کے بعد کون (خلیفہ) ہوگا ؟اس نے کہا: امین (یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ) پوچھا گیا، پھر ان کے بعد کون؟ تو اس نے کہا: ایک روئیں تن (یعنی عمر رضی اللہ عنہ) پوچھا گیا، پھر ان کے بعد کون؟ اس نے کہا: ایک سخی آدمی (یعنی عثمان رضی اللہ عنہ) پوچھا گیا، پھر ان کے بعد کون؟اس نے کہا:ایک گورے رنگ کا فتح مند آدمی (یعنی معاویہ رضی اللہ عنہ)

(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 131،جلد 1)

وضاحت:

یہاں ذی قربات نے ان خلفاء کا ذکر کیا ہے جن کی خلافتیں، منتظمہ ہوئی تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت چونکہ غیر منتظمہ ہوئی تھی اس لیے اس نے یہاں اس کا ذکر نہیں کیا ورنہ پہلی کتابوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے، جیسا کہ اگلی ہی روایت میں آ رہا ہے۔ (نیز دیکھو ازالۃ الخفا 128۔129 جلد 1)

(2) ''ابن سعد نے ابو صالح سے روایت کی ہے کہ (ایک مرتبہ) حدی خواں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے متعلق یہ شعر پڑھ رہا تھا (ترجمہ) بے شک خلیفہ بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے علی رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

اور زبیر رضی اللہ عنہ میں بھی پسندیدہ خلافت (علامت) ہے۔ کعبؒ نے کہا (زبیر رضی اللہ عنہ) نہیں بلکہ معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو انھوں نے (کعب سے) کہا کہ اے ابو اسحاق! یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ درآں حالیکہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مثل علی رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ کعب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا (میں جانتا ہوں) تم ہی ہو۔''

(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 131 جلد 1۔ البدایہ صفحہ 127، جلد 8)

(3) ''سطیح (ملک شام کے مشہور کاہن) کا قول ہے کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے کہا کہ ان کے دین کے والی صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے...... پھر ان کا خلیفہ ایک راست باز اور تجربہ کا سردار ہوگا...... پھر ان کا خلیفہ ایک پرہیزگار اپنے کام میں تجربہ کار ہوگا...... پھر اس کا خلیفہ اس کا مددگار ہوگا اور تدبیر کے ساتھ اپنی رائے کو ملحوظ رکھے گا، روئے زمین پر لشکروں کو جمع کرے گا۔ (مددگار سے یہاں مراد معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیانؓ ہیں۔) (ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 132 جلد 1)

پہلی آسمانی کتابوں اور ان کے عالموں کی ان روایات سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کے بعد آسمانی کتابوں میں لکھے ہوئے اپنے حتمی و قطعی وعدے کے مطابق امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کے پہلے طبقے میں سے جن اپنے نیک اور صالح بندوں کو زمین کی وراثت اور خلافت دی، ان میں حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا مصداق جس طرح حضرات خلفاء

اربعہ رضی اللہ عنہم بالکل اسی طرح ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ بلکہ اگر قرب عند اللہ کے مراتب و درجات سے قطع نظر کر کے صرف رقبہ وراثت اور مدت خلافت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے پیشرو تمام خلفاء سے کہیں بڑھ کر اس کا مصداق ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ مدت خلافت تو ان کی انیس سال سے بھی کچھ اوپر ہے جب کہ حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کی خلافت کی بھی نہیں۔ اسی طرح ان کا رقبہ وراثت بھی سب سے حتیٰ کہ دنیا کے مشہور فاتح اعظم سکندر مقدونی کے زیر نگیں رقبہ سے بھی زیادہ ہے، وہ اس طرح کہ عہد صدیقی میں اسلامی دنیا کا رقبہ گیارہ لاکھ مربع میل، عہد فاروقی میں بائیس لاکھ مربع میل، عہد عثانی و مرتضوی میں چوالیس لاکھ مربع میل اور سکندر اعظم کی فتوحات کا رقبہ چونسٹھ لاکھ مربع میل تھا جب کہ عہد معاویہ رضی اللہ عنہ میں اسلامی دنیا کا رقبہ چھیاسٹھ لاکھ مربع میل تک پہنچ چکا تھا۔

یاد رہے کہ آباد معلوم دنیا کا کل رقبہ ایک سو بیس لاکھ مربع میل ہے، اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، آدھی دنیا سے بھی زیادہ پر بنتی ہے۔ لہٰذا بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس زیر بحث آیت کے جتنے مصداق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ثابت ہوتے اور بنتے ہیں اس کا اتنا مصداق، آج تک کی ساری اسلامی تاریخ میں کوئی اور خلیفہ نہیں بن سکا۔ اسی لیے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا اور بالکل بجا فرمایا تھا کہ

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، سرداری کے لائق، معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔"

اس پر حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا نام لے کر ان سے پوچھا گیا کہ ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

"كانوا والله خيرا من معاوية وكان معاوية اسود منهم" (اللہ کی قسم اور بے مرتبے میں تو یہ حضرات ہی معاویہ سے بہتر تھے لیکن سرداری و حکمرانی میں معاویہ ان سے بڑھ کر تھے۔)

(الاستیعاب علی الاصابہ صفحہ 397 جلد 3)

واضح رہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ سرداری و حکمرانی، خلیفۂ راشد اور خلافت راشدہ والی ہی تھی ورنہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کا تقابل حضرات خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کی

سرداری وحکمرانی سے نہ کرتے۔

اسی طرح حضرت کعب احبار ﷫ (جو پہلے یہود کے بہت بڑے عالم تھے) نے فرمایا تھا کہ

"لن يملك من هذه الامة ماملك معاوية." (اس امت میں کوئی حکمران ایسی حکمرانی نہ کرے گا جیسی معاویہ ﷜ نے کی)

(سیرۃ حضرت معاویہ از مولانا نافع صفحہ 626 ج 1)

تو انہوں نے بھی کوئی مبالغہ نہ کیا تھا بلکہ ایک امرِ واقعہ ہی بیان کیا تھا۔

الغرض قرآن کریم کی اس زیر بحث آیت میں جن عباد اللہ الصالحون سے خلافت اور زمینی وراثت کا حتمی وقطعی وعدہ کیا گیا ہے اس کے مصداق جیسے حضرات خلفاء اربعہ ﷡ ہیں ویسے ہی ان کے بعد اپنے مرتبے میں اس کا مصداق، حضرت معاویہ ﷜ بھی ہیں۔ لہٰذا جیسے حضرات خلفاء اربعہ ﷡ راشدین خلفاء اور ان کی حکومتیں، راشدہ خلافتیں ہیں ایسے ہی ان کے بعد حضرت معاویہ ﷜ بھی خلیفہ راشد اور ان کی حکومت بھی خلافتِ راشدہ ہی ہے۔ باقی رہا فرق مراتب؟ تو وہ تو خود حضرات خلفاء اربعہ ﷡ میں بھی ہے بلکہ اس سے بھی آگے انبیاء اور رسولوں تک میں ہے۔ لیکن اس سے نفسِ خلافت اور نبوت ورسالت پر کوئی اثر نہیں پڑا کہ کم درجے والے کی اصل خلافت یا نبوت و رسالت ہی ختم ہوگئی ہو۔ خوب سمجھ لو۔

لہٰذا جیسے حضرات خلفاء اربعہ ﷡ کو آیت استخلاف کے حوالہ سے قرآن کے موعود، خلفاءِ راشدین اور ان کی حکومتوں کو قرآن کی موعودہ، راشدہ خلافتیں کہا جاتا ہے بالکل ویسے ہی یہاں، زیر بحث اس آیت کے حوالہ سے حضرت معاویہ ﷜ کو بھی قرآن کا مکتوب ومزبور خلیفہٗ راشد اور ان کی حکومت کو قرآن کی مکتوبہ ومزبورہ خلافتِ راشدہ کہا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ ہم نے اختصار کی وجہ سے بطور نمونہ صرف ایک آیت کے حوالہ پر ہی اکتفا کیا ہے ورنہ خلفاءِ راشدین کی حقیقتِ خلافت پر شاہ صاحب دہلوی ﷫ نے جن آیتوں سے استدلال کیا ہے، حضرت معاویہ ﷜ ان میں سے بعض اور آیتوں کا بھی مصداق بنتے ہیں۔

بحوالۂ حدیث:

حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاویہ ﷜

کو (خلافت کی بشارت دیتے ہوئے) فرمایا: "کَیْفَ بِکَ لَوْ قَدْ قَمَّصَکَ اللّٰہُ قَمِیْصاً یعنی الخلافۃ"

(تیرا کیا حال ہوگا اگر اللہ تعالیٰ تجھے پہنا دے۔ آپ ﷺ اس سے خلافت مراد لے رہے تھے۔) اس پر حضرت معاویہ ؓ کی بہن ام المومنین حضرت ام حبیبہ ؓ نے کہا:

"یا رسول اللّٰہ وان اللّٰہ مقمص اخي قمیصا"

(یارسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ میرے بھائی کو (یہ) قمیص پہنانے والا ہے؟) اس کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"نعم ولکن فیه هنات و هنات و هنات"

(ہاں! لیکن اس میں فسادات اور فسادات اور فسادات ہوں گے)

(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 514 تا 516، جلد 4)

ایک روایت میں اس کے آگے یہ بھی ہے کہ یہ سن کر حضرت ام حبیبہ ؓ نے بارگاہ نبوی میں عرض کی کہ یارسول اللہ! پھر اس کے لیے دعا فرمادیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔

" اللهم اهده بالهدی وجنبه الردی واغفر له فی الآخرة والاولی "

(اے اللہ! معاویہ کو ہدایت (کے راستے) پر چلا۔ اور اس کو (ان فسادات کے) مضر اثرات سے بچا اور دنیا و آخرت میں اس کی مغفرت فرما۔)

(البدایہ صفحہ 120، جلد 8)

واضح رہے کہ فسادات سے آنحضرت ﷺ کی مراد حالات کے وہ فسادات تھے جو سبائی مفسدوں اور بلوائیوں نے بپا کیے تھے۔ مثلاً شہادت حضرت عثمان ؓ، حضرت علی ؓ، جنگِ جمل و صفین، نظام خلافت کا درہم برہم ہونا، جہاد کا موقوف ہو جانا، مسلمانوں کی تلواروں کا کافروں کے مقابلہ کی بجائے آپس میں چلنے لگ جانا وغیرہ وغیرہ۔

اور خلافت کی بشارت کے ساتھ، حالات کے ان فسادات کا ذکر کرنے سے مقصد، حضرت معاویہ ؓ کی قابلیتِ سیادت اور صلاحیتِ قیادت کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ حالات تو گو اس وقت بے حد پر آشوب و پر پیچ ہوں گے، ہر طرف فسادات ہی فسادات نہ صرف پھیلتے بلکہ

پھوٹتے پڑتے ہوں گے مگر معاویہ رضی اللہ عنہ، سرداری و حکمرانی کی خداداد اور خاندانی قابلیت وصلاحیت کی بدولت ان پر ایسا قابو پالے گا کہ دنیاء سبائیت (جو ان فسادات کی ذمہ دار ہوگی) اپنا سر پیٹ رہ جائی گی۔ اور پھر وقت آنے پر ایسا ہی ہوا۔

اور ایک روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا بھی منقول ہے۔

" اللّٰھم اجعله هاديا مهديا واهد به "

(ترمذی صفحہ 247، جلد 2 باب مناقب معاویہ)

بعض روایات میں " واهده " کے اضافے کے ساتھ پوری دعا یوں منقول ہے۔

"اللّٰھم اجعله هاديا مهديا واهده واهد به "

(البدایہ صفحہ 121 جلد 8)

اب معنٰی ومطلب یہ ہوگا:

"اے اللہ! معاویہ کو ہدایت کرنے والا، ہدایت یافتہ بنا، اور اس کو ہدایت (ثابت قدمی) عطا فرما۔ اور اس کے ذریعہ سے دوسروں کی (بھی) ہدایت نصیب فرما۔"

اس پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا اس لیے فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ کسی نہ کسی وقت میں خلیفہ ہوں گے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر بہت ہی شفیق تھے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال محبت نے اقتضا فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے خلیفہ کے لیے ہدایت کرنے اور ہدایت پانے کی دعا فرمائیں۔

(ازالۃ الخفاء مترجم صفحہ 572۔573 جلد 1)

اور یہ تو واضح ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعائیں ان کو خلافت کا اور ان دعاؤں کا اہل اور مستحق سمجھ کر ہی فرمائی ہیں۔ نااہل اور غیر مستحق سمجھ کر نہیں فرمائیں۔

پھر شاہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صحابی سے متعلق جو کچھ فرمایا

ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ،غیب کے ترجمان تھے۔ (ازالۃ الخفا صفحہ 608،380 جلد 2)

پھر حافظ ملا علی قاری رحمہ اللہ اور علامہ ابن حجر مکی الہیثمی رحمہ اللہ نے بالتصریح لکھا ہے

آنحضرت ﷺ کی دیگر دعاؤں کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ دعا بھی مقبول ہوئیں۔

(ملاحظہ ہو مرقات شرح مشکوٰۃ باب جامع المناقب تحت ہذا الدعاء۔ وتطہیر الجنان صفحہ 11، 12)

پھر آگے چل کر اپنے موقع پر وقت اور زمانے نے بھی حافظ ملا علی قاریؒ اور علامہ ہیثمی مکیؒ کی باتوں کی خوب خوب تصدیق کر دی۔ دنیا نے سر کی آنکھوں سے آنحضرت ﷺ کی ان دعاؤں کی مقبولیت دیکھی۔

جب آنحضرت ﷺ نے غیب کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو متعدد بار مختلف انداز سے خلافت کی بشارت سنائی اور ان کا آخر کار خلیفہ ہونا بیان فرمایا، پھر ان کو ہادی ومہدی اور دوسروں کے لیے ذریعہ ہدایت ہونے نیز ہدایت پر ثابت قدم رہنے جیسی دعائیں دیں تو ناممکن تھا کہ خارج میں غیب کی اس نبوی ترجمانی کے مطابق ان باتوں کا وقوع وظہور نہ ہوتا، لہٰذا وہ اس کے عین مطابق خلیفہ بھی ہوئے اور ہادی ومہدی بھی، دوسروں کے لیے ذریعۂ ہدایت بھی بنے اور تادم واپسیں ان کو ہدایت کی پر ثابت قدمی بھی نصیب رہی۔ خلیفۂ ہادی ومہدی ہی دوسرے لفظوں میں خلیفۂ راشد کہلاتا ہے اس لیے حدیث کی رو سے بھی وہ خلیفۂ راشد ہی ہوئے نہ کہ مَلِک وبادشاہ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق اور صحیح بات جاننے اور ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔ آمین۔ واضح رہے کہ یہ اس موضوع کا صرف مثبت پہلو ہے اور وہ بھی انتہائی اختصار کے ساتھ۔ خود اس کی بھی بہت کچھ تفصیل باقی ہے اور اس کا منفی پہلو یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف آیتِ استخلاف اور حدیثِ سفینہ سے استدلال اور اس کے جواب کی بحث تو مکمل طور پر باقی ہے۔ ایک ماہنامہ کا دامن چونکہ اس کا متحمل نہیں تھا اس لیے اس کو یہاں نہیں چھیڑا گیا۔ یہ تمام تفصیلات قارئین ان شاء اللہ، سبائی فتنہ جلد دوم میں ملاحظہ کر سکیں گے۔

(شائع شدہ: ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، بابت ماہ مئی وجون 2010)

کشفِ سبائیت

(قاضی مظہر حسین صاحبؒ کے تبصرہ بعنوان "کتاب سبائی فتنہ پر ایک اجمالی نظر" کا جواب)

میری آرزو تھی کہ میری کتاب "سبائی فتنہ" حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی زندگی میں طبع ہو کر ان کی نظروں سے گزر جائے، سو خدا کا شکر ہے کہ محترم جناب سید محمد کفیل شاہ صاحب بخاری بالقابہ کی کوشش سے اس کی جلد اول طبع ہوئی اور جونہی کتاب میرے پاس پہنچی میں نے سب سے پہلے حضرت قاضی صاحب موصوف کی خدمت میں بذریعۂ ڈاک روانہ کر دی جو ان کو انہی کے بقول 8 رجب 1412ھ کو مل گئی تھی۔

یہ تو ہمیں سو فیصد یقین تھا کہ حضرت قاضی صاحب، خاموش نہ بیٹھیں گے، اپنی تمام مصروفیات اور کمزوریٔ صحت کے باوجود جس طرح بھی بن پڑا اس پر کچھ نہ کچھ ضرور لکھیں گے اور قاضی صاحب کی طبعی و مزاجی خصوصیات کے پیشِ نظر کچھ اندازہ بھی تھا کہ وہ کیا لکھیں گے اور کس انداز سے لکھیں گے، اس لئے ہم اس کے جواب کے لئے ہر طرح سے تیار تھے، لیکن ہمیں یہ خیال نہ تھا کہ قاضی صاحب، کتاب پڑھے بغیر اس پر تبصرہ شروع کر دیں گے، بلکہ ہم اس خوش فہمی میں تھے کہ قاضی صاحب بڑے تحمل، تسلی اور اطمینان کے ساتھ پہلے پوری کتاب پڑھیں گے، اس کو سمجھیں گے، اس پر سنجیدگی سے غور کریں گے پھر اس پر تبصرہ کے لئے قلم ہاتھ میں لیں گے، اصول اہل السنۃ کی روشنی میں ہماری کسی غلطی کی دلائل کے ساتھ نشاندہی کریں گے، خلاف اصول اپنی عبارتوں کا کوئی معقول اور قابلِ قبول جواز پیش کریں گے، اور ظاہر ہے کہ یہ کام کافی وقت کا متقاضی تھا، جس کا قاضی صاحب جیسے معروف آدمی کے لئے اتنی جلدی مہیا ہونا اتنا آسان نہ تھا، اس لئے ہم اس طرف سے اپنے آپ کو قدرے فارغ سمجھ کر سبائی فتنہ کی دوسری جلد کی تیاری میں مصروف ہو گئے، لیکن جب قاضی صاحب کے تبصرے کی پہلی قسط سامنے آئی تو ہمارا خیال غلط ثابت ہوا، یہ جان کر ہماری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی کہ انہوں نے نہ پوری کتاب پڑھی، نہ سمجھی اور نہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا بلکہ اپنی ہی تصریح کے مطابق جستہ جستہ فہرستِ کتاب اور بعض

صفحات پر نظر ڈالی پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ اور تبصرہ کے لئے ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو گئے تا کہ ان کے معتقدین حوصلہ نہ ہار بیٹھیں، دل نہ چھوڑ بیٹھیں، حضرت قاضی صاحب سے ٹوٹ نہ جائیں، ان میں بے چینی و بے دلی راہ نہ پائے۔

اصولی طور پر تو ان کے اس تبصرے کا نوٹس ہمیں اس کے مکمل ہونے کے بعد ہی لینا چاہئے تھا اور ہمارا ارادہ بھی یہی تھا، لیکن حضرت قاضی صاحب کے اجمالی تبصرے کی قسطِ اول دیکھ کر اندازہ ہوا کہ وہ اصولی اور ضابطے کی بحث نہ کریں گے، حقائق اور دلائل کا سامنا کرنے کے بجائے اپنے معتقدین کو حوصلہ دینے اور اپنے ساتھ جوڑے رکھنے کے لئے ان کو غیر متعلقہ بھول بھلیوں میں ہی گھماتے، پھراتے رہیں گے، نہ کوئی ڈھنگ کی بات کریں گے، نہ بات کسی نتیجہ پر پہنچا کے ختم ہی کریں گے کہ پھر ہمیں اس پر اپنی معروضات پیش کرنے کا موقع مل سکے، اس لئے کافی سوچ بچار کے بعد یہی طے پایا کہ سبائی فتنہ کی جلد دوم کی تیاری کے ساتھ ساتھ مظہری تبصرہ کا نوٹس بھی ساتھ ہی لیا جائے تا کہ قارئین کرام صرف ہماری کتاب کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ مظہری تبصرہ کی حقیقت سے بھی ساتھ ہی ساتھ واقف ہوتے رہیں: (حضرت قاضی صاحب کے تبصرے کی پہلی قسط ان کے ماہنامہ ''حق چار یار'' بابت ماہ رجب/شعبان 1412ھ مطابق جنوری/فروری 1992ء میں چھپی ہے، ہماری اس قسط میں حوالے اسی شمارے کے ہوں گے)۔

کیا میں نے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا ہے؟

سب سے پہلی تعریض قاضی صاحب نے مجھ پر یہ کی ہے کہ میں نے کتاب پر اپنا نام ظاہر نہ کر کے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا ہے (حق چار یار، رجب/شعبان 1412ھ، ص29)۔

الف:...... اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اگر میں نے کتاب پر اپنا نام ظاہر نہ کر کے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا تھا تو قاضی صاحب کو میرا وہ نام اور پتہ کہاں سے معلوم ہوا جس پر انہوں نے مجھے وصولیٔ کتاب کی رسید بھیجی تھی؟، ان کو یہ پتہ لگانا کیونکر آسان ہوا کہ میں جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کا سند یافتہ ہوں؟، وہ یہ معلوم کرنے میں کیسے کامیاب ہوئے کہ میں

فی الحال جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں تدریس کی خدمت انجام دے رہا ہوں؟، انہوں نے یہ کیسے پہچان لیا کہ میں ہی وہ ہوں جس نے ان کو آج سے چوبیس سال پہلے سنہ 1388ھ میں کمالیہ سے ایک خط لکھا تھا جو ابھی تک ان کے پاس محفوظ ہے؟، انہوں نے یہ کیسے جان لیا کہ جہلم میں ان سے ملاقات کرنے والا میں ہی تھا؟، جی ہاں! اگر میں نے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا تو ان کو یہ مان لینا کیونکر ممکن ہوا کہ خصائص کی خصوصیت سے متعلق آج سے چھ سال قبل سنہ 1406ھ میں اسلام آباد سے ان کو خط میں نے ہی لکھا تھا؟، ہاں تو قاضی صاحب ذرا یہ بھی تو فرمائیں کہ اگر میں نے شیعوں کے کتمان و تقیہ پر عمل کیا تھا تو ان کو سبائی فتنہ کتاب، بھیجی کس نے تھی؟۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ کتاب ان کو میں ہی بھیجتا ہوں، میری کتاب ملتے ہی ان کو آج سے نہیں بلکہ آج سے چوبیس سال پہلے سنہ 1388ھ سے مجھے پہچان لینا آسان ہو جاتا ہے، میری ملاقاتیں اور خطوط یاد آجاتے ہیں، میں کہاں کا سند یافتہ اور فی الحال کہاں، کیا کر رہا ہوں، ان کو معلوم کر لینا ممکن ہو جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود ارشاد کیا ہوتا ہے؟ کہ میں نے کتاب پر اپنا نام ظاہر نہ کر کے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا ہے! فیا للعجب۔

ب :...... دوسری گزارش قارئین کی خدمت میں یہ ہے کہ قاضی صاحب کو جب میں نے کتاب بھیجی تھی تو اسی کتاب کے اندر ان کو اپنا وہ خط بھی بھیجا تھا جو انہوں نے اپنے تبصرہ کی اسی قسط اول میں شائع کیا ہے، اس خط میں میرا نام اور مکمل پتہ درج ہے، سوال یہ ہے کہ میں نے کتاب پر اپنا نام ظاہر کیا تھا یا نہیں، لیکن قاضی صاحب کو تو کتاب میرے مکمل نام اور پتہ کے ساتھ ہی ملی تھی، میرے اسی نام اور مکمل پتہ کی بنیاد پر ہی ان کو میرا مکمل تعارف حاصل کرنا اور مجھ سے متعلق مذکورہ معلومات فراہم کرنا آسان اور ممکن ہوا تھا، اس طرح کم از کم قاضی صاحب کے لئے میرا نام مخفی نہ رہا تھا، لہٰذا شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کرنے والی تعریض مجھ پر کوئی اور کرتا تو کرتا، قاضی صاحب کو تو شرعاً، اخلاقاً، دیانۃً اور قانوناً کسی اعتبار سے بھی مجھ پر یہ تعریض کرنے کا حق ہرگز نہ تھا،

بنا بریں قاضی صاحب ہی فرمادیں کہ سبائیت کی تردید کرتے کرتے بقول اُن کے مجھ پر کوئی اثر ہوگیا ہے یا خارجیت وناصبیت کی تردید کرتے کرتے وہ کسی اثر سے متاثر ہوگئے ہیں؟۔

ج :...... تیسری گزارش یہ ہے کہ کیا قاضی صاحب کو میری کتاب پر مؤلف کی حیثیت سے "مولانا ابوریحان سیالکوٹی" جلی حروف میں لکھا ہوا نظر نہیں آیا؟، یہ "ابوریحان" کیا ہے؟ کیا یہ نام نہیں؟ کیا کنیت، نام نہیں کہلاتی، نام کی جگہ استعمال نہیں ہوتی؟ نام والا کام نہیں کرتی؟ عربی، فارسی اور اردو کی جتنی بھی لغتیں ہمارے پاس موجود ہیں یعنی المنجد، مصباح اللغات، غیاث اللغات، فیروز اللغات، نسیم اللغات اور جدید لغات اردو سب میں کنیت کو نام ہی کہا گیا ہے یعنی وہ نام جو باپ، ماں، بیٹا، بیٹی وغیرہ کے تعلق سے بولا جائے،اور جدید لغات اردو میں تو اس کا ایک معنیٰ "خاندانی نام" کیا گیا ہے، نیز حضرت قاضی صاحب نے ہدایۃ النحو پڑھتے وقت "عطف بیان" کی تعریف میں "وھو اشھر اسمي شيء "اور پھراس کی مثال "قام ابو حفص عمر وقام عبدالله بن عمر "پڑھا ہوگا،ان دونوں مثالوں میں "ابو حفص "اور"ابن عمر "، کنیتیں ہیں لیکن کہا ان کو بھی عمر اور عبداللہ کی طرح اسم (نام) ہی گیا ہے،اور پھر "ابوریحان" میری محض فرضی کنیت نہیں ہے بلکہ حقیقی اور واقعی کنیت ہے، میرے ایک بچے کا نام "ریحان اللہ" ہے جس کا رجسٹریشن نمبر 300-77-364735 ہے، جب کنیت بھی نام ہی کی ایک قسم ہے، اور یہ نام میرا فرضی بھی نہیں بلکہ حقیقی وواقعی ہے اور کتاب پر جلی حروف میں لکھا ہوا بھی ہے تو پھر ہم نہیں سمجھ سکے کہ حضرت قاضی صاحب جیسے قائدِ اہل السنّت اس کو نام ظاہر نہ کر کے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کرنا کس طرح فرمارہے ہیں، یہ کہنا تو بہت مشکل ہے کہ قاضی صاحب، کنیت کی مذکورہ حقیقت سے ناواقف ہوں گے، لہٰذا یہی کہا جاسکتا ہے کہ وہ میری کتاب "سبائی فتنہ" کے صاف وشفاف آئینے میں اپنی کتاب "خارجی فتنہ" کا اصل چہرہ دیکھ کر ایسے متحیر ہوگئے کہ حقائق پر سنجیدگی سے غور ہی نہ کر سکے۔

اور شہرت وعدم شہرت میں میرے خاندانی اور غیر خاندانی دونوں نام برابر ہیں، جو کوئی

مجھے جتنا میرے غیر خاندانی نام (عبدالغفور) سے جانتا ہے وہ اتنا ہی مجھے میرے خاندانی نام (ابوریحان) سے بھی جانتا ہے، اور جو مجھے میرے خاندانی نام (کنیت) سے نہیں جانتا وہ مجھے میرے غیر خاندانی نام سے بھی نہیں جانتا، لہٰذا میرے نام "ابوریحان" کو تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ میں نے کتاب پر اپنا مشہور نام ظاہر نہیں کیا چہ جائیکہ یہ کہا جائے کہ میں نے کتاب پر سرے سے نام ہی ظاہر نہیں کیا، اور یہ کہ اس طرح میں نے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا ہے؟۔

د :...... چوتھی گزارش یہ ہے کہ کسی مصنف ومؤلف کا اپنی کسی کتاب پر کوئی مخصوص نام لکھنا اگر ایسا ہی ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی مصنف ومؤلف، شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کرنے کے الزام سے نہیں بچ سکتا تو حضرت قاضی صاحب ہمارا یہ عقدہ حل فرماویں کہ تحفۂ اثناعشریہ، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی تصنیف ہے، جن کا اپنا مشہور نام شاہ عبدالعزیز، ان کے والد کا مشہور نام شاہ ولی اللہ اور دادا کا مشہور نام شاہ عبدالرحیم (رحمہم اللہ) ہے، لیکن کتاب میں شاہ صاحبؒ نے اپنا یہ نام ظاہر نہیں کیا بلکہ اپنا نام "حافظ غلام حلیم" والد کا نام "شیخ قطب الدین احمد" اور دادا کا نام "شیخ ابو الفیض" لکھا ہے (تحفۂ اثناعشریہ مترجم اردو، ص2) پھر صفحہ 368 پر اپنے والد کو چھپانا اور ان سے اپنا ملنا اور مستفید ہونا ایسے ظاہر کیا ہے جیسے کہ یہ دونوں آپس میں باپ، بیٹا نہ ہوں بلکہ ایک دوسرے کے غیر ہوں، حتیٰ کہ ہمارے دور کے بعض چوٹی کے علماء کو اسی وجہ سے "تحفہ" کے شاہ عبدالعزیزؒ کی تصنیف ہونے میں ہی شبہ ہوگیا اور انہوں نے اس کو شاہ صاحب کے بجائے کسی افغانی کابلی عالم کی تصنیف لکھ دیا، بعد میں متنبہ ہوا کہ نہیں، یہ کسی کابلی مُلا کی نہیں بلکہ خود شاہ صاحب مرحوم کی ہی تصنیف ہے، تو حضرت قاضی صاحب فرماویں کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ پر بھی رافضیت وشیعیت کی تردید کرتے کرتے کوئی اثر ہوگیا تھا کہ انہوں نے کتاب میں اپنا مشہور نام ظاہر نہ کیا، بلکہ بالقصد صرف اپنا ہی نہیں بلکہ اپنے والد اور دادا تک کے نام کو چھپایا، حضرت قاضی صاحب فرماویں کہ شاہ صاحبؒ نے بھی اپنا مشہور نام ظاہر نہ کر کے شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کیا تھا؟۔

ہ :...... پانچویں گزارش یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب کو کتاب پر اگر میرا نام نظر نہیں آیا تھا تو

ناشر سید محمد کفیل بخاری کا نام اور مکمل پتہ تو قاضی صاحب نے دیکھا ہی تھا، جب کسی کتاب کا ناشر اور اس کا مکمل پتہ معلوم ہو تو کتاب کے مؤلف و مصنف کو مجہول نہیں سمجھا جایا کرتا، ناشر کی طرف رجوع کرنے پر بھی اگر وہ کسی مصنف و مؤلف کا نام، پتہ نہ بتائے تو اسی کو اس کا ذمہ دار، کرتا دھرتا، اور مؤلف و مصنف، غرضیکہ سب کچھ باور کیا جایا کرتا ہے، کیا حضرت قاضی صاحب نے کتاب پر مؤلف کا نام نظر نہ آنے پر ناشر سے رابطہ کیا تھا کہ ان کو وہاں سے بھی مؤلف کا نام اور پتہ معلوم نہ ہو سکا تھا؟، اگر رابطہ کیا تھا اور وہاں سے اصل مؤلف کا نام معلوم بھی ہو گیا تھا تو پھر قاضی صاحب ہی فرمادیں کہ اب شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کرنے کی تعریض کو اپنی نوک قلم پر لانے کا ان کے پاس آخر کیا جواز رہا تھا؟، اور اگر ناشر سے رابطہ پر بھی اصل مؤلف کا نام معلوم نہ ہوا تھا تو اس کا ناشر سید محمد کفیل بخاری ہی اس کا اصل ذمہ دار تھا، قاضی صاحب چاہتے تو اسی کو کتاب کا اصل مؤلف فرض کر کے کتاب کو ہی اسی کی طرف منسوب تو کر سکتے تھے لیکن مجھ پر شیعوں کے کتمان اور تقیہ پر عمل کرنے کی پھبتی اڑانے کا حق تو ان کو پھر بھی نہیں پہنچتا تھا، کیا قاضی صاحب سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے کے لئے اختلاف کرنے والے کا پہلے ان کے پاس اپنا نام اور پتہ رجسٹرڈ کروانا ضروری ہے؟۔

و :...... چھٹی گزارش یہ ہے کہ اصل بات یہ نہیں کہ میں نے کتاب پر اپنا نام لکھا تھا یا نہیں بلکہ اصل بات ایک تو یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے معتقدین کو خوش کرنے اور تسلی دینے کے لئے کوئی نہ کوئی نکتہ تو اٹھانا اور کوئی نہ کوئی شوشہ تو چھوڑنا ہی تھا، کوئی معقول نکتہ ہاتھ نہ لگا تو انہوں نے سوچا کہ معقول نہیں تو غیر معقول ہی سہی، تیر نہیں تو تکا ہی سہی، ڈھنگ کا نہیں تو بے ڈھنگا ہی سہی کوئی اڑنگا تو لگا ہی ڈالو، اور کچھ نہیں تو اپنے معتقدین تو خوش ہو ہی جائیں گے، ان کی ڈھارس تو بندھ ہی جائے گی، اس لئے قاضی صاحب نے اس سے قطع نظر کہ اعتراض معقول ہے یا غیر معقول، اعتراض برائے اعتراض کر ڈالا اور خود بھی خوش ہو گئے کہ انہوں نے معرکہ مار لیا۔

کتاب پر میرا نام قاضی صاحبؒ کے معیار کے مطابق بھی لکھا ہوتا تو انہوں نے اپنی

مزاجی خصوصیت کے بموجب تب بھی اعتراض کرتا ہی کرتا تھا، یہ نہ سہی تو اور سہی، دیکھئے ان کے ایک حریف مولوی مہر حسین شاہ نے قاضی صاحب کے نام اپنی کھلی چٹھی میں اپنا نام، قاضی صاحب کے معیار کے مطابق لکھا تھا، اس پر انہوں نے یہ اعتراض کر دیا کہ "اس پر کتابچہ میں تاریخ تصنیف اور پریس کا نام مجھے نہیں مل سکا، ایسا کیوں؟ واللہ اعلم" (دفاع حضرت معاویہؓ ص 1) فرمایئے قاضی صاحب سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرنے والا کوئی شخص ان کے اعتراض سے کہاں تک بچ سکتا ہے؟ اور آج تک بچا بھی کون ہے جو ہم بچ نکلتے؟۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ کتاب پر میرا نام تو تھا اور قاضی صاحب نے میرا وہ نام پڑھا بھی تھا البتہ حضرت قاضی صاحب کے نام نامی، اسم گرامی کی طرح اس کے ساتھ القاب و آداب کے سابقے اور لاحقے نہ تھے، کیونکہ نہ یہ میرا مزاج تھا اور نہ مجھے یہ تکلفات پسند ہی تھے، اس لئے کتاب پر نام تو لکھا گیا مگر بالکل سادہ اور مختصر، لیکن حضرت قاضی صاحب کی اس مین میخ نکالنے سے اندازہ ہوا کہ وہ تواضع اور سادگی کو پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے سے اختلاف کرنے والوں کو "التکبر مع المتکبرین عبادة" (1) والی عبادت کرتے دیکھنا ہی پسند کرتے ہیں، اس لئے اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ سبائی فتنہ کا دوسرا حصہ اور کشف سبائیت اگر شائع ہوئیں تو میں قاضی صاحب کی اس مزاجی خصوصیت کا احترام کرتے ہوئے ناشر کو خصوصی ہدایت کروں گا کہ وہ میرے نام کے ساتھ سابقے، لاحقے ضرور لگائیں، تا کہ قاضی صاحب کا یہ شکوہ دور ہو سکے۔

میں نے اپنی کتاب کا نام "سبائی فتنہ" کس بناء پر رکھا ہے؟

کتاب پر میرے نام کی بحث کے بعد قاضی صاحب نے خود میری کتاب کے نام کی بحث بھی چھیڑی ہے، چنانچہ اس سلسلے میں میرے خط کے حوالے سے مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ:

"آپ کو اگر مجھ سے صرف علمی طور پر اختلاف ہے نہ کہ مخالفت تو آپ نے میری

(1) بیان القرآن از مفسر تھانوی جلد پہلی تحت مسائل السلوک، ص 811، مطبوعہ تاج کمپنی۔ منہ

کتاب خارجی فتنہ حصہ اول کے جواب میں اپنی کتاب کا نام ''سبائی فتنہ'' کس بنا پر رکھا ہے''۔(ص 31)۔

الف:..... جواباً پہلی گزارش تو یہ ہے کہ آپ کو بھی تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادی موقف سے علمی طور پر اختلاف ہے نہ کہ مخالفت، آپ نے بھی تو ان کو ایک جلیل القدر صحابی مجتہد اور قطعی جنتی لکھا ہے، ان کی شرعی عظمت کے تحفظ کا دم بھرا ہے، یہی سوال میں آپ پر پلٹتا ہوں کہ آپ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہی کچھ کہتے، جانتے اور مانتے ہیں تو پھر آپ نے بھی ان کو باغی، خاطی، جائر اور قصوروار کس بنا پر لکھا ہے؟۔ نیز ان کی طرف نافرمانی، گناہ، باطل اور اللہ کے حکم کی مخالفت وغیرہ کی نسبت کس بنا پر کی ہے؟فما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

ب:...... دوسری گزارش یہ ہے کہ میں نے اپنی کتاب کا نام ''سبائی فتنہ'' اس بنا پر رکھا ہے کہ اس میں آپ کی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' کی جن عبارتوں پر بحث کی گئی ہے وہ اپنی ظاہری ساخت پرداخت کے اعتبار سے سبائیانہ ہیں، فتنہ سبائیت کو ہوا دینے والی اور اس کو تقویت پہنچانے والی ہیں (1)، اپنے عام پڑھنے والوں کو سبائیت کی راہ پر ڈالنے والی ہیں اور ان کے دلوں میں اصحاب جمل وصفین، بالخصوص حضرات حکمین، علی الاخص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے مولانا لعل شاہ صاحب مرحوم کی کتاب کی طرح وہ حسنِ ظن باقی نہیں رہنے دیتیں جو آپ کے ہی بقول اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا چاہئے (2)، جس کی وجہ سے آپ کی کتاب کا وہ حصہ تردیدِ خارجیت وناصبیت سے زیادہ ترجمانِ سبائیت ہوکر رہ گیا ہے، اس کا لب ولہجہ ہے تو سبائیانہ، انداز بیان ہے تو سبائیانہ، طرز استدلال ہے تو سبائیانہ، اور گو میں آپ کو ابھی تک سبائی نہیں کہتا، سمجھتا (اگر چہ لگتا یوں ہی ہے کہ آپ لے جانے مجھے اسی طرف لگے ہیں) لیکن خارجی فتنہ کے اس حصہ میں خارجیت وناصبیت کی تردید کے دوران آپ سبائی فتنہ سے اثر پذیر خوب خوب ہوئے ہیں کہ اس

(1) جس کا ایک ثبوت آپ کی کتاب '' دفاع حضرت معاویہؓ '' کی وجہ تالیف ہے۔منہ

(2) خارجی فتنہ، ص 425/ ج 1۔منہ

کے لئے سُنی اسلوب بیان اور طرز استدلال کو کام میں لانے کے بجائے خالص سبائی انداز بیان اور طرز استدلال کو کمال بے تکلفی سے کام میں لائے ہیں، اور پھر ستم یہ کہ اسی سبائی لب ولہجہ، پیرایۂ بیان اور طرز استدلال کو سُنی مسلکِ اعتدال اور مسلکِ حق کی عین ترجمانی کا نام آپ نے دے دیا ہے۔

میں اگر آپ کو ابھی تک سبائی نہیں کہتا، مانتا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ خارجی فتنہ۔ سبائیات پر مشتمل نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں آپ کے عقائد ونظریات اور خارجی فتنہ سے باہر کی آپ کی دیگر تحریرات سے واقف ہوں، ورنہ آپ کی کتاب خارجی فتنہ تو آپ کا تعارف سبائی کے سوا کسی اور حیثیت سے نہیں کرواتی، یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ سے متعلق امت کے فرق باطلہ وحقہ سے واقف مگر آپ کی ذات سے ناواقف کوئی شخص اگر آپ کی یہ کتاب پڑھے تو امید نہیں کہ وہ آپ کو ایک عام صحیح العقیدہ سُنی بھی باور کر سکے چہ جائیکہ ایک امام اہل السنۃ؟۔

میں نے اپنی کتاب میں آپ کی کتاب سے نکلنے والے شارع سبائی فتنہ کے نشیب وفراز اور اس کے علامات ونشانات سے قارئینِ خارجی فتنہ کو چونکہ آگاہ کیا ہے تاکہ وہ خارجیت وناصبیت کے بھنور سے بچ نکلنے کے بعد سبائیت کے دلدل میں کہیں نہ پھنس جائیں، اس بنا پر میں نے اپنی کتاب کا نام "سبائی فتنہ" رکھا ہے، یعنی قارئینِ خارجی فتنہ کو خارجی فتنہ سے ہی نکلنے والے شارع سبائی فتنہ پر چلنے سے بچانے والی کتاب، گویا یہ، خارجی فتنہ سے نکلنے والے شارع سبائی فتنہ کا سائن بورڈ ہے تاکہ قارئینِ خارجی فتنہ بورڈ دیکھ کر آگاہ ہو جائیں اور ایک خطرناک راستہ سے بچ نکلنے کے بعد کہیں دوسرے خطرناک راستہ پر نہ چل نکلیں۔

ج :...... اور اگر آپ اپنے اس سوال کا جواب اپنی زبان میں ہی سننا پسند فرماویں تو پھر تیسری گزارش یہ ہے کہ میں نے اپنی کتاب کا یہ نام محض "صورۃً" رکھا ہے نہ حقیقتاً، جیسے کہ آپ حضرت معاویہ ؓ کو جائر، باغی، اللہ کے حکم کی مخالفت کا مرتکب وغیرہ وغیرہ صرف "صورۃً" کہتے ہیں نہ کہ حقیقتاً، مطلب یہ کہ آپ کی کتاب "خارجی فتنہ" کی جن عبارتوں پر "سبائی فتنہ" میں بحث کی گئی

ہے ان میں خارجیت وناصبیت کی تردید کے لئے آپ نے جولب ولہجہ اور انداز بیان اختیار کیا ہے اس کے پیش نظر کہا تو آپ کو سبائی ہی جائے گا لیکن چونکہ آپ امام اہل السنۃ مانے جاتے ہیں اس لئے آپ کو صرف صورۃً ہی سبائی کہا جائے گا نہ کہ حقیقتاً، اور آپ کی یہی صوری سبائیت ہی چونکہ میری کتاب کا موضوع ہے اس لئے میں نے اس کا نام ''سبائی فتنہ'' رکھا ہے جو نہایت ہی مناسب اور اسم با مسمیٰ ہے۔

قاضی صاحب کو میری کتاب کے اس نام پر اچنبھا کیوں؟

دراصل قاضی صاحب کو میری کتاب کے اس نام سے اچنبھا اس لئے ہورہا ہے کہ وہ، صحابہ کرامؓ سے متعلق سبائی فتنہ کے تین شعبوں یعنی رافضیت، خارجیت اور ناصبیت کو تو خلاف مسلکِ اہل السنۃ سمجھتے ہیں لیکن اسی کے چوتھے شعبے یعنی صرف محاربینِ علی، بالخصوص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) کے مشاجراتی اجتہادی موقف پر بلا تکلف رائے زنی اور نقد وتبصرہ کو وہ خلاف مسلکِ اہل السنۃ نہیں بلکہ عین مسلکِ اہل السنۃ بنائے بیٹھے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان حضرات کے حق میں سخت سے سخت الفاظ استعمال کرنے اور نامناسب سے نامناسب تعبیرات تک اختیار کرنے میں کسی قسم کا کوئی تکلف محسوس نہیں کیا، حالانکہ یہ بھی سبائیت کا ہی ایک شعبہ ہے، اور جب ہماری طرف سے سبائیت کے اس شعبے کو بھی اس کے اصل نام یعنی ''سبائی فتنہ'' سے یاد کیا گیا تو حضرت قاضی صاحب چونکہ اس کو عین مسلکِ اہل السنۃ ہی بنائے بیٹھے تھے اس لئے ان کو تعجب ہوا کہ سُنّی مسلک کو سبائی فتنہ کیسے کہہ دیا گیا، حالانکہ ہمارے نزدیک جس طرح رافضیت اور خارجیت وناصبیت، سبائی فتنے کی شاخیں اور شعبے ہیں جن کی تردید کرنا اور دنیا کو ان فتنوں سے آگاہ کرنا ضروری ہے، اور اہل حق ہمیشہ سے یہ فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، بالکل اسی طرح صرف محاربینِ حضرت علی بالخصوص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) کے مشاجراتی اجتہادی موقف پر یوں بلا تکلف نقد وتبصرہ بھی اسی سبائی فتنے کی ہی ایک شاخ اور اسی کا ایک شعبہ ہے، اس کی تردید کرنا اور اس سے دنیا کو آگاہ کرنا ازبس ضروری ہے، بلکہ اس لحاظ سے اس کی ضرورت اور بھی زیادہ ہے کہ

سبائیوں کی دسیسہ کاری نے بدقسمتی اور سُنّیوں کی غفلت کی وجہ سے اس کو مسلک اہل السنۃ کا ایک جز بنادیا اور اس کو سُنّی مسلک کی حیثیت سے سُنّیوں کے صرف سفینوں میں ہی نہیں بلکہ سینوں تک میں داخل کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف عوام ہی نہیں بلکہ خواص اہل السنۃ بھی دیگر صحابہ بالخصوص حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں جتنے حساس اور محتاط نظر آتے ہیں، محاربین حضرت علی بالخصوص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے حق میں اتنے ہی فیاض اور غیر محتاط نظر آتے ہیں، ان حضرات کو اگر کوئی باغی کہے تو وہ مسلکِ اہل السنۃ ہے، طاغی کہے تو مسلکِ اہل السنۃ ہے، علی الباطل کہے تو مسلکِ اہل السنۃ ہے، لم یکن علی الرشد کہے تو مسلکِ اہل السنۃ ہے، کیونکہ ان سب آداب والقابات سے مراد خطاءِ اجتہادی ہے، لیکن اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف خطاءِ اجتہادی بمعنی ترک اولیٰ کی بھی نسبت کر دے تو وہ مسلکِ اہل السنۃ نہیں ہے بلکہ خارجیت و ناصبیت کی علامت ہے، کیونکہ یہاں مسلکِ اہل السنۃ یہ ہے کہ ان سے مشاجراتی اجتہاد میں نہ اجتہادی خطاء ہوئی ہے اور نہ ہو ہی سکتی تھی۔

حضرت قاضی صاحب کو ہی دیکھ لیجئے! حضرت معاویہؓ کے بارے میں زبان، سبائیوں کی بولتے ہیں، ان کو سبائیوں کے ترازو میں تولتے ہیں، ان کے مخطئی اجتہادی موقف پر نقد و تبصرہ کے لئے الفاظ، سبائی لغت کے جوڑتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ خود بھی اور ان کے مؤیدین بھی کہتے اس کو مسلکِ اہل السنۃ کی ہی عین ترجمانی ہیں، یہ تو قاضی صاحب بھی مانتے ہیں کہ اکابر اہل السنۃ کی عبارتوں میں حضرت معاویہؓ کے حق میں نازیبا الفاظ آئے ہیں، مراد ان کی کچھ ہی بیان کی جائے، سوال یہ ہے کہ اصل مراد سے بڑھ کر یہ موہمِ توہین الفاظ ان کے قلم پر کس راہ سے آئے اور کیوں آئے؟ اور پھر مسلکِ اہل السنۃ کی عین ترجمانی کا درجہ انہوں نے حاصل کر لیا تو آخر کس طرح؟ اور دوسری طرف خطاءِ اجتہادی بھی بمعنی ترک اولیٰ بھی اگر برداشت نہیں ہوتی تو آخر کیوں؟ یہ سب کچھ ہمارے نزدیک سبائیوں کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا ہی نتیجہ ہے، اور جس طرح حضرت علی یا دوسرے کسی بھی صحابی (رضی اللہ عنہ) کی شان میں ناشایاں الفاظ کا استعمال، ان کے

اجتہادی مواقف پر بے تکلفانہ نقد وتبصرہ اوران کی تنقید وتنقیص، سبائی فتنہ کا شعبہ ہے بالکل اسی طرح صحابہ بین حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کی شان میں بھی ناشایاں الفاظ ونامناسب تعبیرات کا استعمال، ان کے اجتہادی مواقف پر بے تکلفانہ نقد وتبصرہ اوران کی تنقید وتنقیص بھی سبائی فتنہ اور یقیناً سبائی فتنہ کی ہی ایک شاخ ہے، اس کو سبائی فتنہ ہی کہا جائے گا، خواہ اس کو ایک مولانا یوسف لدھیانوی کی نہیں بلکہ ایسے کروڑوں یوسفوں کی ہی تائید حاصل کیوں نہ ہو۔

اس لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صفینی اجتہادی موقف پر نقد وتبصرہ کے لئے حضرت قاضی صاحب کے لب ولہجہ، انداز بیان اور طرز استدلال کو اگر ہم نے ''سبائی فتنہ'' کا نام دیا ہے تو بے جا کچھ بھی نہیں کیا ہے، حضرت قاضی صاحب کو میری کتاب کے اس نام سے متعلق سوال کرنے کے بجائے اپنی تعبیرات اور الفاظ وبیان پر نظر ثانی کر کے ان کی اصلاح کرنی چاہئے، ورنہ موجودہ ان کا اسلوب بیان اور طرز استدلال تولامحالہ ''سبائیانہ'' ہی ہے اور جب تک یہ موجود ہے کہا اس کو ''سبائی فتنہ'' ہی جائے گا، لیکن حضرت قاضی صاحب چونکہ ایک جلیل القدر امام اہل السنۃ مانے جاتے ہیں اس لئے ہوگی ان کی یہ سبائیت، صرف ''صورۃً'' ہی نہ کہ حقیقتاً بھی اور اس میں ان کی نہ کوئی توہین ہے نہ تنقیصِ شان کیونکہ اس پر ان کو مولانا یوسف لدھیانوی صاحب جیسے بہت سے حضرات کی طرف سے ڈھیروں داد ملی ہے اور قابلِ داد کام کی کسی کی طرف نسبت اس کی توہین وتنقیص کیونکر ہوسکتی ہے؟۔(1)

کیا ''سبائی فتنہ''، ''خارجی فتنہ'' کا جواب ہے؟

پھر قاضی صاحب نے میری کتاب کو اپنی کتاب کا جواب قرار دیا ہے، حالانکہ ''سبائی فتنہ'' درحقیقت ''خارجی فتنہ'' کا جواب نہیں ہے بلکہ اس کے اندر موجود زہرِ سبائیت کا تریاق وعلاج

(1) چنانچہ قاضی صاحب ہی حضرت معاویہ کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت کر کے فرماتے ہیں کہ:
''اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیصِ شان، کیونکہ اجتہادی خطا پر بھی از روئے حدیث بخاری ایک گونہ ثواب ملتا ہے، تو کار ثواب پر ملامت کیونکر جائز ہوسکتی ہے'' (خارجی فتنہ ص 534 / ج 1)۔منہ

ہے جس سے خارجی فتنہ کا مزاج مفید اور معتدل ہوگیا ہے، ورنہ اس کے بغیر اس کا مزاج انتہائی مُضر اور غیر معتدل تھا، تنہا خارجی فتنہ کا مطالعہ کرنے والا خارجیت وناصبیت کی راہ سے نکل کر سبائیت کی راہ پر چڑھ سکتا تھا، اب اس کے ساتھ سبائی فتنہ کو بھی ملا کر پڑھنے سے ان شاء اللہ یہ خطرہ نہ رہے گا، اور اس کی تصریح میں کتاب کے شروع میں ہی کر چکا ہوں، چنانچہ خطبہ کے بعد میری کتاب کے افتتاحیہ کی پہلی سطر ہی اس طرح ہے کہ: "یہ چند طالب علمانہ گزارشات ہیں جو ... قاضی مظہر حسین چکوالی صاحب کی تالیف "خارجی فتنہ" کے مطالعہ میں امید ہے کہ مفید ہوں گی"

اس کو قاضی صاحب نے بھی اپنے تبصرے کی پہلی قسط میں نقل کر دیا ہے، اس کا ... کشیدہ جملہ کیف ما اتفق نہیں لکھا گیا بلکہ میں نے بالقصد مذکورہ بالا نکتہ کے پیش نظر ہی لکھا تھا۔ علاوہ ازیں "سبائی فتنہ" اگر "خارجی فتنہ" کا جواب ہوتا تو پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی قاضی صاحب سے اختلاف کیا ہوتا حالانکہ اس مسئلہ میں، میں نے ان سے اختلاف نہیں کیا، نیز اگر میری کتاب، قاضی صاحب کی کتاب کا جواب ہوتا تو میں نے اس میں مسلکِ اہل السنۃ اور اصولِ اہل السنۃ کی خلاف ورزی کی ہوتی، کیونکہ "خارجی فتنہ" میں قاضی صاحب نے اپنے دعوے کے مطابق اہل السنۃ کے مسلکِ حق ومسلکِ اعتدال کی ترجمانی کی تھی، اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس مسلکِ حق ومسلکِ اعتدال کی خلاف ورزی ہی سے ہوسکتا تھا، حالانکہ "سبائی فتنہ" کی کسی بات کو "اصولِ اہل السنۃ" کے خلاف ہونا ابھی تک تو قاضی صاحب نے ثابت نہیں کیا اور امید ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ بھی ثابت نہ کر سکیں گے۔

لہٰذا "سبائی فتنہ" کو "خارجی فتنہ" کا جواب کہنا سراسر خلاف واقعہ ہے بلکہ وہ اس کے اندر موجود سبائیت کے زہریلے جراثیم کا تریاق اور اس کے مُضر پہلو کا مُصلح ہے۔

کیا قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے متعلق خطأ اجتہادی سے زائد کوئی بات نہیں لکھی؟

اس کے بعد حضرت قاضی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ "حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے

متعلق میں نے خطاءِ اجتہادی سے زائد کوئی بات نہیں لکھی ہے، پھر جواب میں اتنی ضخیم کتاب لکھنے کی کیا ضرورت پیش آگئی"۔(ص31)۔

کاش حضرت قاضی صاحب جیسا فرمارہے ہیں انہوں نے ایسا ہی کیا ہوتا، اس صورت میں ہمیں یقیناً اتنی ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی، لیکن اس کا کیا علاج کہ قاضی صاحب نے ایسا نہیں کیا، انہوں نے حضرت معاویہ ﷛ سے متعلق صرف خطاءِ اجتہادی پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ اس سے زائد اور بہت زائد اور بہت کچھ لکھا ہے، ان کو"باغی" انہوں نے لکھا، "جائز" ان کو ابن ہمامؒ سے زبردستی انہوں نے کہلوایا، "قصوروار اور نافرمانی پر اصرار" کے الفاظ ان کے حق میں انہوں نے استعمال کیے، "اللہ کے حکم کی مخالفت کا مرتکب" ان کو انہوں نے بتایا، "نصِ قرآنی وحدیثی کی مخالفت" کا الزام اُن پر، انہوں نے لگایا، ان کے اجتہادی موقف کو"از روئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز" انہوں نے بتایا، نیز حکمین ﷛ کے بارے میں گناہ، یقیناً سخت نافرمانی جیسے صریح الفاظ انہوں نے لکھے(1)، اس سب کے باوجود قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ ان کا ارشاد یہ ہے کہ"میں نے خطاءِ اجتہادی سے زائد کوئی بات نہیں لکھی ہے"۔

حضرت قاضی صاحب کی جلالتِ قدر کے پیشِ نظر ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ العیاذ باللہ جھوٹ بول رہے ہیں، البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید وہ اپنا کہا، لکھا بھول گئے ہیں، اور یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے کیونکہ وہ، عمر کے جس پیٹے میں ہیں اس کا تعارف ہی کسی اور نے نہیں خود خالقِ کائنات نے"لکي لا یعلم بعد علم شیئاً" (2) سے کروایا ہے۔

اس لئے حضرت قاضی صاحب یہ نہ پوچھیں کہ"مولانا ابوریحان کو اتنی ضخیم کتاب لکھنے

---

(1) ان سب باتوں کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ہماری کتاب"سبائی فتنہ، جلد اول" کی فصلِ دوم اور فصلِ چہارم۔منہ

(2) سورۃ النحل، آیت:70، (اردو ترجمہ): "اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، پھر وہ تمہاری روح قبض کرتا ہے، اور تم میں سے کوئی ایسا ہوتا ہے جو عمر کے سب سے ناکارہ حصے تک پہنچادیا جاتا ہے جس میں پہنچ کر وہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہیں جانتا، بے شک اللہ بڑے علم والا، بڑی قدرت والا ہے"۔(آسان ترجمہ قرآن از مفتی محمد تقی عثمانی صاحب)۔مرتب

کی کیا ضرورت پیش آ گئی''، بلکہ اپنے ذہن پر ذرا زور ڈال کر حضرت معاویہؓ کے متعلق اپنا لکھا، کہا، یاد کریں ورنہ میری کتاب ''سبائی فتنہ حصہ اول'' کی فصل دوم اور چہارم دیکھ کر یاد کرلیں، ان کو ان شاء اللہ خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ ابوریحان کو اتنی ضخیم کتاب لکھنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی۔

علاوہ ازیں گزارش یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے خطاءِ اجتہادی کی نسبت بھی حضرت معاویہؓ کی طرف جس طرح کی ہے وہ بھی کب اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے موافق ہے؟ میں نے تو اپنی کتاب میں بات ہی یہیں سے شروع کی ہے کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہ وغیرہ محاربینِ حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت جس طریقے سے کی ہے ان کا وہ طریقہ اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہے، حضرت قاضی صاحب، میری کتاب پڑھ کر اگر تبصرہ فرماتے تو شاید ان کے تبصرے کا انداز کچھ اور ہوتا، ان سے میری گزارش ہے کہ میری کتاب پڑھے بغیر اس پر تبصرہ کی پہلی قسط لکھنے میں جلدی شاید آپ نے اپنے معتقدین کو حوصلہ اور تسلی دینے کے لئے کی تھی، سو وہ مقصد تو حاصل ہو چکا، آپ کے معتقدین واہ واہ اور عش عش کر چکے، لہٰذا اب تو آپ پہلے میری کتاب کم از کم ایک مرتبہ پوری پڑھیں اور پھر اس پر علی وجہ البصیرۃ تبصرہ کریں تا کہ جانبین کا تو وقت ضائع نہ ہو اور قارئین کو کسی صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔

کیا میں نے اپنی اس کتاب کے بارے میں سندیلوی صاحب سے استفادہ کیا ہے؟

آگے قاضی صاحب نے اپنی ایک آرزو کا اظہار کیا ہے اور ایک میرے بارے میں شوشہ چھوڑا ہے، آرزو کا اظہار تو یوں کیا ہے کہ:

''کاش کہ ابوریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کے بجائے میری کتاب خارجی فتنہ کا جواب خود مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی لکھتے''۔

اور میرے بارے میں شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ:

"اور غالباً ابو ریحان صاحب نے مولانا سندیلوی سے اس کتاب کے بارے میں استفادہ کیا ہوگا"۔ (ص،32)۔

جہاں تک قاضی صاحب کی مذکورہ آرزو کا تعلق ہے تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا اصل محرک کیا ہے، اس کے اصل محرک کی صحیح نشاندہی تو قاضی صاحب خود ہی بہتر کر سکتے ہیں، ہمیں اس کے دو محرک سمجھ آتے ہیں، ایک سیاسی اور دوسرا نفسیاتی، لیکن یہ مسئلہ چونکہ ہم سے متعلق نہیں اس لئے ہم اس سے یہاں صرف نظر کرتے ہیں۔

باقی رہی بات ہمارے بارے میں مذکورہ مظہری شوشہ کی؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ کسی دینی یا دنیوی مسئلے یا معاملے کے بارے میں کسی بڑے سے یا اس مسئلے، معاملے کو جاننے والے سے استفادہ کرنا کوئی عیب نہیں، بُری بات نہیں بلکہ ایک اچھی ہی بات ہے، حتیٰ کہ اس میں تو اصل کے اعتبار سے مسلم و کافر کی تفریق بھی نہیں کی جاتی، دیکھئے! المنجد جو کہ عربی لغت کی مشہور کتاب ہے، ایک عیسائی کی تصنیف ہے، لیکن شاید اس سے خود عیسائی اتنا استفادہ نہ کرتے ہوں کے جتنا کہ مسلمان کرتے ہیں، شاید قاضی صاحب بھی اس سے استفادہ کرتے ہوں گے، اس لئے اگر میں نے بالفرض سندیلوی صاحب سے اپنی اس کتاب کے بارے میں استفادہ کیا بھی ہو تو قاضی صاحب فرمادیں کہ ان کو اس پر کیا اعتراض ہے؟ انہوں نے یہ شوشہ کیوں چھوڑا؟ کیا اس سے وہ اپنے معتقدین کو میرے بارے میں کوئی سگنل تو نہیں دے رہے؟، اچھا ہوتا اگر قاضی صاحب اپنے اندر کی بات ذرا وضاحت سے کر دیتے اور یہ بھی بتا دیتے کہ سندیلوی صاحب سے میرے استفادے کا شبہ ان کو میری کس بات سے ہوا ہے؟ اگر یہ شبہ ان کو اس بات سے ہوا ہے کہ میں نے اپنی کتاب میں سندیلوی صاحب کا ذکر کیا ہے تو یہ ذکر تو ان کا میں نے محض یہ دکھانے کے لئے کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ ؓ کے معاملہ میں سندیلوی صاحب اور قاضی صاحب دونوں ایک ہی لائن کے مسافر ہیں فرق صرف اَپ اور ڈاؤن کا ہے اور بس، سندیلوی صاحب کو

بقول قاضی صاحب اگر حضرت علیؓ کی اجتہادی غلطی کسی نہ کسی وجہ میں ثابت کرنے میں لطف آتا ہے(1)، تو قاضی صاحب نے اس سے زیادہ لطف حضرت معاویہؓ کی اجتہادی غلطی ثابت کرنے بلکہ گھڑنے میں اٹھایا ہے، لہٰذا میری کتاب میں سندیلوی صاحب کا ذکر، قاضی صاحب کے اس شبہ کی کوئی معقول و مضبوط بنیاد نہیں ہوسکتا۔

یہ تو ہوئی ایک ضابطے کی بات، اب آیئے امر واقعہ کی طرف، امر واقعہ یہ ہے کہ اپنی اس کتاب میں سندیلوی صاحب سے میرا استفادہ کرنا تو در کنار، ان کو اس کی تالیف کا علم تک بھی نہیں تھا، اس کا علم بھی ان کو اس وقت ہوا جب کہ میں اس کا ایک حصہ مکمل کر کے اشاعت سے متعلق اپنے ایک دوست سے (جو کتابوں کا ہی کاروبار کرتے ہیں) مشورہ کرنے کراچی گیا تھا، وہاں اپنے اساتذہ اور بعض دیگر بزرگوں سے ملاقاتیں بھی ہوئیں، بعض نئے مدارس عربیہ بھی دیکھے، اسی پروگرام میں سندیلوی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، دوران ملاقات میری کتاب کا ذکر آیا تو اس وقت ان کو اس کا علم ہوا، اس سے پہلے ان کو اس کا علم تک نہ تھا، کتاب کی ایک ایک سطر میری اپنی ہے، سندیلوی صاحب کی اس میں ایک سطر بھی نہیں ہے، اور نہ اس کی تالیف میں انہوں نے کسی قسم کی کوئی اعانت ہی کی ہے۔

اس لئے عرض کروں گا کہ مجھ سے متعلق حضرت قاضی صاحب کا یہ گمان کہ "میں نے اپنی کتاب کے بارے میں سندیلوی صاحب سے استفادہ کیا ہوگا" خود ان سے متعلق کسی کے اس گمان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا کہ "انہوں نے اپنی کتاب خارجی فتنہ کے بارے میں شیعہ مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو سے استفادہ کیا ہوگا"۔

کیا میں قاضی صاحب کی عبارتوں کو نہیں سمجھ سکا؟

اس کے بعد قاضی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ:

(1) خارجی فتنہ، ص 562 / ج 1)۔ منہ

''مولانا ابوریحان کو میری جو عبارتیں ایسی ملی ہیں جن سے حضرت معاویہؓ کے بارے میں منقصت کا پہلو نکلتا ہے، ان سے دوسرے علماء اہل السنت والجماعت نے تو ایسا نہیں سمجھا جنھوں نے میری کتاب پر تقریظیں لکھی ہیں، مولانا محمد یوسف لدھیانوی سمیت کسی سُنی عالم نے بھی مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا، اور اگر بعض مخالفین نے مجھ پر اس قسم کا الزام لگایا ہے تو میں نے اپنی کتاب کشف خارجیت اور دفاع حضرت معاویہؓ میں اس کا تسلی بخش جواب دے دیا ہے، میں تو یہی کہوں گا کہ مولانا موصوف بھی میری ان عبارتوں کو سمجھ نہیں سکے اور تنقیص کا پہلو نکال لیا''

(ملخصاً ملفتہ، ص33)

قاضی صاحب نے یہاں تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں، ایک یہ کہ ''میں بھی'' ان کی عبارتوں کو نہیں سمجھ سکا اور تنقیص کا پہلو نکال لیا، اور دوسری یہ کہ جن علماء اہل السنۃ نے میری کتاب پر تقریظیں لکھی ہیں انہوں نے ان عبارتوں سے ایسا نہیں سمجھا اور کسی سُنی عالم نے بھی مجھے اس سے متعلق کچھ نہیں لکھا، اور تیسری بات یہ کہ اگر بعض مخالفین نے مجھ پر اس قسم کا الزام لگایا ہے تو میں نے اس کا تسلی بخش جواب اپنی کتابوں میں دے دیا ہے۔

قاضی صاحب کی یہ تینوں ہی باتیں قابلِ غور ہیں۔

جہاں تک ان کی پہلی بات یعنی میرے بھی ان کی عبارتوں کو نہ سمجھ سکنے کا تعلق ہے تو یہ ان کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل انہوں نے پیش نہیں فرمائی، قاضی صاحب کو چاہئے تھا کہ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اپنی ان عبارتوں میں سے کہ جن کا اصولِ اہل السنۃ کے خلاف ہونا میں نے دلائل سے ثابت کیا ہے، کم از کم کسی ایک ہی عبارت کو لکھ کر یہ ثابت کرتے کہ ''دیکھو اس عبارت کا اصل صحیح مطلب یہ تھا لیکن ابوریحان، اپنی ناسمجھی سے اس کا مطلب یہ سمجھ بیٹھا ہے''، لیکن حضرت قاضی صاحب ایسی اپنی کسی ایک عبارت سے بھی اپنے دعوے کے مطابق میری ایسی کوئی ناسمجھی ثابت نہیں کر سکے۔

صحابہ کرام ﷡ سے اللہ کی رضا سے متعلق جو ایک عبارت، اپنے تبصرے کی پہلی قسط

میں وہ لائے ہیں اسی کو لے لیجئے، اس کا جو مفاد میں سمجھا تھا، قاضی صاحب نے اپنی دوسری عبارتوں کے حوالہ سے اپنا عقیدہ اس کے مطابق نہ ہونا تو بیان کیا لیکن یہ کہنے کی جرأت وہ نہ کر سکے کہ میری اس عبارت کا مفاد وہ نہیں جو ابو ریحان سمجھا ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے صفینی اجتہادی موقف کی عدم صحت ثابت کرنے کے لئے آیت اتباع باحسان سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''حضرت معاویہؓ نہ مہاجرین میں سے ہیں اور نہ انصار میں سے بلکہ تیسرے طبقے سے ہیں جن سے رضاء الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ، اور ادھر حضرت علیؓ چونکہ مہاجرین اولین میں سے ہیں اس لئے حضرت معاویہؓ پر اس نص قرآنی کی رُو سے حضرت علیؓ کی پیروی لازم تھی لیکن انہوں نے بجائے پیروی کرنے کے ان کی مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا''۔

(ملخصاً خارجی فتنہ ص 476/ ج1)

میں نے حضرت قاضی صاحب کے استدلال کا مفاد حضرت معاویہؓ کی طرف سے رضاء الٰہی کی شرط (اتباع باحسان) نہ پائی جانے کی وجہ سے ان کے لئے مشروط (رضاء الٰہی) کا نہ پایا جانا یعنی ان کا خدائی سند'' رضي الله عنهم ورضوا عنه '' کا مصداق نہ بن سکنا، بیان کیا، اگر میں قاضی صاحب کی عبارتیں نہیں سمجھ سکا تو ان کو چاہیئے تھا کہ وہ یہاں پہلے یہ بتاتے کہ چکوالی استدلال کا یہ ریحانی مفاد صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو غلطی کہاں ہے اور کیا؟، لیکن قاضی صاحب نے اپنے استدلال کے اس ریحانی مفاد کا غلط یا صحیح ہونا بیان کرنے کے بجائے چکوالی عقیدے کی بحث چھیڑ دی، حالانکہ بحث یہاں چکوالی عقیدے کی نہ تھی بلکہ چکوالی طرز استدلال کے نتیجے کی تھی، اور نتیجے کے بارے میں انہوں نے ایک حرف بھی نہیں لکھا کہ وہ صحیح ہے یا غلط جس سے یہ واضح ہو جاتا کہ میں ان کی یہ عبارت سمجھ سکا ہوں یا نہیں؟، اور اس کے سوا اور کوئی عبارت حضرت قاضی صاحب نے ابھی پیش نہیں کی، لہٰذا میرے بارے میں ان کا یہ دعویٰ کہ میں ان کی عبارتیں

سمجھ نہیں سکا محض بلا دلیل ہوا اور دعویٰ بلا دلیل کی جو حیثیت ہوتی ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، سب جانتے ہیں کہ ایسا دعویٰ نہ لائق توجہ ہوتا ہے اور نہ قابل سماعت۔

پھر قاضی صاحب نے یہاں جو" بھی" کا لفظ لگایا ہے یعنی یہ کہ" مولانا موصوف بھی بھری۔۔۔۔الخ" اس سے پتہ چلتا ہے کہ قاضی صاحب کے دربار سے اس ناسمجھی کا یہ تمغہ صرف مجھے ہی نہیں ملا، مجھ سے پہلے اوروں کو بھی وہ یہ تمغہ دے چکے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ تمغہ انہی کو ملا ہوگا جنہوں نے قاضی صاحب سے ان کی کسی بات میں اختلاف کیا ہوگا، اگر واقعہ یوں ہی ہو تو پھر کہنا چاہئے کہ یہ قاضی صاحب کی یا ان کی عبارتوں کی کرامت ہے کہ ان کو ایسا کوئی بھی آدمی نہیں سمجھ سکا جس کو ان سے کچھ بھی اختلاف ہو، ان کو تو بس وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کو ان سے کلی اتفاق ہو، کیا یہ ایک عجوبہ نہیں ہے کہ قاضی صاحب تو ہر کسی کی سمجھیں لیکن ان کی صرف وہی سمجھے جو ان سے اتفاق کرے؟، کیا مودودی صاحب کے پیروکار، سندیلوی صاحب، مولانا عبدالمجید ندیم صاحب اور دیگر وہ حضرات جن کے پیچھے قاضی صاحب لٹھ لئے پھرتے ہیں، وہ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ قاضی صاحب ہماری عبارتیں ہی نہیں سمجھ سکے؟، بھلا خارجی فتنہ میں کون سے سقراطی وبقراطی فلسفے چھانٹے گئے اور کون سی، غزالیؒ کی' تہافۃ الفلاسفۃ ' یا نانوتویؒ کی' آب حیات' کی گرہیں اس میں کھولی گئی ہیں کہ یہ صرف انہی کو سمجھ آسکتی ہے جن کو مظہری دربار سے سمجھداری کی سند جاری ہوئی ہو؟ اس لئے قاضی صاحب کی جن عبارتوں کو میں نے اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف بتلایا ہے، قاضی صاحب جب تک ان کو میرا نہ سمجھ سکنا دلیل سے ثابت نہیں کردیتے جب تک میں تو یہی کہوں گا کہ میں ان عبارتوں کو صرف سمجھا ہی نہیں بلکہ خوب سمجھا ہوں۔

کیا علماءِ اہل السنۃ نے چکوالیات کی بھی تائید کی ہے؟

اب آیئے قاضی صاحب کی دوسری بات یعنی" خارجی فتنہ" پر علماء اہل السنۃ کی تقریظوں کی طرف، اس سلسلے میں عرض ہے کہ یہ قاضی صاحب کی خوش فہمی یا خام خیالی ہے کہ وہ

علماء اہل السنۃ کو اپنی چکوالیات ومظہریات میں بھی اپنا ہمنوا اور مؤید سمجھتے ہیں، علماء اہل السنۃ نے بے شک قاضی صاحب کی تائید کی ہے لیکن صرف انہی باتوں میں کی ہے جو باتیں ان کی سُنی مسلک کے مطابق ہیں، اور ایسی باتوں میں ہم بھی قاضی صاحب سے متفق ہیں، لیکن جہاں تک اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد سے ہٹ کر ان کی چکوالیات ومظہریات کا تعلق ہے، تو ان میں علماءِ اہل السنۃ نے ہرگز ہرگز قاضی صاحب کی تائید نہیں کی، یہ قاضی صاحب کی سینہ زوری ہے کہ وہ اپنی چکوالیات ومظہریات میں بھی ان کو ہمنوا بناتے چلے آرہے ہیں۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ قاضی صاحب نے خارجی فتنہ میں جہاں مسلکِ اہل السنۃ کی باتیں لکھی ہیں وہیں ان میں اپنی چکوالیات بھی شامل کردی ہیں، اور یہ سُنیات وچکوالیات آپس میں کچھ ایسے طریقے سے گڈمڈ ہیں کہ سرسری نظر سے ان میں امتیاز کرلینا مشکل ہے، مثلاً دیکھئے:

1:...... اجتہادی خطاً وصواب کے بارے میں سُنی مسلک تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ اجتہادی صواب وخطاً دونوں چونکہ ظنی ہوتے ہیں نہ کہ قطعی اس لئے حضرت علیؓ کا اجتہادی صواب اور حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطاً، یہ دونوں بھی ظنی تھے نہ کہ قطعی (خارجی فتنہ، ص301، 295، 376/ ج1) لیکن اس کے ساتھ اپنی چکوالیت یہ ملادی کہ ان حضرات کے اجتہادی صواب وخطاً کا نصِ قرآنی تک کے حوالہ سے قطعی فیصلہ کردیا (دیکھئے خارجی فتنہ، ص21، 22، 282، 572، 590/ ج1 اور کشفِ خارجیت، ص367، 370۔ تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب ''سبائی فتنہ'' از ص16 تا ص66/ ج1)۔

2:...... اسی طرح اسی اجتہادی خطاً وصواب کے ہی سلسلے میں سُنی مسلک تو انہوں نے یہ بیان کیا کہ مجتہدین کی اجتہادی خطاً وصواب کو بوقتِ ضرورت اگر بیان کرنا پڑے تو اندازِ بیان ایسا نہ ہونا چاہئے کہ کسی جانب کی توہین یا کسرِ شان کا کوئی پہلو نکلتا ہو (ملاحظہ ہو: خارجی فتنہ، ص304، 380، 389، 392/ ج1) لیکن اس میں اپنی چکوالیت یہ جڑدی کہ اجتہادی خطاً کو ایسے انداز سے بیان کیا کہ ان کی کسرِ شان کا پہلو واضح طور پر نکلتا ہے (ملاحظہ ہو: خارجی فتنہ، ص79، 100،

555،458،461،476،478،481،526،550/ج1۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "سبائی فتنہ" از ص66 تا ص131/ج1)۔

3:...... سُنی مسلک تو یہ بیان کیا کہ اجتہادیات میں خطأ اجتہادی سے زائد کچھ نہ کہنا چاہئے، اس سے تجاوز خطرناک ہے (خارجی فتنہ، ص423، 428، 491، 583/ج1) اور چکوالیت بیچ میں یہ شامل کردی کہ خطأ اجتہادی سے زائد باغی، جائر، قصوروار، گناہ، یقیناً سخت نافرمانی اور اللہ کے حکم کی مخالفت تک جا پہنچے (خارجی فتنہ، ص79، 100، 455، 458 وغیرہ/ج1)۔

4:...... سُنی مسلک یہ بیان کیا کہ ہر مجتہد پر اپنے ہی اجتہاد کی پیروی لازم ہے (خارجی فتنہ، ص551/ج1) اس میں چکوالیت یہ داخل کردی کہ حضرت معاویہؓ کو مجتہد مان کر بھی اُن پر حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی از روئے نصِ قرآنی و حدیثی لازم قرار دے دی (خارجی فتنہ، ص476، 531، 557/ج1۔ تفصیل کے لئے دیکھئے "سبائی فتنہ" از ص181 تا ص197/ج1)۔

5:...... اسی طرح خلافتِ مرتضوی سے متعلق سُنی مسلک تو یہ بیان کیا کہ خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی قرآن کی موعودہ، راشدہ اور مستقلہ ہے (خارجی فتنہ، از ص436 تا ص464 وغیرہ/ج1) اس میں اپنی چکوالیت قاضی صاحب نے یہ داخل کردی کہ اس کی آڑ لے کر حضرت معاویہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) کو نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت، گناہ اور سخت نافرمانی وغیرہ کا مرتکب بنا ڈالا (خارجی فتنہ، صفحاتِ مذکورہ)۔

ہمارا یقین ہے کہ جن علماءِ اہل السنہ نے قاضی صاحب کے بارے میں تائیدی جملے ارشاد فرمائے ہیں انہوں نے صرف اور صرف سُنیات کے ہی پیش نظر ارشاد فرمائے ہیں، اس سے آگے ان کی سبائیات یا چکوالیات و مظہریات (1) کی تائید انہوں نے ہرگز ہرگز نہیں فرمائی، جس کا ایک بیّن ثبوت یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب "کشفِ خارجیت" کے صفحہ 61 تا 71

---

(1) مراد ہیں ان کی وہ عبارتیں جو اصولِ اہل السنہ، قواعدِ اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی شان کے سراسر خلاف ہیں۔ منہ

پر جتنے بھی علماء اہل السنۃ کی آراء نقل کی ہیں ان میں سے ایک دو کو چھوڑ کر (کہ انہوں نے عمومی اور اصولی تائید فرمائی ہے، کسی خاص پہلو کا ذکر نہیں کیا) باقی سب نے بالتصریح رافضیت وشیعیت، خارجیت وناصبیت اور یزیدیت وسبائیت کی تردید کے حوالہ سے ہی قاضی صاحب کی خدمات کو سراہا ہے، اس سے آگے رہی یہ بات کہ ان فرقِ باطلہ کی تردید میں دوسری طرف خود قاضی صاحب سے کوئی تجاوز عن الحد ہوا ہے یا نہیں؟ تو اس کا ان علماءِ اہل السنۃ کی مذکورہ آراء میں قطعاً کوئی ذکر نہیں، اور عدم ذکر نہ مستلزم ذکرِ عدم ہوا کرتا ہے اور نہ دلیلِ عدم ہی، اس لئے قاضی صاحب، خارجی فتنہ میں مذکور سنیات کی حد تک تو علماءِ اہل السنۃ کی ان آراء کو اپنی تائید میں پیش کر سکتے ہیں اور اس حد تک ہم خود بھی قاضی صاحب ہی کے ساتھ ہیں، لیکن اس سے آگے چکوالیات وسہائیات میں بھی ان علماء کو اپنا ہمنوا سمجھنا خوش فہمی سے زیادہ کچھ نہیں، علماءِ اہل السنۃ کو اپنی خلاف اصول اہل السنۃ تعبیرات میں اپنا ہمنوا بتا کر کیا حضرت قاضی صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ یہ چوٹی کے علماء اہل السنۃ بھی ان کی طرح صحابہ کرام کو، گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، اللہ ورسول کے حکم کی مخالفت وغیرہ کا مرتکب بتانے کی بے ادبی میں مبتلا ہیں، حاشا وکلا۔

ہماری گزارش ہے کہ قاضی صاحب اگر چاہیں تو یہ سوغاتیں اپنے تک ہی محدود رکھیں، دیگر علماء اہل السنۃ کے سر ان کو تھوپنے کی کوشش نہ کریں، صحابہ کرام کے ادب واحترام سے متعلق ان علماء اہل السنۃ کا مسلک کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں کہ ان کی طرف قاضی صاحب جو چاہیں منسوب کر دیں، دنیا ان حضرات کے عقائد ونظریات سے خوب واقف ہے، صحابہؓ کے خلاف لکھنے والوں کا جس طرح یہ حضرات، تعاقب کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں کسی سے مخفی نہیں، لہٰذا ہم یہ ماننے کے لئے قطعاً تیار نہیں کہ ان حضرات نے قاضی صاحب کی حد درجہ غیر محتاط اور خلاف اصول اہل السنۃ وقواعدِ اجتہاد، تعبیرات وطرز استدلال کی بھی تائید کی ہوگی، اگر حضرت قاضی صاحب کو شک ہو تو خارجی فتنہ کی جن عبارتوں کا ہم نے اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہونا ثابت کیا ہے ان کو خارجی فتنہ کی سنیات سے الگ کر کے ان حضرات علماءِ کرام کی خدمت میں بھیج دیں اور ان

سے پوچھیں کہ یہ مظہریات، اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے موافق ہیں یا مخالف ۔ قاضی صاحب کو ان شاءاللہ پتہ چل جائے گا کہ وہ اپنی چکوالیات ومظہریات میں کہاں کھڑے ہیں۔

باقی رہی قاضی صاحب کی یہ بات کہ میری کتاب میں اگر کوئی ایسی بات ہوتی تو علماء خصوصاً مولانا لدھیانوی مجھے ضرور متنبہ کرتے حالانکہ کسی سُنی عالم نے بھی مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا (ملخصاً) تو اس سلسلے میں:

پہلی گزارش تو یہ ہے کہ جن حضرات نے آپ کو آپ کی ایسی عبارتوں پر متنبہ کیا تھا آپ نے اس کا کیا اثر لیا؟ اور تنبیہ کرنے والوں کا کیا حشر کیا؟ پھر آپ کو متنبہ کرنے والا سُنی بھی آخر کیسے رہ سکتا تھا؟ اس لئے آپ کو اگر کوئی متنبہ کرتا بھی تو آخر کیا سوچ کر؟۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اگر آپ کی کتاب میں ایسی کوئی عبارت نہیں ہے تو پھر آپ نے اِدھر اُدھر کے طعنے مہنے کیوں شروع کر دیئے ہیں؟، ان عبارتوں پر کیوں گفتگو نہیں کرتے جن کا اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہونا میں نے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے، میں نے کوئی اٹکل کے تیر نہیں چلائے، ہوائی فائر نہیں کئے، بلکہ آپ کی ایسی ایک ایک عبارت کا خلاف اصول اہل السنۃ ہونا دلیل سے بیان کیا ہے، آپ کو چاہئے تھا کہ آپ ان عبارتوں پر گفتگو کرتے، ان کا مطابق اصولِ اہل السنۃ ہونا ثابت کرتے، لیکن آپ نے ان پر گفتگو کرنے کے بجائے اِدھر اُدھر کی باتوں میں اپنا دل بہلانا شروع کر دیا، حقائق ودلائل کا سامنا کرنے کے بجائے علماءِ اہل السنۃ کی تقریظوں کی دوہائی دینا شروع کر دی جبکہ ایسی تقریظوں میں کئی کئی احتمالات آپ خود نکالا کرتے ہیں، مثلاً ''اظہار حقیقت'' کی تعریف وتحسین آپ نے خود کی، حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی کی کتاب کی جلد اول پر آپ کے سدھی گرامی قدر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب اطال اللہ بقاءہ نے بڑی دبنگ تقریظ لکھی اور جلد اول از اوّل تا آخر بغور پڑھ کر لکھی، اسی طرح گرامی قدر حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد کہ جن کے مدرسہ میں، میں آج کل مدرس ہوں، نے کسی زمانہ میں مولوی عظیم الدین کی کتاب ''حیات سیدنا یزید''

سے اتفاق کیا تھا، محدث عصر حضرت شیخ بنوری رحمہ اللہ نے "اظہار حقیقت" کی تعریف وتحسین کی، لیکن آپ کے نزدیک ان میں سے کوئی بھی تقریظ یا تعریف وتحسین قابلِ حجت نہیں، مصنف کے کل خیالات اور عقائد ونظریات کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں، اور نہ اس بات کی ہی دلیل ہے کہ اس کتاب میں کوئی بات بھی مسلکِ اہل حق کے خلاف نہیں، جو احتمالات یا وجوہات آپ ان تقاریظ وتعاریف میں نکالتے ہیں وہی احتمالات ووجوہات آپ کی کتاب سے متعلق علماء اہل السنۃ کی آراء میں بھی تو نکل سکتے ہیں، پھر آپ حقائق ودلائل کی روشنی میں گفتگو کرنے کے بجائے علماء کی ان آراء پر ہی اتنا انحصار کیوں کر رہے ہیں، اس قسم کی تعریفیں اور تقریظیں تو محض تائیدیں ہوا کرتی ہیں مستقل دلیلیں نہیں ہوا کرتیں، لہٰذا آپ پہلے حقائق ودلائل کے میدان میں اتریں، یہ میدان مار کر پھر بے شک ان تعریفوں اور تقریظوں سے بھی تائیدوں کا کام لے لیں۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ کسی بڑی شخصیت کی طرف سے کسی کتاب کی تعریف وتوصیف ہمیشہ اس کتاب کے کل مندرجات کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں ہوا کرتی، کیونکہ اس قسم کی تعریف وتوصیف کے، اس کتاب کی صحت کے علاوہ اور بھی مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں:

الف:...... مثلاً کبھی اس کا سبب، مصنف سے سابقہ حسنِ ظن ہوتا ہے، جس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، مثلاً مصنف کا دینی اعتبار سے قد آور شخصیت ہونا، اس کی دینی تالیفات وتصنیفات کا عموماً قابلِ اعتبار اور مفید ہونا، کسی فتنہ کی تردید میں اس کا معروف ومشہور ہونا وغیرہ وغیرہ، لہٰذا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایسے مصنف کی کسی نئی تصنیف کا بالاستیعاب بنظرِ غائر مطالعہ کئے بغیر ہی محض اس سے سابقہ حسنِ ظن کی بنا پر اس کی تائید وتصدیق کر دی جاتی ہے، جیسے مثلاً خود حضرت قاضی صاحب نے ہی پہلے "اظہار حقیقت" کی تعریف کی تھی، حضرت الاستاذ محدث عصر شیخ بنوری رحمہ اللہ نے بھی اس کی تحسین فرمائی تھی، لیکن حضرت قاضی صاحب اس کو محض سابقہ حسنِ ظن کی بنا پر کی گئی تعریف وتوصیف قرار دیتے ہیں، چنانچہ جب سندیلوی صاحب نے قاضی صاحب کی طرح ان حضرات کی اس تعریف وتوصیف کو اپنی تائید میں پیش کیا تو قاضی صاحب نے اس کا یہی جواب دیا ہے،

چنانچہ حقیقت حال بیان کر کے آخر میں بالتصریح لکھا ہے کہ:

''اس سے معلوم ہوا کہ حسنِ ظن کی بنا پر بعض اکابر علماء بھی کسی کتاب کی تعریف لکھ دیتے ہیں اور بعد میں جب اس کتاب کی غلطیوں پر مطلع ہوتے ہیں تو پھر تنقید واعتراض بھی کرتے ہیں، لہٰذا بندہ راقم الحروف پر یہ اعتراض کہ پہلے ''اظہار حقیقت'' کی تعریف لکھی ہے اور اب تردید کر رہا ہے علمی طور پر غلط ہے''۔ (خارجی فتنہ،ص 39، 40/ج 1)

ب:...... اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب کا موضوع وقت کا کوئی اہم تقاضا یا کوئی اہم فتنہ ہوتا ہے، کتاب کی تعریف وتوصیف کرنے والے کا ذہن اس موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کتاب کی افادیت کا ایک پہلو متعین کر لیتا ہے، پھر اگر وہ اس کا بالاستیعاب اور بنظرِ غائر بھی مطالعہ کرتا ہے تو اس کا ذہن صرف انہی چیزوں کو جذب کرتا رہتا ہے جو پہلے سے متعین کردہ خاص پہلو کے اعتبار سے مفید ہوتی ہیں، باقی رہیں دوسرے کسی پہلو کے اعتبار سے اس میں موجود مُضر چیزیں؟ تو ان کی طرف ذہن اس وقت تک متوجہ نہیں ہوتا جب تک اس کو کوئی متنبہ نہ کرے، پھر قاری اس کتاب کے ان مفید اجزاء کے پیش نظر ہی اس کی تعریف وتوصیف کر دیتا ہے، جیسے مثلاً شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب اطال اللہ بقاءہ نے حکیم محمود احمد ظفر صاحب سیالکوٹی کی کتاب ''سیدنا معاویہؓ شخصیت وکردار، جلد اول'' از اوّل تا آخر بغور پڑھی، اس کی تعریف وتوصیف اور تائید وتحسین بہت اونچے الفاظ میں کی، ان کو اس وقت کوئی بات بھی عقائدِ اہل السنۃ کے خلاف نظر نہ آئی، لیکن قاضی صاحب کے نزدیک چونکہ اس کتاب میں بہت سی باتیں مسلکِ اہل حق کے خلاف بھی تھیں اس لئے ان کو حضرت شیخ مدظلہ کی یہ تقریظ وتعریف پسند نہ آئی، پھر ان کے یا کسی اور کے متنبہ کرنے سے شیخ مدظلہ کو ان پر تنبہ ہوا۔

ج:...... بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کتاب میں بعض کمزور پہلوؤں کی طرف تبصرہ نگار یا تائید کنندہ کی نظر بھی جاتی ہے لیکن چونکہ باقی کتاب کو وہ بہت مفید پاتا اور ان کمزور پہلوؤں کو اس کے مقابلہ میں وہ معمولی سمجھتا ہوتا ہے اس لئے اس کے کمزور پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے اس

کی افادیت غالبہ۔ کے پیش نظر اس کی تائید وتصدیق، اور تعریف وتحسین کر دیتا ہے۔

و :...... بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کتاب کی تائید وتعریف کرنے والے بڑے آدمی کو اس فن سے چنداں مناسبت نہیں ہوتی جس فن سے وہ کتاب متعلق ہوتی ہے، اس لئے وہ اس کتاب کے نشیب وفراز سے ایک ماہر فن کی طرح واقف نہیں ہوتا، بس مصنف کتاب کے اصرار پر اس کی تعریف وتوصیف کر دیتا ہے۔

جب کتابوں پر علماء کی تصدیقات وتقریظات کے مختلف اسباب ہوئے، کتاب کے کل مندرجات کا صحیح ہونا صرف یہی ایک سبب نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ کسی بڑی شخصیت کی طرف سے کسی کتاب کی تعریف وتحسین ہمیشہ اس بات کی دلیل نہیں ہوا کرتی کہ اس کتاب میں کوئی بات بھی غلط اور خلاف اصول وقواعد نہیں، لہٰذا ایسی کسی کتاب کی کسی بات کا غلط اور خلاف حق ہونا اگر دلیل سے ثابت ہو جائے تو اس کی صحت کے ثبوت میں محض کسی عالم کی تصدیق وتائید پیش کر دینا ہی کافی نہ ہوگا بلکہ اس کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت ہوگی، کیونکہ علماء کی تصدیقات وتقریظات تو بحیثیت مجموعی کتاب کی محض تائید ہوا کرتی ہیں، کتاب کی ہر ہر بات کی دلیل نہیں ہوا کرتیں۔

بالکل یہی حال زمانہ حال کے فتنوں کی تردید میں لکھی گئی قاضی صاحب کی تصانیف بالخصوص ''خارجی فتنہ'' پر علماءِ اہل السنۃ کی تصدیقات وتقریظات کا بھی ہے، قاضی صاحب، دینی اعتبار سے قد آور شخصیت بھی تھے اور زمانہ حال کے فتنوں یعنی رافضیت وشیعیت، خارجیت وناصبیت اور مودودیت وعباسیت وغیرہ کی تردید میں مشہور بھی، اس سلسلہ کی ان کی تصانیف کا مذکورہ موضوع وعنوان وقت کا اہم تقاضا بھی تھا اور وہ مجموعی طور پر عموماً مفید بھی تھیں، اس لئے علماء اہل السنۃ نے ان سے حسن ظن، زمانہ حال کے مذکورہ فتنوں کی تردید میں ان کی شہرت، کتاب کے موضوع وعنوان کی اہمیت اور اسی پہلو سے اس کی افادیت کے پیش نظر ان کی یہ کتاب بالاستیعاب وبنظرِ غائر پڑھے بغیر اس کی تصدیق وتائید کر دی ہے، نیز چونکہ قاضی صاحب نے خارجی فتنہ میں اکابرِ اہل السنۃ کے بڑی کثرت سے بار بار حوالے دیئے ہیں ان ناموں کی فہرست دیکھ کر تصدیق

وتائید کرنے والے علماء کو اگر یہ حسن ظن بھی ہو گیا ہو کہ اس کتاب میں قاضی صاحب کا سب کچھ کہا ہوا ان اکابر کا ہی کہا ہوا ہے اور اس لئے انہوں نے اس کی تصدیق وتائید کر دی ہو تو یہ بھی کچھ بعید نہیں (1)، یہ بھی کسی سے مخفی نہیں کہ ایسی تصدیقات وتقریظات، عمومی اور مجموعی ہوا کرتی ہیں، کتاب کے ایک ایک مسئلہ اور اس کے لئے اختیار کی گئی ایک ایک تعبیر سے متعلق نہیں ہوا کرتیں۔

اس لئے علماء اہل السنۃ کی طرف سے قاضی صاحب کی کتاب ''خارجی فتنہ'' کی یہ عمومی تصدیق وتقریظ اور یہ مجموعی تعریف وتحسین اس بات کی دلیل ہرگز نہیں ہوسکتی کہ اس میں وہ کسی مسئلہ میں بھی جادۂ حق اعتدال سے نہیں ہٹے ہیں، لہٰذا اس سلسلے میں خود قاضی صاحب کا بھی کسی جگہ جادۂ اعتدال سے ہٹ جانا اگر دلیل سے ثابت ہو جائے تو نہ تو وہ علماء اہل السنۃ کی ان تصدیقات وتائیدات کے منافی ہوگا اور نہ اس کا جواب محض ان تائیدات سے ہو سکے گا، بلکہ اس کے لئے قاضی صاحب کو بھی کسی ویسی ہی مستقل دلیل کی ضرورت ہوگی۔

لہٰذا قاضی صاحب کی جن عبارتوں کا اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہونا ہم نے دلائل سے ثابت کیا ہے، اگر وہ ان کا جواب دینا چاہتے ہیں تو ویسے ہی دلائل سے دیں ورنہ محض علماء اہل السنۃ کی آراء تو اس کے لئے قطعاً کافی نہیں ہیں، ورنہ پھر ان کے جواب میں خود ان کی تعریف اور حضرت بنوری رحمہ اللہ کی تحسین تو سندیلوی صاحب کے لئے اور شیخ الحدیث مدظلہ کی تقریظ حکیم محمود احمد ظفر صاحب کے لئے بھی حجت وسند اور ان کی کتابوں کی حقانیت کی دلیل ہوگی، لہٰذا قاضی صاحب علماء کی تصدیقات وتقریظات سے یا تو ان کو بھی اتنا ہی فائدہ اٹھانے دیں جتنا وہ خود ان سے اٹھانا چاہتے ہیں، یا پھر خود بھی ان سے اسی طرح فائدہ نہ اٹھائیں جس طرح انکو

---

(1) چنانچہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب ''کشف خارجیت'' میں جتنے بھی علماء اہل السنۃ کی آراء اپنی تائید میں پیش کی ہیں ان میں سے کسی ایک نے بھی ''خارجی فتنہ'' یا ان کی کسی بھی کتاب کو بالاستیعاب پڑھنے کی تصریح نہیں کی، صرف حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب مدظلہ نے ''دفاع صحابہ'' کا حرفاً حرفاً سننا ذکر فرمایا ہے، اور ان کی رائے گرامی متعلق بھی صرف اسی کتاب سے ہے، خارجی فتنہ سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ منہ

ان سے فائدہ اٹھانے نہیں دیتے۔

تیسری بات

اس سلسلے میں تیسری بات حضرت قاضی صاحب نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ ''اگر بعض مخالفین نے اپنی کتاب میں مجھ پر اس قسم کا الزام لگایا ہے تو میں نے اپنی کتاب ''کشف خارجیت'' اور ''دفاع حضرت معاویہؓ'' میں اس کا تسلی بخش جواب دے دیا ہے'' (صفحہ 33)۔

قاضی صاحب کی اس بات کا تعلق ان کی مذکورہ کتابوں کے ساتھ ہے، انہی کے جائزے سے پتہ چل سکتا ہے کہ مخالفین کے اس قسم کے الزام کا قاضی صاحب نے کیا جواب دیا ہے اور وہ کس حد تک تسلی بخش ہے، اور اس کے لئے ظاہر ہے کہ چند اوراق کافی نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے لئے تو پوری کتاب بلکہ دو کتابیں درکار ہوں گی، لہٰذا یہاں اس کا تفصیلی جائزہ پیش کرنے کے بجائے صرف دو باتیں مجملاً قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ جن حضرات نے قاضی صاحب کی کتاب پر تقریظیں لکھی ہیں، ان کی تائید کی ہے ان کو تو قاضی صاحب ''علماء اہل السنت والجماعت'' کے معزز لقب سے ملقب کرتے اور ان کی باتوں کو ''تقریظیں اور تصدیقیں'' وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں، لیکن جن لوگوں نے ان کی کتاب میں ایسی عبارتیں محسوس کی ہیں جن میں حضرت معاویہؓ کی تنقیص شان پائی جاتی ہے اور اس پر انہوں نے قاضی صاحب کو متنبہ کیا ہے، ان کو یہاں وہ ''بعض مخالفین'' کے نام سے یاد کرتے اور ان کی اس بات کو ''الزام'' کا نام دیتے ہیں، حالانکہ قاضی صاحب سے اس مسئلہ میں اختلاف کرنے والوں مین قاضی شمس الدین صاحب مرحوم سکنہ درویش بھی تھے جو ''خارجی فتنہ'' کے مؤیدین علماء اہل السنۃ کے ہم طبقہ تھے اور بعض سے تو طبقہ میں بڑے تھے، اسی طرح ایک مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب بھی تھے جو شاید کسی اِسے دُکے کو چھوڑ کر خارجی فتنہ کے باقی تقریباً تمام ہی تبصرہ نگاروں سے کسی طرح بھی کم نہ تھے، اسی طرح مولانا لعل شاہ صاحب بخاری کے عقیدت مند مولوی مہر حسین شاہ صاحب بھی تھے جس کو خود شاہ صاحب نے ہی ''مولوی'' لکھا ہے، قاضی

صاحب اگر چاہتے تو ان کو بھی ''علماء اہل السنۃ'' نہ سہی نرا ''علماء'' ہی کہہ سکتے تھے، ان کی تنبیہ کو ''اختلاف'' یا ''نشاندہی'' جیسا کوئی نام دے سکتے تھے، یہ بھی نہیں تو ''بعض مخالفین'' کی جگہ ''بعض حضرات'' یا اس سے بھی کم ''بعض لوگوں'' کہہ سکتے تھے، لیکن قاضی صاحب نے ان کو یاد کیا تو ''بعض مخالفین'' کے عنوان سے اور ان کی بات کو نام دیا تو ''الزام'' کا، اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کی یہ ایک مزاجی خصوصیت ہے کہ جس سے ان کو اختلاف ہو جائے یا جس کو ان سے اختلاف ہو جائے تو وہ اس کو مخالف اور عداوت کی حد تک پہنچا کے ہی دم لیتے ہیں، ان کے نزدیک سُنی عالم بس وہی ہے جو اُن سے کلی اتفاق کرے یا کم از کم اختلاف نہ کرے، لیکن جس کو ان سے اختلاف ہو جائے یا جس کے یہ خلاف ہو جائیں تو پھر وہ نہ سُنی عالم کہلانے کا مستحق رہتا ہے اور نہ ان کے عتابِ خسروانہ ہی سے وہ بچ سکتا ہے، اور یہ قاضی صاحب کی وہ مزاجی خصوصیت ہے جس کے شاکی ان کے پرانے رفقاءِ کار بھی ہیں، چنانچہ جمعیۃ سے مستعفی ہوتے وقت اس سے ان کا جو رویہ رہا، جناب مفتی محمود صاحبؒ نے اس کو ان کی انتہاء پسندی قرار دیتے ہوئے یوں شکوہ فرمایا:

''......لیکن حضرت قاضی صاحب جیسے بزرگ نے جس انتہاء پسندی کا ثبوت دے کر اتنی بڑی دینی جماعت کو، اس کے دینی مقاصد کو، اس کے تمام خیر کے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے جو علیحدگی کا اعلان فرمایا اس سے جماعت کے سب بزرگوں کو نیازمندانہ شکایت پیدا ہوئی......الخ''

(کشف خارجیت، ص 255)

اور دوسری بات جو ہم یہاں اجمالاً ذکر کرنا چاہتے ہیں یہ ہے کہ قاضی صاحب نے ان ''بعض مخالفین'' کے اس قسم کے ''الزام'' کا تو کچھ بھی تسلی بخش جواب نہیں دیا، البتہ اپنی ذات کا دفاع خوب کیا ہے۔

مثلاً دیکھئے مولوی مہر حسین شاہ نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ ''آپ حضرت علیؓ کی خلافت کو قرآنی نص بھی قرار دیتے ہیں، قرآنی نص کے مقابلہ میں اجتہاد بھی جائز مانتے ہیں'' (کھلی چٹھی، ص 8)، اس کا قاضی صاحب کوئی جواب نہیں دے سکے۔

ایک اور اعتراض اس نے یہ کیا کہ آپ ایک طرف تو لکھتے ہیں کہ از روئے نصِ قرآنی، حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی پیروی لازم تھی اور دوسری طرف یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آخر وقت تک انہوں نے حضرت علیؓ کی اطاعت قبول نہیں کی تھی، تو انصاف سے بتایئے کہ حضرت معاویہؓ نے حکمِ قرآنی کی مخالفت کی یا نہیں؟ اور یہ اجتہادی خطا کی کونسی قسم ہے؟ (کھلی چٹھی، ص14)، اس کا بھی قاضی صاحب کوئی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے بس یہ کہہ کے رہ گئے کہ اُس وقت چونکہ کسی کو علم نہ تھا کہ باقتضاء النص حضرت علی ﷺ چوتھے موعود خلیفہ راشد ہیں، لہٰذا اُس وقت اس کو نصِ قرآنی کی مخالفت نہیں کہہ سکتے تھے، سوال یہ ہے کہ پھر حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطاء، نصِ قرآنی کے مقابلہ میں کیسے ہوگئی؟ نیز اب تو علم اور یقین ہوگیا ہے نا کہ حضرت علیؓ ہی چوتھے موعود خلیفہ راشد تھے، اب فرمایئے حضرت معاویہؓ کی اس عدم اطاعت کو نصِ قرآنی کی مخالفت کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟، اس کا قاضی صاحب نے کوئی حل نہیں پیش کیا۔

ایک اعتراض مولوی مہر حسین شاہ صاحب نے یہ کیا تھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کی آیت "فقاتلوا التي تبغي حتیٰ تفيء الی امر الله " میں حقیقی باغی کا حکم مذکور ہے اور دوسری طرف آپ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے قرآن کے حکم "فقاتلوا التي تبغي " پر عمل کیا، تو گویا آپ نے حضرت معاویہؓ کو حقیقی باغی تسلیم کر لیا۔ (کھلی چٹھی، ص11، 14) اس کا حضرت قاضی صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا، یہی حال ان "بعض مخالفین" کے اس قسم کے دیگر "الزامات" کا ہے کہ قاضی صاحب ان کا کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے سکے، لہٰذا ان کا یہ کہنا کہ "میں نے اس کا تسلی بخش جواب دے دیا ہے" ان کی اپنی ذات سے متعلق تو شاید صحیح ہو سکتا ہے لیکن حضرت معاویہؓ سے متعلق یہ قطعاً صحیح نہیں۔

اللہ توفیق دے مگر کس کو؟

آگے قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"الحمد للہ مولانا عبد الغفور صاحب موصوف نے خارجیت اور ناصبیت کے متعلق میری

تحریرات کو بالکل صحیح مان لیا ہے، گویا کہ خارجی فتنہ میں میرے پیش کردہ مسلک کے نصف حصہ کو تو تسلیم کر چکے ہیں، باقی رہ گیا باقی نصف حصہ تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کے ماننے کی بھی توفیق عطا فرمادیں (1)۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (ص33)۔

قاضی صاحب نے یہاں بات بالکل الٹ دی ہے، شاید اس طرح وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ میں "خارجی فتنہ" کی تصنیف سے پہلے خارجی وناصبی تھا، یہ کتاب پڑھ کر آدھا سُنی تو بن گیا ہوں اور آدھا ابھی بننا رہتا ہوں، حالانکہ بات یوں نہیں ہے، بلکہ میں الحمدللہ قاضی صاحب کی اس کتاب کے وجود میں آنے سے پہلے بھی نہ خارجی تھا نہ ناصبی، نہ رافضی تھا نہ مودودی، نہ قاضی صاحب کا اصطلاحی یزیدی تھا نہ عباسی، اور نہ اب ہی ہوں، بلکہ بحمداللہ پہلے بھی خالص سُنی تھا اور اب بھی بحمداللہ سُنی ہوں، اس لئے "خارجی فتنہ" میں قاضی صاحب کے پیش کردہ مسلک کو میں نے تسلیم نہیں کیا کیونکہ میں سُنی پہلے کا ہوں، اور "خارجی فتنہ" بعد میں وجود میں آئی ہے، بلکہ خود قاضی صاحب نے ہی میرے مسلک کا نصف حصہ اپنی اس کتاب کے ایک حصے میں تسلیم کر لیا ہے، باقی رہ گیا میرے مسلک کا باقی نصف حصہ؟ تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کے ماننے کی بھی توفیق عطا فرمائیں کہ وہ اصول اہل السنۃ، قواعدِ اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی شان کے خلاف اپنی تمام عبارتوں سے رجوع کر لیں، آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

ایک الزام یا بہتان لیکن کس جانب سے؟

سب سے آخر میں اب قاضی صاحب نے بحث چھیڑی ہے حضرت معاویہؓ سے رضاءِ الٰہی کی، جس کا تعارف یہ ہے کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے صفینی اجتہادی موقف کو غلط ثابت کرنے کے لئے آیتِ اتباع باحسان سے استدلال کرتے ہوئے ایک بات تو یہ فرمائی کہ حضرت معاویہ ؓ کے ساتھ اللہ کی رضا مشروط تھی سابقین مہاجرین وانصار کی اتباع باحسان کے

(1) لاحول ولا قوۃ الا باللہ، بھلا میں کیوں ماننے لگا صحابہؓ کی شان میں بے ادبانہ عبارتوں پر مشتمل خارجی فتنہ کے اس حصہ کو؟ اللہ بچائے اس کتاب کے باقی نصف حصہ کو ماننے سے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ منہ

ساتھ، اور دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ انہوں نے یہ اتباع اور پیروی نہیں کی، اور یہ نتیجہ نکالا۔ لہٰذا ان کے موقف کو کوئی بھی صحیح نہیں کہہ سکتا۔ میں نے اس کے بارے میں بتلایا کہ قاضی صاحب کا یہ طرز استدلال بھی غلط ہے اور خود استدلال بھی، طرز استدلال تو اس طرح غلط ہے کہ اس سے حضرت معاویہؓ کے موقف کا غلط ہونا تو بعد میں ثابت ہوگا پہلے ان کا اللہ کی رضا سے محروم ہونا لازم آتا ہے، اور خود استدلال یوں غلط ہے کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے اس آیت کی خلاف ورزی نہیں ہوئی بلکہ اس پر پورا پورا عمل ہوا ہے۔

حضرت قاضی صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے ''الجواب'' کے نمبر 1 کے تحت لکھتے ہیں:

''مولانا ابوریحان کا میری عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالنا کہ میں حضرت معاویہؓ کو رضی اللہ عنہ کا مصداق نہیں مانتا یہ سراسر بہتان ہے'' (ص35)۔ آگے ص38 اور ص40 پر پھر اس کو بہتان اور بہتان تراشی سے ذکر کیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یہ سراسر بہتان تو بے شک ہے لیکن ابوریحان کا قاضی صاحب پر نہیں بلکہ قاضی صاحب کا ابوریحان پر ہے، کیونکہ میں نے اپنی کتاب ''سبائی فتنہ جلد اول'' میں کہیں بھی قاضی صاحب کی عبارتوں سے یہ نتیجہ ہرگز ہرگز نہیں نکالا کہ وہ، حضرت معاویہ کو ''رضی اللہ عنہ'' کا مصداق نہیں مانتے، میں نے اپنی اس کتاب میں قاضی صاحب کے عقائد سے تو بحث ہی نہیں کی بلکہ ان کی عبارتوں کے نتائج سے بحث کی ہے یہ بتانے کے لئے کہ ان کی عبارات و تعبیرات اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ اصلاح ہیں، مثلاً دیکھئے یہاں میں نے یہ نہیں بتایا کہ قاضی صاحب، حضرت معاویہؓ کو ''رضی اللہ عنہ'' کا مصداق نہیں مانتے بلکہ یہ بتایا ہے کہ ان کی یہ عبارت حضرت معاویہؓ کو ''رضی اللہ عنہ'' کا مصداق نہیں بتاتی بلکہ اُلٹا رضاءِ الٰہی سے ان کو محروم بتاتی ہے، اور چونکہ وہ رضاءِ الٰہی سے مشرف تھے محروم نہ تھے اس لئے قاضی صاحب کی یہ عبارت، ان کا یہ اندازِ بیان اور طرز استدلال غلط ہوا، صحیح نہ ہوا، چنانچہ

قاضی صاحب کی ایسی عبارتوں پر میں نے عنوان ہی "تعبیرات مظہریہ......الخ" قائم کیا ہے "عقائد ونظریات مظہریہ" نہیں قائم کیا، اور پھر صرف عنوان ہی یہ نہیں رکھا بلکہ قاضی صاحب کی زیرِ بحث اس عبارت پر بحث کرتے ہوئے اپنی بات کو درمیان میں روک کر جملہ معترضہ کے طور پر "تنبیہ" کے مستقل عنوان کے تحت یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ:

"واضح رہے کہ یہاں ہماری بحث، حضرت معاویہ ﷛ سے متعلق حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے عقیدے سے ہرگز ہرگز نہیں، ہم حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے بارے میں اس غلط فہمی میں ہرگز مبتلا نہیں کہ وہ حضرت معاویہ ﷛ کو صحابی رسول، جنتی یا "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا کسی بھی درجہ میں مصداق نہیں سمجھتے، حاشا وکلا، اس کا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، بلکہ ہماری بحث حضرت قاضی صاحب مدظلہ کے استدلال اور اس انداز بیان سے ہے جو انہوں نے حضرت معاویہ ﷛ کے اجتہادی موقف کو بالکل ہی غیر صحیح ثابت کرنے کے لئے کیا اور اپنایا ہے"۔

(سبائی فتنہ، ص91/ج1)

اب حضرت قاضی صاحب ہی انصاف سے فرمادیں کہ میں نے ان پر بہتان باندھا ہے یا وہ مجھ پر بہتان باندھ رہے ہیں؟، میں نے اُن پر بہتان تراشی کی ہے یا وہ مجھ پر بہتان تراشی کر رہے ہیں؟۔

قاضی صاحب کو میرا چیلنج

اس لئے قاضی صاحب کو میرا چیلنج ہے کہ وہ میری ساری کتاب میں سے کوئی ایک مقام ایسا بتلائیں جہاں میں نے ان کی عبارتوں سے یہ نتیجہ نکالا ہو کہ وہ، حضرت معاویہؓ کو "رضی اللہ عنہ" کا مصداق نہیں مانتے، میرا دعویٰ ہے کہ قاضی صاحب، ساری زندگی میری کتاب کا کوئی ایک مقام بھی ایسا نہیں بتلا سکتے، ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین، قاضی صاحب مجھے تو الزام دیتے ہیں کہ میں نے ان کی عبارت نقل کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا، اور مجھ سے جگہ جگہ سوال کرتے ہیں کہ میری فلاں عبارت کیوں نقل نہ کی، فلاں عبارت کیوں چھوڑ دی وغیرہ

وغیرہ، میری گزارش ہے کہ آپ نے تبصرہ کرنے کے لئے جب میری یہ بحث پڑھی تھی تو یقیناً یہ "تنبیہ" بھی ضرور پڑھی ہوگی، کیا میں بھی پوچھ سکتا ہوں کہ پھر آپ اس کو یوں گول کیوں کر گئے؟، نیز کیا مجھے بھی یہ کہنے کی آپ اجازت دیں گے کہ آپ نے میری اس اہم "تنبیہ" کو اپنے قارئین سے چھپا کر دیانت سے کام نہیں لیا؟، کیا آپ کو اس سے ناگواری تو نہ ہوگی؟۔

ذکر "مدظلہ" کا

نمبر 1 کے تحت ہی قاضی صاحب نے دوسری بات یہ ارشاد فرمائی ہے کہ:

"اگر آپ میرے بارے میں بھی سمجھتے ہیں کہ میری تحریر میں حضرت معاویہؓ کی بے ادبی پائی جاتی ہے تو پھر آپ مجھ کو "مدظلہ" کیوں لکھ رہے ہیں، آخر یہ تضاد بیانی کیوں ہے؟۔

1:...... حضرت! غلطی ہوگئی، معافی چاہتا ہوں، اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ ساری زندگی کبھی بھولے سے بھی آپ کو "مدظلہ" نہ کہوں گا، امید ہے کہ اِس دفعہ معاف فرمادیں گے، اب تک کا لکھا ہوا میرا "مدظلہ" بھی آپ واپس کرنا چاہیں تو بے شک کر دیں، میں اپنا "مدظلہ" ہر وقت واپس لینے کے لئے تیار ہوں، کیونکہ آپ واقعی بحالتِ موجودہ "مدظلہ" کے لائق نہ تھے، بلکہ اس کی کسی ضد کے لائق تھے آپ کو سمجھنے میں مجھ سے بہت بڑی بھول ہوگئی، اللہ معاف کرے۔

2:...... واقعی آپ کو "مدظلہ" لکھنے میں اور آپ کی تحریر میں حضرت معاویہؓ کی بے ادبی سمجھنے میں آپ کے مزاج کے مطابق بہت بڑا تضاد ہے، اب اس کو اٹھانے کی صورت یہی ہوسکتی ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک سے میں دستبردار ہو جاؤں، سو آپ کی تحریر میں حضرت معاویہؓ کی بے ادبی کا پایا جانا تو جنگِ جمل وصفین سے بھی زیادہ یقینی ہے اس سے دستبردار ہونا تو چڑھے سورج کا انکار کرنا ہے، اس لئے اس سے تو میں دستبردار نہیں ہوسکتا، البتہ آپ کو "مدظلہ" لکھنے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دستبردار ہوتا ہوں، لیجئے! یہ تضاد بیانی تو میں نے اپنی ختم کر دی لیکن اب آپ فرمائیے کہ سبائیات پر مشتمل آپ کی عبارتوں کی موجودگی میں "مدظلہ" کی جگہ آئندہ آپ کو کیا لکھا کروں کہ پھر آپ کو مجھ سے میری اس قسم کی تضاد بیانی کا شکوہ نہ کرنا پڑے؟۔

3. پھر یہ بھی تو فرمایئے کہ اس قسم کی تضاد بیانی کا شکار آپ خود بھی تو ہوئے ہیں، اس کا کیا بنے گا؟، آپ حضرت معاویہ ﷛ کو باغی، خاطی، جائر، قصوروار، اللہ کے حکم کی مخالفت کا مرتکب، ہور مضمین ﷛ کو، گناہ، یقیناً سخت نافرمانی کا مرتکب بھی گردانتے ہیں اور ان کو" جلیل القدر مجتہد صحابی" بھی لکھتے ہیں اور "رضی اللہ عنہم" کا مصداق بھی کہتے ہیں، نیز آپ اپنے سابقہ رفقاء کار حضرت مولانا ہزاروی اور حضرت مولانا مفتی محمود (﷭) سے مذہبی و مسلکی بنیاد پر اختلاف بھی کرتے ہیں (1) اور ان کو "رحمہ اللہ" اور "رحمہما اللہ" اور "مرحوم" بھی لکھتے ہیں (کشفِ خارجیت، ص255، 260) کیا یہ ویسا ہی تضاد نہیں ہے جیسا آپ اوپر میری سمجھ اور میرے "مدظلہ" میں بتا آئے ہیں؟ پھر یہ تضاد بیانی کیوں ہے؟، پھر میں نے تو آپ کی بتائی ہوئی دونوں متضاد باتوں میں سے ایک سے رجوع کرکے اپنی باتوں کا تضاد اٹھا دیا ہے، کیا آپ بھی اپنی ان دونوں متضاد باتوں میں سے کسی ایک سے رجوع کرکے اپنی باتوں کا یہ تضاد اٹھانے کی جرأت کا مظاہرہ کریں گے؟۔

کیا میں نے عبارت درج کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا؟

"الجواب" کے نمبر 2 کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"مؤلف ابوریحان موصوف نے میری عبارتیں درج کرنے میں بھی دیانت سے کام نہیں لیا، انہوں نے خارجی فتنہ حصہ اول ص476 کی عبارت پوری نہیں لکھی، جس سے میرا مقصد پوری طرح سمجھا جاسکتا تھا بلکہ مابعد کی عبارت چھوڑ کر انہوں نے اس کے متصل خارجی فتنہ ص548 کی عبارت درج کردی ہے، کہاں ص476 اور کہاں ص548، کیا اسی کا نام تحقیقِ حق ہے؟(2)"۔ (ص35)۔

==========

(1) جیسا کہ حضرت سے آپ کے استفسارات اور "احتجاجی مکتوب" سے عیاں ہے۔ منہ

(2) آپ نے بھی تو خلافت کے مسئلہ میں آیتِ استخلاف کے ساتھ آیتِ تمکین ملا کر استدلال کیا اور ایک کے مطلق کو دوسری سے مقید کیا ہے (خارجی فتنہ، ص438، 439 / ج1) حالانکہ آیتِ تمکین ستر ہویں ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

میں حیران ہوں کہ قاضی صاحب کے اس الٹو طے کو تجاہلِ عارفانہ کی بہترین مثال کہوں یا اپنی خطرناک تعبیری فروگزاشت کے جواب سے اپنی بے بسی و بے چارگی کی خلعت کو چھپانے کی ایک ماہرانہ کوشش کہوں، کیونکہ میں نے یہاں قاضی صاحب کی عبارتوں کو درج کرنے میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی دیانت کے خلاف کام نہیں لیا، بلکہ قاضی صاحب نے ہی میرے بارے میں اپنے قارئین کو شدید ترین مغالطہ دیا ہے، جیسا کہ گزارشات ذیل سے ان شاء اللہ ابھی معلوم ہوا چاہتا ہے۔

قارئین پہلے یہ ذہن نشین کرلیں کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہاں دو باتیں کہی ہیں، ایک یہ کہ "وہ نہ مہاجرین میں سے تھے اور نہ انصار میں سے بلکہ تیسرے طبقے سے تھے جن سے اللہ کی رضاء مشروط تھی مہاجرین اوّلین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ"، اور دوسری یہ کہ "انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے مہاجرِ اوّل اور موعود خلیفہ راشد کی یہ پیروی نہیں کی تھی بلکہ اُلٹا ان کی مخالفت اور ان سے لڑائی کی تھی"۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے متعلق قاضی صاحب کی انہی دونوں استدلالی باتوں کا وہ سبائی نتیجہ ہے جس کی نشاندہی میں نے کی ہے اور جس پر قاضی صاحب سٹپٹا رہے ہیں، یعنی یہ کہ "صحابہ کرامؓ کے لئے رضاءِ الٰہی کے خدائی شرف سے حضرت معاویہؓ کا مشرف نہ ہوسکنا اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کی خدائی سند کا مستحق نہ بن سکنا"۔

اور اب ملاحظہ ہو میرے بارے میں مظہری مغالطہ دہی کی حقیقت:

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

پارہ سورۂ حج کی ہے اور آیتِ استخلاف، اٹھارویں پارہ سورۂ نور کی ہے، کہاں سترھواں پارہ اور کہاں اٹھارواں پارہ؟ کہاں سورۂ حج اور کہاں سورۂ نور؟ کیا اسی کا نام تحقیق حق ہے؟، اگر آپ فرماویں کہ ان دونوں آیتوں کو ملا کر ان سے استدلال اس لئے کیا ہے کہ یہ دونوں متعلق ایک ہی مسئلہ (خلافت) سے ہیں، تو عرض خدمت اقدس میں یہ ہے کہ آپ کی ص 476 اور ص 548 کی دونوں عبارتیں بھی ایک ہی مسئلہ سے متعلق ہیں، کما سنذکرہ ان شاء اللہ۔ منہ

مظہری استدلال کا سبائی نتیجہ ص548 والی عبارت پر موقوف نہیں بلکہ اس کا مدار تنہا ص476 والی عبارت پر ہے

سو اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ قاضی صاحب کی عبارتوں کو درج کرنے میں دیانت سے کام نہ لینا تب ہو سکتا تھا جبکہ حضرت معاویہؓ کے خلاف مظہری استدلال کی مذکورہ دونوں باتیں خارجی فتنہ کی تنہا ص476 والی عبارت میں موجود نہ ہوتیں بلکہ ان میں سے ایک بات تو اس صفحہ والی عبارت میں ہوتی اور دوسری بات اس کی ص548 والی عبارت میں ہوتی او رمیں نے ایک بات تو خارجی فتنہ کے ص476 سے لی ہوتی اور دوسری اس کے ص548 سے، پھر ان دو مختلف جگہوں کی دو مختلف عبارتوں کو جوڑ کر قیاس بنایا ہوتا اور اس سے مذکورہ سبائی نتیجہ نکالا ہوتا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جو بات قاضی صاحب نے ص548 والی عبارت میں کہی ہے وہی بات بعینہ خود ص476 والی عبارت میں بھی موجود ہے اور مظہری استدلال کے سبائی نتیجہ کی نشاندہی میں میرا اصل استدلال بھی اسی عبارت سے ہے کیونکہ قاضی صاحب کی مذکورہ جن دو باتوں پر اس عبارت کے سبائی نتیجہ کا دارومدار ہے وہ دونوں باتیں یکجا اسی عبارت میں مذکور ہیں، ص548 والی عبارت میں تو ان میں سے صرف پہلی بات مذکور ہے اور دوسری بات اختصار کی وجہ سے مذکور ہی نہیں ہے، اس لئے ص476 والی اصل استدلالی عبارت کے ساتھ یہ عبارت تو میں نے محض تائید مزید کے لئے ذکر کی ہے، ص476 والی عبارت سے زائد کسی بات کے اثبات کے لئے قطعاً ذکر نہیں کی۔

چنانچہ ملاحظہ ہو کہ قاضی صاحب نے ص548 والی عبارت میں یہی بات تو کہی ہے کہ

"حضرت معاویہؓ تو والذین اتبعوھم باحسان کے طبقہ میں تھے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین وانصار کی حسن اسلوب سے پیروی کریں"،

اور یہ وہ بات ہے جو بعینہ تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ خود ص476 والی اس عبارت میں بھی موجود ہے جس سے میرا اصل استدلال ہے۔

جب ص548 والی عبارت میں کہی گئی بات خود ص476 والی اصل استدلالی عبارت میں ہی موجود ہوئی تو ص548 والی عبارت محض تائید مزید کے لئے ہوئی، مظہری استدلال کے سبائی نتیجہ کا موقوف علیہ نہ ہوئی بلکہ اس کا تمام تر دارومدار تنہا ص476 والی عبارت پر ہی ہوا، یہی وجہ ہے کہ ص548 والی عبارت درمیان سے اگر بالکل حذف ہی کردی جائے تو ص476 والی اصل عبارت کے سبائی نتیجہ پر ایک ذرہ بھر بھی کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ اس کا وہ سبائی نتیجہ ص548 والی عبارت کی بغیر بھی اپنی جگہ جوں کا توں ہی رہتا ہے، جب حضرت معاویہؓ کے خلاف مظہری استدلال کا سبائی نتیجہ صرف ص476 والی عبارت پر ہی موقوف ہوا اور ص548 والی عبارت میں کہی گئی بات خود ص476 والی عبارت میں بھی موجود ہوئی تو اب قارئین ہی خدالگتی کہیں کہ ص476 والی عبارت کے ساتھ محض تائید مزید کے لئے ص548 والی عبارت کو بھی میرا درج کردینا آخر دنیا کے کس قانون میں دیانت کے خلاف قرار پاسکتا ہے؟۔

میں نے دونوں عبارتوں کی مسلسل ایک عبارت نہیں بنائی بلکہ دونوں کو الگ الگ ذکر کیا ہے

دوسری گزارش یہ ہے کہ مظہری استدلال کی مذکورہ دونوں استدلالی باتوں میں سے ایک بات بالفرض اگر میں نے ص476 سے اور دوسری بات ص548 سے ہی لے کر قیاس بنایا اور نتیجہ نکالا ہوتا تو جس طرح میں نے ان عبارتوں کو درج کیا ہے اس طرح درج کرنے کو دیانت کے خلاف تو تب بھی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ میں نے دونوں جگہوں کی دونوں عبارتوں کو ایک دوسری میں گڈمڈ نہیں کیا، دونوں کو ایک ہی عبارت بنا کر ایک ہی حوالہ سے ایک ہی مسلسل عبارت کی حیثیت سے ان کو درج نہیں کیا، بلکہ دونوں عبارتوں کو ایک دوسری سے بالکل الگ الگ کرکے ہر ایک کو اسی کے اپنے حوالے سے علیحدہ علیحدہ درج کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ متعدد عبارتوں کو ان کے اپنے اپنے حوالے سے علیحدہ علیحدہ درج کرنا دنیا کے کسی ضابطے اور قاعدے میں بھی دیانت کے خلاف نہیں کہلاسکتا۔

دونوں عبارتیں ایک دوسری کی غیر نہیں بلکہ عین ہیں

تیسری گزارش اس سلسلے میں یہ ہے کہ قاضی صاحب کی ص476 اور ص548 والی دونوں عبارتوں کو گڈمڈ کر کے ان کو ایک ہی مسلسل عبارت کی حیثیت سے بھی اگر میں نے بالفرض درج کیا ہوتا تو دیانت کے خلاف ان کو یہاں میرے اس طرح درج کرنے کو پھر بھی نہیں کہا جاسکتا تھا، کیونکہ حضرت معاویہؓ سے متعلق قاضی صاحب کی ص548 والی عبارت اسی سلسلے کی ان کی ص476 والی عبارت سے الگ کوئی اور مستقل عبارت نہیں بلکہ بعینہ اسی کا خلاصہ اور اعادہ ہے، اس میں قاضی صاحب نے کوئی نئی بات بیان نہیں کی بلکہ اسی پہلی بات کو ہی دہرایا ہے، پہلی یعنی ص476 والی عبارت میں بھی حضرت معاویہؓ سے متعلق انہوں نے یہی بتلایا تھا کہ ''وہ تیسرے طبقے سے تھے جن سے اللہ کی رضا، مشروط تھی مہاجرین وانصار کی اتباع باحسان کے ساتھ'' اور اس دوسری یعنی ص548 والی عبارت میں بھی انہوں نے اسی بات کو دہرایا ہے، قاضی صاحب کی یہ دونوں عبارتیں ایک دوسری کی غیر نہیں بلکہ عین ہیں، دونوں کا موضوع ایک ہے، الفاظ تقریباً ایک ہیں، دونوں کا معنیٰ ومفہوم اور مطلوب ومقصود بالکل ایک ہے، دونوں سے حضرت معاویہؓ کے خلاف مظہری استدلال اور طرز استدلال ایک جیسا ہے، دونوں کا نتیجہ ومفاد ایک ہے، فرق صرف تفصیل واجمال کا ہے کہ ص476 والی عبارت اصل اور مفصل ہے، جبکہ ص548 والی عبارت بعینہ اسی کا اختصار وتکرار ہے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ قاضی صاحب کی کتاب ''خارجی فتنہ حصہ اول'' کا اصل حصہ اس کے ص543 تک ختم ہو گیا ہے، یہاں سے آگے ختم کتاب تک پچھلی ساری کتاب کا خلاصہ ہے جو قاضی صاحب نے خود ہی کیا ہے اور اس کا انہوں نے عنوان ہی یہ رکھا ہے کہ ''حضرت علی المرتضیٰؓ کے حق وصواب ہونے پر دلائل کا خلاصہ''، اس عنوان کے تحت انہوں نے پہلے تمام مضامین کا خلاصہ دیا ہے، یہاں زیرِ بحث قاضی صاحب کی دونوں عبارتوں میں سے ص476 والی عبارت، کتاب کے اصل حصے میں ہے اور ص548 والی ان کی عبارت کتاب کے خلاصے والے حصے میں

ہے، یہ دونوں عبارتیں حقیقتاً ایک ہی ہیں جو مکرر ہونے کی وجہ سے صورتاً دو ہوگئی ہیں، اس لئے اگر میں نے ان دونوں عبارتوں کو ایک دوسری میں گڈ مڈ کر کے ان کی مسلسل ایک ہی عبارت بھی بالفرض بنادی ہوتی تو تب بھی وہ دو مختلف عبارتوں کی ایک عبارت نہ بنتی بلکہ ایک ہی مکرر عبارت کی بحذف التکرار ایک ہی عبارت ہوتی، اور کسی مکرر عبارت کے مکررات کو حذف کر کے اس کو غیر مکرر ایک ہی عبارت کی صورت میں درج کر دینا قاضی صاحب کے ہاں دیانت کے خلاف ہو تو ہو لیکن دنیاء تصنیف و تالیف کے کسی بھی ضابطے، قاعدے میں یہ دیانت کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

الغرض میرا اصل استدلال قاضی صاحب کی صرف ص476 والی عبارت سے ہے اور ص548 والی عبارت میں نے محض تائید مزید کے لئے درج کی ہے، اس کے ہونے نہ ہونے سے ص476 والی عبارت کے معنیٰ و مفاد اور اس کے سیاقی نتیجہ میں کچھ بھی فرق نہیں پڑتا ہے، اور اس کو میں نے ص476 والی عبارت کے ساتھ ایسا گڈ مڈ بھی نہیں کیا ہے کہ دونوں عبارتوں میں کوئی امتیاز باقی نہ رہا ہو بلکہ ہر ایک کو دوسری عبارت سے خوب ممتاز کر کے ہر ایک کو اس کے اپنے ہی حوالے سے ذکر کیا ہے، نیز دونوں عبارتیں آپس میں ایک دوسری کی غیر بھی نہیں بلکہ عین ہیں، اگر میں ان کو گڈ مڈ کر کے ان کی ایک ہی عبارت بنا بھی دیتا تو دیانت کے خلاف تو تب بھی نہ ہوتا، لہٰذا قاضی صاحب کا میرے بارے میں یہ کہنا کہ میں نے ان کی عبارتیں درج کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا بجائے خود دیانت کا خون کرنا ہے۔

اور یہ چیز قاضی صاحب خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں اسی لئے انہوں نے یہ شوشہ تو چھوڑ دیا کہ "ابو ریحان نے میری عبارتیں درج کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا، ص476 کی عبارت میں ص548 کی عبارت درج کر دی ہے، کہاں ص476 اور کہاں ص548" (ملخصاً) لیکن یہ بات انہوں نے نہیں چھیڑی کہ ص476 والی عبارت کے درمیان ص548 والی عبارت درج کرنے سے ص476 والی اصل عبارت کے معنیٰ و مفہوم، مطلوب و مقصود اور اس کے سیاقی نتیجہ و مفاد میں کچھ فرق پڑا یا نہیں؟ اگر فرق پڑا تو کیا؟، حالانکہ یہاں بتانے کی اصل چیز یہی تھی،

اگر ص548 والی عبارت کو درمیان میں درج کرنے نہ کرنے سے ص476 والی عبارت کے معنٰی ومفاد اور اس کے سباقی نتیجہ میں کچھ بھی فرق پڑتا ہوتا تو ناممکن تھا کہ قاضی صاحب، آسمان سر پر نہ اٹھاتے، پھر وہ پہلے یہی بتاتے کہ دیکھو جی! میری ص476 والی عبارت کا اصل معنٰی ومفہوم اور مفاد ومقصود تو یہ تھا لیکن ابو ریحان نے درمیان میں ص548 والی عبارت درج کر کے اس کے اصل معنٰی ومفہوم کے خلاف اس کا یہ معنٰی بنا دیا اور اس کے اصل نتیجہ کے برعکس اس سے یہ نتیجہ نکال لیا، لیکن قاضی صاحب چونکہ خوب جانتے تھے کہ ص548 والی عبارت درمیان میں درج ہو یا نہ ہو، اس سے ص476 والی عبارت کے سباقی نتیجہ میں ایک ذرہ بھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کا نتیجہ بہرصورت وہی نکلتا ہے جس کی نشاندہی ابو ریحان نے کی ہے، اس لئے وہ اس طرف نہیں آئے، انہوں نے قارئین کو یہ نہیں بتایا کہ ان عبارتوں سے ابو ریحان کا بتایا ہوا سباقی نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں؟ ابو ریحان ان عبارتوں کا یہ نتیجہ بیان کرنے میں ان عبارتوں کو سمجھا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں سمجھا تو غلطی کیا اور کہاں کی ہے؟، بلکہ انہوں نے اپنے قارئین کا رُخ ان عبارتوں کو درج کرنے کے ریحانی طریقے اور حضرت معاویہؓ سے متعلق مظہری عقیدے کی طرف موڑ دیا اور ان عبارتوں کے سباقی نتیجے والی اصل عبارت کو طرح دے گئے، جس کو ان کی خالص مغالطہ دہی کے سوا شاید اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

اصل بات

اصل بات یہ ہے کہ قاضی صاحب کی عبارتوں کو درج کرنے، ان کا معنٰی ومفہوم بیان کرنے اور ان کا سباقی نتیجہ بتانے میں رائی کے ایک دانے کے برابر بھی دیانت کے خلاف ہم نے نہیں کیا، ہوا صرف یہ ہے کہ قاضی صاحب کی ص476 اور ص548 والی عبارتیں اپنے معنٰی ومفہوم اور مطلوب ومقصود حتیٰ کہ تقریباً الفاظ کی حد تک بھی چونکہ بالکل ایک تھیں اس لئے ان دونوں عبارتوں کو ایک ہی جگہ درج کرنے میں ہم سے صرف تقدیم وتاخیر ہوگئی ہے اور بس، یعنی ص476 والی اصل استدلالی عبارت کا جو حصہ پہلے درج ہونا تھا وہ بعد میں درج ہوگیا اور

ص548 والی تائیدی عبارت جو بعد میں درج ہونا تھی وہ پہلے درج ہو گئی، اس سے عبارتوں کے اصل معنیٰ و مفہوم اور سہائی نتیجہ میں تو ایک ذرہ برابر بھی کوئی فرق نہیں پڑا بس صرف یہ ہو گیا کہ اصل استدلالی عبارت تو تائیدی عبارت بن گئی اور جو تائیدی تھی وہ اصل استدلالی عبارت کی جگہ آ گئی، جبکہ قاضی صاحب کی عبارتیں موجودہ ترتیب کے بجائے یوں درج ہونی چاہئے تھیں، قاضی صاحب نے پہلے تو یہ بتایا تھا کہ اس آیت میں:

الف :...... "اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے، 1: مہاجرین اوّلین 2: الانصار، ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے، 3: تیسرا طبقہ وہ ہے جو مہاجرین و انصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے (والذین اتبعوھم باحسان) اس تیسرے طبقے سے رضاء الٰہی مشروط ہے مہاجرین اوّلین اور انصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ"۔

اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اسی تیسرے طبقے سے ہونے کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ب :...... "حضرت معاویہؓ نہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں، آپ تیسرے طبقہ سے وابستہ ہیں، ان کے لئے حضرت علی المرتضیٰؓ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اوّلین میں ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے، بہرحال از روئے نصِ قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی حضرت معاویہؓ پر لازم ہے"۔ (خارجی فتنہ، حصہ اول، ص476)

اسی بات کو ایک دوسری جگہ قدرے وضاحت سے یوں دہراتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بیعتِ رضوان کے سلسلہ میں بھی اپنے راضی ہونے کا اعلان کیا ہوا تھا، نیز مسابقت اور مہاجرین اوّلین میں سے ہونے کی وجہ سے بھی وہ "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" کے مصداق تھے لیکن ان کے مقابلہ میں:

ج :...... "حضرت معاویہؓ تو والذین اتبعوھم باحسان کے طبقہ میں تھے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کی حسنِ اسلوب سے پیروی

کریں" (خارجی فتنہ، ص548/ج1)

حضرت معاویہؓ نے رضاءِ الٰہی والی یہ شرط پوری کی یا نہیں؟ تو حضرت قاضی صاحب مدظلہ کا فرمانا یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ یہ شرط ہی پوری نہیں کی بلکہ اُلٹا قولی و عملی مخالفت کی، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

د:...... "لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا (خواہ دفاعی ہی ہو) تو اس صورت میں حضرت معاویہؓ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے"۔ (خارجی فتنہ، ص476/ج1)۔

جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رضاءِ الٰہی والی شرط ہی پوری نہیں کی بلکہ قولاً و عملاً ڈٹ کر اس کی مخالفت کی تو نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ "رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ" کے مصداق نہیں"۔ (انتہیٰ)۔

یہ قاضی صاحب کی کل چار عبارتیں ہیں جو ہم نے بلفظہ نقل کی ہیں اور یہ بعینہ وہی عبارتیں ہیں جو ہم اپنی کتاب "سبائی فتنہ" کے ص77 پر پہلے نقل کر چکے ہیں، یہاں عبارت (ب) اور عبارت (ج) کی صرف ترتیب ہم نے درست کی ہے، آئندہ ان کو اسی ترتیب سے پڑھنا چاہئے، قاضی صاحب کی ان چاروں عبارتوں میں سے عبارت (الف)، عبارت (ب) اور عبارت (د) ایک ہی صفحہ یعنی ص476 کی عبارتیں ہیں اور یہ دراصل ایک ہی مسلسل عبارت ہے جس کو افہام و تفہیم میں آسانی کی غرض سے ہم نے تین حصوں میں کر کے درج کیا ہے، ہمارے استدلال کا دار و مدار صرف اور صرف اسی عبارت یا اس کے انہی تین حصوں پر ہے، ان میں سے "الف" اور "ب" والی عبارتوں میں تو حضرت معاویہؓ کے خلاف مظہری استدلال کا پہلا مقدمہ بیان ہوا ہے یعنی یہ کہ "بوجہ تیسرے طبقے سے ہونے کے حضرت معاویہؓ سے رضاءِ الٰہی مشروط تھی مہاجرین و انصار کے اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ" اور عبارت (د) میں اس کا دوسرا مقدمہ بیان ہوا ہے یعنی یہ کہ "یہ پیروی انہوں نے نہیں کی"، باقی رہی عبارت (ج)؟ تو وہ درمیان میں ص548 کی ہے، اس کو درمیان میں ہم عبارت (الف) کی محض تائید مزید کے لئے لائے

ہیں، کیونکہ اس میں بعینہ اور ایک حد تک بلفظہ بھی وہی بات دہرائی گئی ہے جو عبارت (الف) میں بیان ہوئی ہے۔

ہماری کتاب سے اپنی جو عبارت قاضی صاحب نے نقل کی ہے اس میں صرف یہ ہو گیا تھا کہ ان کی عبارت (ب) اور عبارت (ج) اپنی اپنی جگہ درج ہونے کی بجائے ایک دوسری کی جگہ درج ہو گئی تھیں، جس کی وجہ سے عبارت (ب) لفظوں میں عبارت (الف) سے کٹ گئی تھی، بس اسی کو بہانہ بنا کر قاضی صاحب نے دیدہ و دانستہ ہمارے خلاف یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ ''ہم نے ان کی عبارتوں کو درج کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا اور یہ کہ ان کی بعد والی عبارت چھوڑ کر درمیان میں ص548 والی عبارت درج کر دی ہے''، حالانکہ ہم نے بعد والی عبارت چھوڑی نہ تھی بلکہ پہلی عبارت کا اندراج ذرا روک کر اندراج شدہ عبارت کی تائید میں ص548 والی عبارت درمیان میں درج کر کے پھر بقیہ پہلی عبارت کا اندراج بھی کرنا چاہا تھا، عبارتیں ایک جیسی بلکہ ایک دوسری کی عین ہونے کی وجہ سے درج کرنے میں بس تقدیم و تاخیر ہو گئی، اس سے اصل عبارت کے معنیٰ و مفاد اور سباق نتیجہ میں تو کچھ بھی فرق نہ آیا تھا صرف عبارتِ (الف) اور عبارت (ب) میں عبارتِ (ج) کا فاصلہ آ گیا تھا، تاہم اب ہم نے یہ انقطاع بھی ختم کر کے عبارت (ب) کو لفظاً بھی عبارت (الف) سے متصل کر دیا ہے، عبارت (ب) کے بعد اصولی طور پر تو نمبر عبارت (د) کا ہے لیکن ہم نے درمیان میں عبارتِ (ج) درج کر دی ہے یہ چونکہ محض تائید مزید کے لئے ہے اور ہے بھی یہ، عبارتِ (الف) اور عبارتِ (ب) کا عین نہ کہ غیر اس لئے عبارتِ (د) کو عبارتِ (ب) کے ساتھ متصل ہی سمجھنا چاہئے کہ کسی غیر کا فاصلہ درمیان میں نہیں آیا بلکہ عین کا ہی آیا ہے، اس طرح اب ص476 والی اصل عبارت کے تینوں حصے آپس میں مربوط اور حکماً متصل ہی ہو گئے، ایک دوسرے سے منقطع نہ رہے، اس طرح مطلوبہ مظہری عبارت پوری کی پوری درج ہوئی اور اس کا ایسا کوئی ایک جزو بھی نہ چھٹا کہ جس کے بغیر قاضی صاحب کا مقصد پوری طرح سمجھا نہ جا سکتا ہو۔

ہمارے خلاف قاضی صاحب کے اس شوشے کی تمام تر بنیاد ص548 والی عبارت (ج) پر ہے، قارئین اس کو پہلے یا بعد میں کہیں بھی رکھ لیں، درمیان سے بالکل حذف کر کے دیکھ لیں، جہاں چاہے اور جیسے چاہے رکھ کر دیکھ لیں، ص476 والی اصل عبارت کے معنٰی ومفاد، مطلوب ومقصود اور اس کے سہائی نتیجے میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی قطعاً کوئی فرق نہ پڑے گا۔

ہماری گزارش یہ ہے کہ قاضی صاحب سیدھی بات کریں، وہ یہ بتائیں کہ کیا انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت معاویہؓ سے اللہ کی رضاء مشروط تھی مہاجرین وانصار کی اتباع باحسان کے ساتھ؟ نیز کیا انہوں نے یہ بھی نہیں لکھا کہ یہ اتباع اور پیروی انہوں نے نہیں کی تھی؟، پھر کیا یہ دونوں باتیں انہوں نے ایک ہی عبارت میں ایک ہی سلسلۂ استدلال میں نہیں لکھیں؟، اگر جواب نفی میں ہے تو قاضی صاحب انکار کی جرأت دکھلائیں، اور اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر ہم نے بھی اس کے سوا اور کیا کیا ہے؟ پھر مظہری عبارتیں درج کرنے میں ہماری طرف سے دیانت کے خلاف کیا بات ہوئی؟، جب ص548 والی عبارت (ج) کو درمیان میں یا اوپر نیچے کہیں بھی درج کرنے یا بالکل ہی درج نہ کرنے سے حضرت معاویہؓ کے خلاف مظہری استدلال کی مذکورہ استدلالی دونوں باتوں میں کچھ بھی فرق نہیں پڑتا بلکہ اگر ہوتی ہے تو اس سے تائید مزید ہوتی ہے اور بس، تو اس کو درمیان میں درج کرنا دیانت سے کام نہ لینا آخر کیسے بن گیا اور کس قاعدے اور قانون سے بن گیا؟۔

آخری بات

لیکن اس سب کے باوجود بھی قاضی صاحب اگر اسی پر مُصر ہوں کہ ان کی عبارتیں درج کرنے میں دیانت سے کام نہیں لیا تو لیجئے میں ص548 والی عبارت درمیان سے نکال ہی دیتا ہوں، اور صرف ص476 والی عبارت کے ہی پیشِ نظر اب بھی وہی کہتا ہوں کہ یہ مظہری عبارت، حضرت معاویہ ﷜ کو رضاء الٰہی سے محروم بتاتی ہے، کیونکہ اس میں قاضی صاحب نے

حضرت معاویہؓ کے بارے میں دو باتیں کہی ہیں، ایک یہ کہ ''وہ، وہ ہیں جن سے اللہ کی رضاء مشروط تھی مہاجرین وانصار کی اچھے طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ'' اور دوسری یہ کہ ''یہ پیروی انہوں نے نہیں کی تھی بلکہ پیروی کرنے کے بجائے اُلٹا صرف زبانی ہی مخالف نہیں بلکہ عملی جنگ تک کی تھی''، قاضی صاحب کی ان دونوں باتوں کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا کہ حضرت معاویہؓ صحابہ کے لئے ''رضي الله عنهم ورضوا عنه '' کی خدائی سند کے مستحق نہیں بن سکے، کیونکہ جب انہوں نے حضرت علیؓ کی وہ پیروی نہ کی جو رضاء الٰہی کی شرط تھی تو رضاء الٰہی کی شرط نہ پائی گئی، جب رضاءِ الٰہی کی شرط نہ پائی گئی تو رضاءِ الٰہی خود نہ پائی گئی، اور جب ان کے لئے رضاء الٰہی نہ پائی گئی تو وہ ''رضي الله عنهم ورضوا عنه '' کے مصداق نہ بن سکے۔

اب قاضی صاحب فرمائیں کیا فرماتے ہیں؟ اب تو میں نے ص548 والی عبارت درمیان سے نکال دی ہے اور صرف ص476 والی عبارت کا ہی نتیجہ اور مفاد بیان کیا ہے، اب تو قاضی صاحب ارشاد فرمادیں کہ ان کی اس عبارت کا اور حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کے اس استدلال کا یہ نتیجہ نکلتا ہے یا نہیں؟ اگر نتیجہ یہی نکلتا ہے تو آپ کی یہ عبارت، سبائیت کی حاملہ ہوئی یا نہیں؟ اور اگر یہ نتیجہ نہیں نکلتا تو بسم اللہ پھر اس کا صحیح نتیجہ، دلیل سے بیان کیجئے۔

میں نے مولانا سندیلوی کی پوری عبارت کیوں نقل نہیں کی؟

''الجواب'' کے نمبر4 کے تحت قاضی صاحب نے پہلے سندیلوی صاحب کی وہ عبارت نقل کی ہے جو وہ اپنی کتاب ''خارجی فتنہ'' میں بھی نقل کر آئے تھے، اس کے بعد مجھ سے یوں سوال کیا ہے کہ:

''یہاں ابوریحان صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ نے مولانا سندیلوی کی وہ پوری عبارت کیوں نقل نہیں کی جو میں نے خارجی فتنہ میں نقل کی تھی الخ'' (ص37،38)۔

1:...... جواباً عرض ہے کہ اگر میں بھی مولانا سندیلوی کی وہ عبارت نقل کر دیتا تو پھر کیا ہو جاتا؟، کیا اس سے آپ کی عبارت کی سبائیت میں کوئی تخفیف آجاتی؟ آپ نے پہلے اس کو خارجی فتنہ

میں اور اب یہاں نقل کر کے کون سا میدان مار لیا ہے کہ میں پیچھے رہ گیا ہوں؟، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس سے آپ کی عبارت کی سمائیت میں کچھ بھی تخفیف آسکتی ہے تو یہ آپ کی خام خیالی اور غلط فہمی ہے جیسا کہ ابھی ان شاء اللہ بیان ہوا چاہتا ہے۔

2:...... پھر سندیلوی صاحب کی عبارت تو آپ کے نزدیک خارجیت وناصبیت کی ترجمان تھی اور خارجی فتنہ میری کتاب کا موضوع نہ تھا بلکہ میری کتاب کا موضوع تو سبائی فتنہ تھا، دوسرے لفظوں میں میری بحث سندیلوی صاحب کی عبارتوں پر نہ تھی بلکہ آپ کی عبارتوں پر تھی، ان کی عبارتیں تو میں نے بوقت ضرورت ہی نقل کرنی تھیں اور ضرورت پڑنے پر نقل کی بھی ہیں، لیکن یہاں مجھے اس کی ضرورت نہ پڑی تھی۔

3:...... سندیلوی صاحب کی اس عبارت کو نقل کر کے اس پر گفتگو آپ کر چکے تھے، اس پر نہ تو مجھے کسی قسم کے اضافے کی ضرورت تھی، نہ مجھے سندیلوی صاحب کی صفائی ہی دینا تھی اور نہ اس سے آپ کی عبارت کی سبائیت میں کوئی تخفیف ہی ہو سکتی تھی پھر یہ فضول کام میں کرتا تو آخر کیوں؟۔

4:...... اگر میں نے یہاں سندیلوی صاحب کی پوری عبارت نقل نہیں کی تو ادھوری بھی کب نقل کی ہے، پھر آپ "پوری" کا لفظ لکھ کر میرے بارے میں قارئین کو مغالطہ کیوں دے رہے ہیں؟۔

5:...... میرے مخاطب آپ تھے، سندیلوی صاحب نہ تھے، میں نے تو آپ کی ہی عبارتیں نقل کرنی تھیں، سندیلوی صاحب آپ کے مخاطب تھے، ان کی پوری یا ادھوری عبارت نقل کرنا، نہ کرنا آپ کا کام تھا اور آپ کی ہی ضرورت تھی، میرا نہ یہ کام تھا اور نہ یہ میری ضرورت ہی تھی، سو آپ نے اپنی عبارتی واستدلالی سبائیت میں تخفیف پیدا کرنے کے لئے ان کی عبارت نقل کر دی ہے، اب یہ جائزہ لینا میرا کام ہے کہ اس سے آپ کی عبارتی واستدلالی سبائیت میں کچھ تخفیف ہوئی یا نہیں؟ سو اپنا یہ کام ان شاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ میں کس طرح پورا انجام دیتا ہوں۔

میں نے صرف اتنا کیوں لکھ دیا کہ......الخ

اپنے اوپر والے سوال کو مکمل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اور مولانا سندیلوی کے متعلق صرف اتنا کیوں لکھ دیا کہ: ''سندیلوی صاحب نے حضرت علیؓ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے آپ کی رائے کا ماخذ سورۃ التوبہ کی آیت والسابقون الاوّلون من المهاجرین والانصار......الآیة کو بتلایا تھا، حضرت قاضی صاحب مدظلہ اس آیت کو حضرت معاویہؓ پر پلٹتے ہوئے پہلے تو یہ بتلاتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے......الخ'' (ص38)۔

جواباً عرض ہے کہ مولانا سندیلوی کے متعلق صرف اتنا میں نے اس لئے لکھ دیا تھا کہ یہی بنیادی فرق تھا آپ کی اور سندیلوی صاحب کی عبارت، استدلال، طرزِ استدلال اور نتیجۂ استدلال میں، یہی وہ مرکزی نکتہ تھا جہاں سے آپ کی اور سندیلوی صاحب کی راہیں ایک دوسرے سے جدا ہوتی تھیں، یہی بات ما بہ الامتیاز تھی سُنی طرزِ استدلال اور سبائی طرزِ استدلال میں، جیسا کہ تفصیلِ ذیل سے ان شاء اللہ ابھی معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو کہ:

کیا سندیلوی عبارت سے مظہری عبارت کی سبائیت میں کوئی تخفیف آسکتی ہے؟

سندیلوی صاحب کی جو طویل عبارت قاضی صاحب نے ''خارجی فتنہ'' کے بعد یہاں بھی نقل کی ہے، حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنی عبارت کو ہر لحاظ سے حق بجانب باور کرنے کے لئے اس کے جس حصہ سے ان کا استدلال ہے اس کو انہوں نے خود ہی خط کشیدہ کر کے علیحدہ یوں نقل کیا ہے:

''آیت مہاجرین وانصار میں سے سابقین اوّلین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے اور ان کی اتباع کو رضاءِ الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے''۔

پھر اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے اس سے یوں استدلال کیا ہے:

''اس کا مطلب یہی ہے کہ باقی مسلمانوں پر مہاجرین اوّلین کی اتباع لازم ہے اور ان کی اتباع رضاءِ الٰہی حاصل ہونے کا سبب ہے یعنی مہاجرین اوّلین کی اگر اتباع کی جائے تو اللہ

تعالیٰ راضی ہوگا، اگر مولانا ابوریحان یہ عبارت درج کرتے تو مجھ پر ان کے بہتان (1) کی حقیقت قارئین پر واضح ہو جاتی (2)، کیونکہ یہ استدلال تو حضرت علی المرتضیٰ کا پیش کردہ ہے جس کو نقل کرنے والے بھی مولانا سندیلوی ہیں"۔ (ص 38)۔

نیز لکھتے ہیں کہ:

"میں نے تو آیت والسابقون الاوّلون...... الآیۃ سے وہی استدلال پیش کیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس آیت سے اپنے موقف کی تائید میں خود پیش فرمایا تھا اور اس سلسلے میں مولانا سندیلوی کی ہی عبارت پیش کی تھی"۔ (ص 36)۔

قاضی صاحب فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ میں نے حضرت معاویہؓ پر از روئے نصِ قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی کو جو لازم کہا اور اسی پیروی کے ساتھ ان سے اللہ کی رضاء کو جو مشروط بتایا ہے کہ جس کا نتیجہ اللہ کی رضاء سے ان کا مشرف نہ ہوسکنا ہے تو یہ سب کچھ کہا، بتایا ہوا میرا نہیں ہے بلکہ خود حضرت علی المرتضیٰؓ کا کہا، بتایا ہوا ہے جس کو نقل بھی سندیلوی صاحب نے کیا ہے، اور اس سے قاضی صاحب کا مقصد حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے لکھے، کہے کی تمام تر ذمہ داری سندیلوی صاحب اور حضرت علیؓ پر ڈال کر اس سلسلے کی اپنی عبارت، طرزِ استدلال اور نتیجۂ استدلال کی

---

(1) کون سا بہتان؟ کیا آپ نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت معاویہؓ سے اللہ کی رضاء مشروط تھی مہاجرینؓ وانصارؓ کی اتباع باحسان کے ساتھ، اور کیا آپ نے یہ نہیں لکھا کہ یہ اتباع انہوں نے نہیں کی تھی؟ اگر آپ نے یہ نہیں لکھا تو انکار کریں، اور اگر لکھا ہے تو کیا آپ کی ان باتوں کا نتیجہ یہ نہیں نکلتا کہ حضرت معاویہؓ کو اللہ کی رضا نہیں ملی؟، اگر یہ نتیجہ نہیں نکلتا تو صحیح نتیجہ بتائیں اور اگر یہی نتیجہ نکلتا ہے تو پھر یہ بہتان ہوا یا آپ کے ہی لکھے، کہے کا پورا بیان؟۔ منہ

(2) آپ نے سندیلوی صاحب کی یہ عبارت درج کردی نا؟ اس سے کون سی حقیقت واضح ہوئی اور کیا واضح ہوئی؟ بس یہی نا کہ "حضرت معاویہؓ کو رضاء الٰہی سے محروم اور نصِ قرآنی کا مخالف بتانے میں، میں تنہا نہیں بلکہ اس میں میرے ساتھ سندیلوی صاحب بلکہ خود حضرت علیؓ بھی شریک ہیں بلکہ اصل تو وہی ہیں میں تو اس میں ان کا تابع ہوں"؟، یہ حقیقت نہیں بلکہ سندیلوی صاحب پر، بالخصوص حضرت علی المرتضیٰؓ پر بہتان ہے، نہ حضرت علیؓ نے ہی یہ کچھ کہا ہے اور نہ سندیلوی صاحب نے ہی یہ کچھ بتایا ہے بلکہ یہ خالص چکوالیت ومظہریت ہے، جیسا کہ قارئین کے سامنے ہے۔ منہ

سبائیت کو مہذل بسکیت کرنا یا کم از کم اس میں کچھ تخفیف ہی پیدا کرنا ہے، یہ مقصد ان کا پورا ہوا یا نہیں؟ اس کا جائزہ لینے سے پہلے قارئین کو یہ بتا دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ:

قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں اگر مسلکِ حق واعتدال بیان کیا ہے تو وہ اپنے کہے، لکھے کے نتائج کی ذمہ داری آخر کیوں نہیں قبول کرتے؟

دعویٰ تو قاضی صاحب کا یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں قرآن وحدیث پر مبنی اہل السنۃ کے مسلکِ حق واعتدال کی ترجمانی کی ہے، مسلکِ حق کے تحفظ کے لئے ہی کتاب لکھی ہے، اور یہ کہ وہ بالکل مطمئن ہیں کہ مشاجراتِ صحابہؓ میں ادھر اُدھر سے ہٹ کر مسلکِ حق کی ترجمانی کی خدمت ان کو نصیب ہوئی ہے، لیکن جب ان کی کسی بات کا اصول اہل السنۃ، قواعدِ اجتہاد اور صحابہؓ کی شان کے خلاف ہونا بیان کیا جاتا ہے تو وہ اس کی ذمہ داری اپنے سر لینے کے بجائے اوروں پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کو اپنا مسلک کہنے سے گھبراتے ہیں، اس کے صحیح یا غلط ہونے کی تصریح کرنے سے کتراتے ہیں حتیٰ کہ اس کو مسلکِ حق واعتدال بتانے تک سے بھی پہلوتہی کرتے ہیں، اس کے بجائے اہلِ باطل کی طرح یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ "یہ میری بات تو نہیں"، "یہ تو میں نے فلاں کی بات نقل کی ہے"، "میں نے تو یوں صرف صورۃً کہا ہے"، "میں نے تو یہ الزاماً کہا ہے"۔ مثلاً دیکھئے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص (رضی اللہ عنہما) کے خلاف انہوں نے حدیث "ضلا وضل من اتبعھما" سے استدلال کیا، اس کو قرآن کی روشنی میں بالکل صحیح کہا، جب بتایا گیا کہ یہ حدیث تو موضوع ہے، صحابہ کرامؓ کی شان کے خلاف ہے، تو یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث، موضوع ہے یا نہیں؟ صحابہؓ کی شان کے خلاف ہے یا نہیں؟ میرا استدلال برحق ہے یا نہیں؟ میرا مسلک وعقیدہ یہی ہے یا نہیں؟ اس کو نقل کر کے میں نے مسلکِ حق واعتدال کی ترجمانی کی ہے یا نہیں؟ بلکہ اپنے کئے کترے کی ساری ذمہ داری حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پر ڈال دی کہ میں نے تو وہاں سے نقل کی ہے، اور مطمئن ہو گئے کہ مسلکِ حق واعتدال کی ترجمانی کا حق ادا ہو گیا۔

اسی طرح صحابہؓ کے بارے میں گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت، اللہ کے حکم کی مخالفت، جیسے نازیبا الفاظ بڑی تحدی سے لکھے، بلاتکلف لکھے، بار بار لکھے، جب کرنے والوں نے گرفت کی تو یہ نہیں بتایا کہ یہ الفاظ صحابہؓ کی شان کے مطابق ہیں یا نہیں؟ ان کا میرے قلم پر آنا صحیح تھا یا غلط؟ اہل السنۃ کا مسلکِ حق واعتدال صحابہؓ کے بارے میں ایسے ہی الفاظ لکھنے اور لکھتے ہی چلے جانے کا ہے یا نہیں؟ بلکہ یہ راگ الاپنا شروع کردیا کہ میں نے تو یہ سب کچھ محض "صورۃً" کہا ہے، "الزاماً" کہا ہے، اور سمجھے کہ اس طرح میرا یہ سب کچھ کہا لکھا جائز ہوگیا۔

یہی حال حضرت معاویہؓ کے خلاف یہاں زیرِ بحث ان کے استدلال کا ہے، اس کو لاجواب استدلال کہا، سندیلوی صاحب کو چیلنج کیا کہ "قرآن کا جواب قرآن سے چاہیے، اگر جواب نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے تو حضرت معاویہؓ کی اجتہادی خطا تسلیم کرکے نصِ قرآنی کے تقاضا پر عقیدہ رکھیں"، لیکن جب ہم نے ان کے اس استدلال کا اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہونا بیان کیا تو یہ نہیں بتایا کہ یہ مظہری استدلال، طرزِ استدلال اور یہ اندازِ بیان، اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہے یا نہیں؟، ہمارا بتایا ہوا اس کا سبائی نتیجہ اس سے نکلتا ہے یا نہیں؟، ان کا طرزِ استدلال حضرت معاویہؓ کو رضاءِ الٰہی سے محروم بناتا ہے یا نہیں؟، صحابہؓ کے خلاف ایسا طرزِ استدلال اور اندازِ بیان اہل السنۃ کا مسلک ہے یا نہیں؟، بلکہ اپنے لکھے، کہے کی ساری ملا ملا سندیلوی صاحب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ڈال دی کہ یہ سب کچھ تو انہی کا لکھا، کہا ہوا ہے، اور خیال کر بیٹھے کہ حضرت معاویہؓ کی شرعی عظمت کے تحفظ کا حق ادا ہوگیا۔

یہاں قاضی صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنا یہ طرزِ استدلال اور اندازِ بیان اپنے تئیں صحیح سمجھ کر اختیار کیا ہے یا غلط سمجھ کر؟، اگر صحیح سمجھ کر اختیار کیا ہے تو بس ہمیں آپ کے اس صحیح سمجھنے سے ہی غرض ہے اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں کہ یہ استدلال اور کس کس نے پیش کیا اور کس کس نے نقل کیا ہے، پھر پہلے آپ اپنی بات کریں، اس کو حق

وصواب کہنے کی جرأت کریں، اس کو اصولِ اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے مطابق بنانے، بتانے کی ہمت کریں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس استدلال کو پیش کرنا اور سندیلوی صاحب کا اس کو نقل کرنا نہیں تب بتلائیں جب ہم اس کا آپ سے پوچھیں۔

اور اگر آپ نے اس طرزِ استدلال اور اندازِ بیان کو غلط سمجھتے ہوئے اپنایا ہے تو کیا ایک کی غلطی دوسرے کی غلطی کے لئے حجت ہوسکتی ہے؟، کیا کسی کی غلطی سے دوسرے کی غلطی میں کوئی تخفیف آسکتی ہے؟، پھر اس کو غلط سمجھتے ہوئے بھی جو آپ سندیلوی صاحب اور حضرت علیؓ کو اپنی صفائی میں پیش کررہے ہیں تو اس سے آپ کو کیا فائدہ؟۔

اس لئے یہاں آپ کا سندیلوی صاحب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حوالہ دینا اگر بالفرض درست بھی ہوتا تو تب بھی اس سے آپ کی عبارت، طرزِ استدلال اور نتیجۂ استدلال کی سبائیت نہ مبدل بسنیت ہی ہوسکتی تھی اور نہ اس میں کچھ تخفیف ہی آسکتی تھی، حالانکہ اب تو آپ کا ان کو اپنی صفائی میں پیش کرنا ہے ہی بالکل غلط اور بالکل بے محل جیسا کہ تفصیل ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ پر مظہری بہتان

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو اپنی صفائی میں قاضی صاحب کا پیش کرنا اس لئے غلط ہے کہ حضرت علیؓ نے کہیں بھی یہ استدلال حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا، قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے اس استدلال کو خود حضرت علیؓ کا پیش کردہ استدلال جو کہا ہے تو یہ ان کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بہتان ہے۔

میں قاضی صاحب کو حضرت علیؓ پر مظہری بہتان تراشی کا بڑا الزام دے رہا ہوں، ان کو چاہئے کہ وہ میدان میں اتریں اور اپنے آپ کو اس الزام سے بَری ثابت کرنے کے لئے ہمیں بتائیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے موقف کی تائید میں خود یہ استدلال کب اور کہاں پیش کیا ہے؟۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استدلال صرف اتنا ہی منقول ہے جتنا قاضی صاحب نے سندیلوی صاحب کی عبارت میں ''البدایۃ والنہایۃ'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے یعنی ''انما الناس مع

المهاجرین والانصار......الخ ''اور''انما ھذا للبدریین دون غیرھم '' اور بس، رہا اس سے آگے آیت ''والسابقون الاوّلون ...... الآیۃ '' سے بھی اس موقع پر خود حضرت علیؓ کا استدلال کرنا؟ تو یہ ابھی تک قاضی صاحب کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے جس کا کوئی ثبوت انہوں نے پیش نہیں کیا، سندیلوی صاحب نے اس آیت کو حضرت علیؓ کی رائے کا اگر ماٰخذ قرار دیا ہے تو وہ ان کا اپنا ایک خیال ہے، خود حضرت علیؓ کا استدلال ہرگز ہرگز نہیں ہے، حضرت علیؓ اس آیت سے خود استدلال کر ہی کیسے سکتے تھے جبکہ خود حضرت قاضی صاحب نے ہی یہ تصریح کر دی ہے کہ دور صحابہؓ میں صحابہؓ کے پیش نظر یہ نصوص نہ تھیں، اس وقت صحابہؓ نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کیا تھا (خارجی فتنہ، ص534 / ج1) لہٰذا قاضی صاحب کا حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے اس استدلال کے بارے میں یہ کہنا کہ:

''میں نے تو آیت والسابقون الاوّلون...... الآیۃ سے وہی استدلال پیش کیا ہے جو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس آیت سے اپنے موقف کی تائید میں خود پیش فرمایا ہے''۔

یہ اگر حضرت علیؓ پر ان کا بہتان نہیں ہے تو وہ اس کا ثبوت پیش کریں، ورنہ پھر بہتان تو بہرحال بہتان ہی ہے خواہ ابوریحان کا ہو قاضی صاحب پر یا قاضی صاحب کا ہو حضرت علی المرتضیٰؓ پر، ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ جتنا فرق قاضی صاحب اور حضرت علی المرتضیٰؓ میں ہے اتنا ہی فرق ابوریحان کے بہتان (اگر وہ ثابت ہو جائے) اور قاضی صاحب کے بہتان میں بھی ہوگا، جب تک قاضی صاحب اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے کہ حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کا یہ استدلال، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہی پیش کردہ استدلال ہے، اس وقت تک ان کے اس استدلال کو ان کا اپنا استدلال ہی سمجھا جائے گا جس کے ہر قسم کے نتیجہ کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی قرار پائیں گے اور ان پر ہمارا اعتراض بھی اس وقت تک بحال رہے گا، دیکھئے قاضی صاحب اس بار ثبوت سے کب عہدہ برآ ہوتے اور کب ہمارے اعتراض کا دفعیہ کرتے ہیں؟۔

☆☆☆

سندیلوی عبارت سے مظہری استناد کی حقیقت

باقی رہا قاضی صاحب کا اپنی صفائی میں سندیلوی صاحب کی عبارت کو پیش کرنا اور یہ کہنا کہ "میں نے تو......اس سلسلے میں مولانا سندیلوی کی ہی عبارت پیش کی تھی" (ص36) نیز یہ کہ حضرت علیؓ کے خود پیش کردہ استدلال کو "نقل کرنے والے بھی مولانا سندیلوی ہیں" (ص38) یہ بھی قاضی صاحب کو ہرگز ہرگز مفید نہیں، کیونکہ حضرت علیؓ کے جس استدلال کو سندیلوی صاحب نے قاضی صاحب کے بقول، نقل کیا ہے جب سرے سے وہ استدلال ہی حضرت علیؓ کا ثابت نہ ہوا تو اصولی طور پر سندیلوی صاحب کی وہ نقل اور عبارت ہی سرے سے بے بنیاد ہوئی، اور ایسی بے بنیاد نقل و عبارت سے استناد اور وہ بھی ایک جلیل القدر مجتہد صحابیؓ کے خلاف؟ جتنا کچھ مفید اور مؤثر ہو سکتا ہے سب جانتے ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے بھی حضرت معاویہؓ کے خلاف اس آیت سے قاضی صاحب کا استدلال خالص خود ان کا اپنا ہی استدلال قرار پاتا ہے اور اس کے ہر قسم کے نتیجے کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ٹھہرتے ہیں۔

قاضی صاحب چاہتے تو سندیلوی صاحب کی اس نقل و عبارت کو ہی غلط قرار دے سکتے تھے لیکن انہوں نے حضرت معاویہؓ کے اجتہادی موقف کو ہی بہر صورت غلط ٹھہرانا تھا، اس کے لئے ایسی بے بنیاد نقل و عبارت کا سہارا بھی ان کو کافی تھا، لہٰذا انہوں نے اس بے بنیاد نقل و عبارت کو تو صحیح فرض کر لیا اور اس کی بنیاد پر حضرت معاویہؓ کے موقف کو بڑی تحدی کے ساتھ غلط قرار دے دیا، اس پر بھی غرہ ان کو یہ ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی شرعی عظمت کا پورا پورا تحفظ کیا ہے۔

یہ تو گفتگو تھی قاضی صاحب کے لکھے ہوئے کے مطابق، لیکن جہاں تک امر واقعہ کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ آیت "اتباع باحسان" سے سندیلوی صاحب کے جس استدلال کو قاضی صاحب نے اسی آیت سے اپنے استدلال کی بنیاد بنایا ہے وہ استدلال، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیش کردہ نہیں بلکہ سندیلوی صاحب کا ہی پیش کردہ ہے، سندیلوی صاحب اس کے ناقل نہیں بلکہ خود ہی اس کے مُستدِل ہیں، لیکن یہ بعینہ وہی استدلال ہرگز نہیں ہے جو اس آیت سے قاضی صاحب

نے کیا ہے، قاضی صاحب کا اپنے استدلال کو وہی استدلال بتانا جو اس آیت سے سندیلوی صاحب نے کیا ہے (جس کو قاضی صاحب غلطی سے حضرت علیؓ کا پیش کردہ استدلال کہہ رہے ہیں) بالکل غلط ہے، ان سندیلوی ومظہری دونوں استدلالوں میں نسبت، توافق کی ہرگز نہیں بلکہ تضاد کی ہے، کیونکہ:

الف:...... سندیلوی استدلال، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اجتہادی موقف کے لئے تھا، جبکہ مظہری استدلال، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہادی موقف سے متعلق ہے۔

ب:...... سندیلوی استدلال، حضرت علیؓ کے موقف کی تائید وتصحیح کے لئے تھا، جبکہ مظہری استدلال حضرت معاویہؓ کے موقف کی تردید وتغلیط کے لئے ہے۔

ج:...... سندیلوی استدلال، قاعدہ کے مطابق محض ظنی تھا، چنانچہ انہوں نے اپنا استدلال شروع ہی ان الفاظ سے کیا تھا کہ "ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے کا ماٴخذ سورۃ التوبہ پارہ 11 کی مندرجہ ذیل آیت تھی" (ماہنامہ حق چار یار، ص38) یہ سندیلوی صاحب اپنا خیال ظاہر کر رہے ہیں، اس آیت کو حضرت علیؓ کے موقف کی قطعی دلیل نہیں بنا رہے، جبکہ اس کے مقابل مظہری استدلال بالکل خلاف قاعدہ قطعی ہے، تبھی تو قاضی صاحب اپنے اس استدلال پر سندیلوی صاحب کو یہ چیلنج دیتے ہیں کہ "مسئلہ حالات کا نہیں مسئلہ نصِ قرآنی کے تقاضا کا ہے، قرآن کا جواب قرآن سے چاہئے، اگر جواب نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے تو ......الخ" (خارجی فتنہ، ص477/ج1) اور ایسی چیلنج بازی، قطعی دلیل اور اس سے قطعی استدلال پر ہی ہوسکتی ہے۔

د:...... سندیلوی استدلال کا نتیجہ حضرت علیؓ کے موقف کا بالکل صحیح ہونا تھا چنانچہ سندیلوی صاحب نے اس آیت سے استدلال کر کے خود ہی اس کا نتیجہ یوں بیان کیا تھا کہ "شرعی زاویہ نظر سے ان کا موقف بالکل صحیح تھا اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں" (حق چار یار، ص37) جبکہ مظہری استدلال کا نتیجہ حضرت معاویہؓ کے موقف کا بالکل غلط ہونا ہے، چنانچہ قاضی صاحب نے اس آیت سے استدلال کر کے خود ہی اس کا نتیجہ یوں بیان کیا ہے کہ "تو اس صورت میں حضرت

معاویہؓ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے'' (خارجی فتنہ، ص 476 / ج 1)۔

یہ تو اس وقت ہے جبکہ سندیلوی استدلال کو مثبت لیا جائے، لیکن اگر اس کا منفی پہلو لے کر مظہری استدلال کی طرح اس کو بھی حضرت معاویہؓ کے خلاف ہی قرار دیا جائے تو تب بھی قاضی صاحب یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے اس آیت سے وہی استدلال پیش کیا ہے جو سندیلوی صاحب نے نقل کیا ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی ان دونوں استدلالوں میں کئی طرح سے فرق موجود ہے۔

الف:...... سندیلوی استدلال میں مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کو اس آیت کی رو سے سب مسلمانوں کا متبوع ومقتدا کہا گیا تھا، بعد والوں پر ان کی پیروی لازم ہونے کی تعبیر اختیار نہ کی گئی تھی، جبکہ مظہری استدلال میں از روئے نصِ قرآنی ان کی پیروی لازم ہونے کی تعبیر اختیار کی گئی ہے، اور کسی کا متبوع ومقتدا ہونا اس سے کسی مسئلہ میں اختلاف کے منافی نہیں ہوتا، ایک آدمی اپنے کسی متبوع ومقتدا سے کسی مسئلہ میں اختلاف رائے کر کے بھی بدستور اس کا تابع ومقتدِی اور وہ دوسرا آدمی بدستور اس کا متبوع ومقتدا رہ سکتا ہے۔

قاضی صاحب کو ہی لیجئے! وہ، حضرت معاویہ، حضراتِ حکمین، حضرات عائشہ، طلحہ، زبیر ودیگر اصحاب جمل وصفین (رضی اللہ عنہم) کو یقیناً اپنا متبوع ومقتدا ہی جانتے، مانتے اور کہتے ہوں گے، لیکن اس کے باوجود ان کی جملی وصفینی رائے سے وہ اختلاف بھی رکھتے ہیں، بخلاف کسی کی پیروی کے لازم ہونے کے کہ اس صورت میں اس سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرنا اس کے منافی ہوتا ہے، ایک آدمی اپنے کسی ایسے آدمی سے جس کی پیروی اس پر لازم ٹھہرائی گئی ہو اختلاف رائے کر کے اس کا پیرو نہیں قرار پا سکتا۔

لہٰذا سندیلوی استدلال کا منفی پہلو لے کر اس کو حضرت معاویہؓ کے خلاف بھی اگر بنایا جائے تو تب بھی ان کی اس متبوعیت ومقتدائیت والی تعبیر میں ان کی طرف سے عذر پیش کئے جانے کی گنجائش بھی موجود ہے، یعنی ان کے صفینی موقف کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس

نصِ قرآنی کے تقاضا کے خلاف نہ تھا، کیونکہ اس نص کا تقاضا سابقین مہاجرین والانصار کا متبوع ومقتدا ہونا ہے، سو حضرت معاویہؓ بھی ان کو اپنے اختلاف کے باوجود اپنا متبوع ومقتدا ہی جانتے اور مانتے تھے، بخلاف مظہری استدلال اور اس کی تعبیر کے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے صفینی موقف کو اس نصِ قرآنی کے خلاف تو ٹھہراتا ہے لیکن اس میں ان کی طرف سے کسی ایسی توجیہ یا عذر معذرت کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا۔

ب :...... پھر سندیلوی استدلال میں متبوع ومقتدا ہونا بھی مطلقاً سابقین مہاجرین وانصار کا بیان کیا گیا تھا، ان میں سے کسی خاص فرد کا متبوع ومقتدا ہونا بیان نہ کیا گیا تھا، اور مشاجرات میں چونکہ سب سابقین مہاجرین وانصار کا ایک ہی موقف نہ تھا بلکہ خود ان کے بھی مختلف مواقف تھے اس لئے ان میں سے کسی بھی موقف کی اتباع واقتدا کر کے حضرت معاویہؓ کے لئے اپنے موقف میں نصِ قرآنی کا مخالفت کے الزام سے بچنے کا موقع سندیلوی استدلال میں موجود تھا، اس کے لئے سبھی سابقین مہاجرین وانصار کے سبھی مواقف کی اتباع واقتداء ضروری نہ تھی، بخلاف مظہری استدلال کے کہ اس میں چونکہ مہاجرین اوّلین کے ایک خاص فرد یعنی حضرت علیؓ کی پیروی کو لازم بتایا گیا ہے اس لئے اس میں خاص حضرت علیؓ کی پیروی نہ کرنے کی صورت میں نصِ قرآنی کی مخالفت کے الزام سے بچنے کا حضرت معاویہؓ کے لئے کوئی موقع نہیں ہے، بس یا پیروی یا نصِ قرآنی کی مخالفت کا الزام۔

ج :...... نیز سندیلوی استدلال میں سابقین مہاجرین وانصار کی اتباع کو رضاءِ الٰہی کا سبب کہا گیا تھا، اور قاعدہ ہے کہ ایک مُسَبَّب کے اگر کئی سبب ہوں تو کسی ایک سبب کے نہ پائے جانے سے اس مُسَبَّب کا نہ پایا جانا لازم نہیں آیا کرتا، لہٰذا حضرت معاویہؓ اگر سابقین مہاجرین وانصار میں سے کسی فریق کی بھی اتباع واقتداء بالفرض نہ کرتے تو تب بھی ان کا رضاءِ الٰہی سے محروم ہونا سندیلوی استدلال کی رُو سے لازم نہ آتا تھا اس لئے کہ صحابہؓ سے رضاءِ الٰہی کے اور بھی بہت سے اسباب موجود تھے، اس خاص سبب سے نہ سہی دوسرے اسباب سے وہ مُسَبَّب کہی جا سکتی تھی، بخلاف

مظہری استدلال کے کہ اس میں مہاجرین اوّلین وانصار کی اس اتباع کو رضاء الٰہی کی شرط قرار دیا گیا ہے، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ شرط کے فوت ہو جانے سے مشروط فوت ہو جایا کرتا ہے، لہٰذا حضرت معاویہؓ کی طرف سے حضرت علیؓ یا کسی بھی سابق مہاجر وانصار کی اتباع نہ پائی جانے کی صورت میں ان کے لئے رضاءِ الٰہی کے نہ پائے جانے کے سوا مظہری استدلال کا اور کوئی نتیجہ نہیں ہوسکتا۔

د :...... اسی طرح چوتھا فرق دونوں استدلالوں میں یہ بھی ہے کہ سندیلوی استدلال میں قیاس کا صرف ایک ہی مقدمہ مذکور تھا یعنی "سابقین مہاجرین وانصار کی اتباع کا سبب رضاء الٰہی ہونا" اس کا دوسرا مقدمہ یعنی "حضرت معاویہؓ کا ان کی یہ اتباع نہ کرنا" اس میں مذکور نہ تھا، لہٰذا اس دوسرے مقدمہ کی ذمہ داری سندیلوی صاحب پر نہ تھی بلکہ سندیلوی استدلال سے مظہری استدلال والا سبائی نتیجہ نکالنے کے لئے جو یہ مقدمہ اس میں جوڑتا وہی اس کا ذمہ دار بھی ٹھہرتا، بخلاف مظہری استدلال کے کہ اس میں قیاس کے یہ دونوں مقدمے بالتصریح عبارۃ النص کے طور پر موجود تھے لہٰذا اس کے سبائی نتیجہ کے ذمہ دار بھی صرف اور صرف قاضی صاحب ہی تھے۔

الغرض آیتِ "اتباع باحسان" سے حضرت معاویہ کے خلاف قاضی صاحب کے استدلال کی کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کوئی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ یا سندیلوی صاحب پر نہیں آتی، بلکہ اس کے تمام تر ذمہ دار تن تنہا خود قاضی صاحب ہی ہیں، اور نہ سندیلوی عبارت سے مظہری عبارت، طرزِ استدلال اور نتیجۂ استدلال کی سبائیت میں کچھ تخفیف ہی آتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیش کردہ تو یہ استدلال سرے سے ہے ہی نہیں، قاضی صاحب کا اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پیش کردہ استدلال کہنا ان پر مظہری بہتان ہے، اور سندیلوی صاحب نے جو اس آیت سے استدلال کیا ہے تو وہ مظہری استدلال سے مختلف ہے، اپنی اصلی یعنی مثبت حیثیت میں تو وہ حضرت علیؓ کے موقف کی تائید وتصحیح کے لئے ہے، حضرت معاویہؓ کے موقف کی تردید وتغلیط کے لئے نہیں، جبکہ مظہری استدلال کا مقصد ہی حضرت معاویہؓ کے موقف کی تردید وتغلیط ہے، فشتّان ما بینھما ، کہاں

حضرت علیؓ کے موقف کی تائید وتصحیح اور کہاں حضرت معاویہؓ کے موقف کی تردید وتغلیط؟، اور اگر سندیلوی استدلال کو منفی بنا کر اس کو بھی حضرت معاویہؓ کے موقف سے ہی متعلق کرلیا جائے تو پھر بھی سندیلوی اور مظہری استدلال ایک دوسرے سے مختلف ہیں، ایک تو اس لحاظ سے کہ سندیلوی استدلال کا نتیجہ حضرت معاویہؓ کا رضاء الٰہی سے مشرف نہ ہوسکنا اور ان کے موقف کا اس نصِ قرآنی کے خلاف ہونا، یقینی نہیں جبکہ مظہری استدلال کا نتیجہ اس کے سوا کچھ اور بنتا ہی نہیں، اور دوسرا اس اعتبار سے یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں کہ سندیلوی استدلال کی تعبیر میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے صفائی پیش کی جانے کی گنجائش بھی موجود ہے جبکہ مظہری استدلال کی تعبیر میں یا تو ایسی گنجائش ہے ہی نہیں یا اتنی نہیں۔

لہٰذا قاضی صاحب اپنے استدلال کی، طرز استدلال کی، غرضِ استدلال کی اور نتیجۂ استدلال کی بات کریں، سندیلوی صاحب کی عبارت کو چھوڑیں کہ وہ ان کے مطلب کی نہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تو اس سلسلے میں قاضی صاحب، نام بھی نہ لیں کہ ان کا دامن مظہری استدلال سے اس طرح پاک ہے جس طرح دمِ عثمان رضی اللہ عنہ سے۔

آیت میں ''اتباع'' سے کون سی ''اتباع'' مراد ہے؟

آخری مسئلہ اپنے تبصرہ کی پہلی قسط میں قاضی صاحب نے یہ اٹھایا ہے کہ آیت ''والذین اتبعوھم باحسان'' میں مذکور اتباع سے یہاں کون سی اتباع مراد ہے؟۔

پس منظر اس کا یہ ہے کہ قاضی صاحب نے سندیلوی صاحب کی ضد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف آیت اتباع باحسان سے استدلال کرتے ہوئے ان کے بارے میں دو باتیں کہی تھیں، ایک یہ کہ ''ان سے اللہ کی رضا مشروط تھی، مہاجرین اوّلین وانصار کی اتباع باحسان کے ساتھ''، اور دوسری یہ کہ ''یہ اتباع انہوں نے نہیں کی تھی بلکہ اُلٹا حضرت علیؓ جیسے مہاجر سابق اور موعود خلیفہ راشد کی قولی وفعلی مخالفت کی تھی''، قاضی صاحب کی ان دونوں باتوں کا منطقی نتیجہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اللہ کی رضاء سے مشرف نہ ہوسکنے کے سوا اور کچھ نہ تھا، میں نے مظہری

استدلال کا یہ نتیجہ دکھلا کر پہلے تو یہ بتلایا تھا کہ مظہری استدلال کا یہ انداز اور اس کی یہ تعبیر، اصول اجتہاد اور حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر مجتہد صحابی کی شان کے خلاف ہے، پھر میں نے یہ بتاتے ہوئے کہ حضرت معاویہؓ نے رضاء الٰہی کی یہ شرط بھی علیٰ وجہ الاتم پوری کی تھی اور دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی طرح وہ بھی رضاءِ الٰہی سے بجا طور پر مشرف تھے، ایک بات یہ لکھی تھی کہ:

"آیت زیر بحث میں جس اتباع باحسان کا ذکر ہے اس سے تقریباً بالاتفاق اتباع ایمانی واحسانی مراد ہے نہ کہ اتباع اجتہادی، اور یہ اتباع حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ سمیت تمام ہی السابقون الاوّلونؓ کی کر کے رضاءِ الٰہی کی یہ شرط بھی چونکہ پوری کر دی تھی اس لئے اس آیت کی رُو سے وہ بھی رضاءِ الٰہی سے بجا طور پر مشرف ٹھہرتے ہیں" (ملخصاً)۔

لیکن قاضی صاحب کو یہ پسند نہ آیا کہ حضرت معاویہؓ، رضاءِ الٰہی کی یہ شرط پوری کرتے ہوئے نظر آئیں اس لئے انہوں نے میری اس بات کو رد کرنا اور حضرت معاویہؓ کو رضاء الٰہی کی یہ شرط پوری نہ کرتا ہوا دکھانا ضروری سمجھا، چنانچہ اس سلسلے میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کا حاصل انہی کے الفاظ میں درج ذیل تین باتیں ہیں:

الف:...... مولانا ابو ریحان کا یہ حصر صحیح نہیں کہ والذین اتبعوھم باحسان میں صرف ایمان کی اتباع مراد ہے، یہ صرف ایک قول ہے، دوسری تفاسیر میں ایمان کے علاوہ دوسرے اقوال واعمال میں بھی اتباع مراد ہے۔

ب :...... میری بحث مولانا ابو ریحان سے اس بات میں ہے کہ کیا حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی والذین اتبعوھم سے صرف ایمان میں اتباع مراد لی ہے یا دوسرے امور میں بھی، تو مولانا سندیلوی کی تشریح کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایمان کے علاوہ دوسرے امور میں بھی اتباع مراد لی ہے۔

ج :...... فرمایئے قرآن کے چوتھے موعود خلیفہ راشد جو مہاجرین اوّلین میں سے ہیں، کیا ان کے ساتھ جنگ کرنا بھی خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل ہے؟۔ (ص 39،40)۔

قاضی صاحب، حضرت معاویہؓ کو رضاءِ الٰہی والی شرط پوری نہ کرنے والا بنانے پر ہی آخر کیوں بضد ہیں؟

قاضی صاحب کی مذکورہ باتوں کا جواب عرض کرنے سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ "آیت اتباع باحسان" سندیلوی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید میں پیش کی تھی، میں نے اس کی تردید نہ کی تھی، حضرت علیؓ نے اس اتباع سے جو بھی مراد لی تھی میں نے اس کی تغلیط نہ کی تھی، موقفِ مرتضوی کی یہ سندیلوی دلیل میں نے نہ توڑی تھی، اس کو بے دلیل میں نے نہ بنایا تھا، کیا تھا تو صرف یہ کیا تھا کہ قاضی صاحب نے اس آیت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر پلٹتے ہوئے ان پر اس نصِ قرآنی کی مخالفت کا جو سیاسی الزام لگایا تھا، میں نے اس سے ان کی براءت بیان کی تھی، ان کو اس نصِ قرآنی پر بھی عمل کرتا ہی دکھایا تھا، اسی طرح قاضی صاحب نے ان کو رضاءِ الٰہی والی شرط پوری نہ کرنے والا بتا کر رضاءِ الٰہی سے ان کے مشرّف نہ ہوسکنے کا جو تاثر دیا تھا میں نے اس کا ازالہ کیا تھا، ان کو رضاءِ الٰہی والی یہ شرط پوری کرنے والا بتا کر دیگر صحابہؓ کی طرح ان کا بھی رضاءِ الٰہی سے مشرّف ہونا بیان کیا تھا۔

اور اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف اور ان کے موقف کے لئے اس آیت سے کیے گئے سندیلوی استدلال پر قطعاً کچھ بھی زد نہ پڑتی تھی، کیونکہ مدِ مقابل مجتہدین میں سے ایک مجتہد کے استدلال کا دوسرا مجتہد اگر کوئی جواب دے دے یا اپنے مذہب کے مطابق اس کی کوئی تاویل کر دے تو اس سے مُستدِل مجتہد کا استدلال ختم یا مجروح نہیں ہو جایا کرتا، بلکہ مجیب مجتہد سے مخالفتِ نص کا الزام صرف دور ہو جایا کرتا ہے، مثلاً رفع یدین یا قراءۃ فاتحہ خلف الامام جیسے فقہی اختلافی مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اگر ادلۂ شافعیہ کا جواب دیتے یا اپنے مذہب کے مطابق ان کی کوئی تاویل کرتے ہیں تو اس سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل اور ان سے ان کے استدلالات ہی ختم نہیں ہو جاتے، اسی طرح بالعکس بھی، بلکہ مجیب مجتہد سے مخالفتِ نصوص کا الزام صرف دور ہو جاتا ہے، اسی طرح یہاں سمجھئے کہ آیتِ اتباع باحسان سے سندیلوی صاحب نے

حضرت علیؓ کے موقف کی تائید میں استدلال کیا تھا، قاضی صاحب نے اصول اہل السنۃ اور قواعد اجتہاد کے بالکل خلاف اس کو حضرت معاویہؓ پر پلٹ کر اس نصِ قرآنی کی مخالفت کا الزام لگا دیا اور ان کو رضاءِ الٰہی والی یہ شرط پوری نہ کرنے والا بتا کر نتیجۃً ان کو رضاءِ الٰہی سے محروم بنا دیا تھا، میں نے ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہوئے نصِ قرآنی کی مخالفت والے اس مظہری الزام سے ان کی براءت بیان کی تھی، ان کو رضاءِ الٰہی والی یہ شرط بھی پوری کرنے والا بتا کر ان کو بھی رضاءِ الٰہی سے مشرف بنایا تھا، اس سے نہ حضرت علیؓ کے موقف پر کوئی زد پڑتی تھی اور نہ ان کا سندیلوی استدلال ہی ختم یا مجروح ہوتا تھا۔

سوال یہ ہے کہ پھر بھی قاضی صاحب کو اس پر یوں ردوکد کی ضرورت آخر کیوں پیش آئی؟ حضرت معاویہؓ کی یہ براءت ان کو آخر کیوں نہیں بھائی؟، ان کو ضرور بالضرور رضاءِ الٰہی والی یہ شرط پوری نہ کرنے والا بنانے پر ہی آخر وہ کیوں بضد ہیں؟، ان کو نصِ قرآنی کی مخالفت کرتا دکھانے پر ہی آخر وہ کیوں مُصر ہیں؟، ان کو اس نصِ قرآنی پر بھی عمل کرتا اور رضاءِ الٰہی کی یہ شرط بھی پوری کرتا دیکھنا آخر وہ کیوں برداشت نہیں کر سکتے؟، آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

اس کے بعد اب ملاحظہ ہو بالترتیب قاضی صاحب کی مذکورہ باتوں کا جواب:

میں نے اس اتباع کا حصر نہیں کیا اتباعِ ایمانی میں

پہلی بات تو قاضی صاحب نے میرے بارے میں یہ کہی ہے کہ:

”میں نے آیتِ اتباع باحسان والی اتباع کا حصر کر دیا ہے اتباعِ ایمانی میں جو کہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ صرف ایک قول ہے دوسری تفاسیر میں ایمان کے علاوہ دوسرے اقوال و اعمال میں بھی اتباع مراد ہے“۔

سو اس سلسلے میں پہلی گزارش یہ ہے کہ میں نے اس اتباع ایمانی میں حصر نہیں کیا بلکہ اتباعِ ایمانی کے بعد اتباعِ اجتہادی والا احتمال بھی دوسرے نمبر پر بیان کیا ہے، جس کی تفصیل میری کتاب کے دوسرے باب میں بیان ہوئی ہے جہاں میں نے اس اتباع کی مراد پر تفصیلی گفتگو

کی ہے۔(1)۔

قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ پر اس نصِ قرآنی کی مخالفت اور رضاء الٰہی والی یہ شرط پوری نہ کرنے والا جو الزام لگایا ہے میں نے اس سے حضرت معاویہؓ کی براءت بیان کرتے ہوئے یہاں نمبروار پانچ باتیں عرض کی تھی، پہلی یہ کہ اس اتباع سے اتباع ایمانی مراد ہے نہ کہ اتباع اجتہادی، اور دوسری یہ کہ اگر اتباع اجتہادی بھی مراد لے لی جائے تو چونکہ حضرت معاویہؓ بھی مجتہد تھے اس لئے اتباع اجتہادی، مجتہدانہ مراد ہوگی نہ کہ محض مقلدانہ، اس کے بعد تیسرے، چوتھے اور پانچویں نمبر پر میں نے حضرت معاویہؓ کے خلاف اس مظہری استدلال کا غیر تام، مُضر اور نقصان دہ ہونا بیان کیا تھا۔

قاضی صاحب نے میری ان تمام باتوں کو تو چھوڑ دیا صرف اتباع کی مراد میں میرا بیان کردہ اتباع ایمانی والا صرف پہلا احتمال لے کر میری طرف سے اتباع ایمانی میں حصر کرنا بنا دیا اور پھر اس پر اس کے غیر صحیح ہونے کا فتویٰ بھی لگا دیا، حالانکہ میں نے اتباع ایمانی کے بعد اتباع اجتہادی والا احتمال بھی ذکر کیا تھا جس سے حصر کا شبہ تک بھی باقی نہ رہا تھا، لیکن قاضی صاحب نے یہاں میری دوسری باتوں کے ساتھ اس کو بھی یکسر نظر انداز کر دیا، اگر وہ دوسری باتوں کو فی الحال نہ چھیڑنا چاہتے تھے تو نہ سہی لیکن جس بات کو چھیڑا تھا اس کو تو پوری کر لینا چاہئے تھا، لیکن قاضی صاحب نے وہ بات بھی آدھی لی اور دوسری آدھی چھوڑ دی۔

---

(1) واضح رہے کہ حضرت معاویہؓ کے خلاف اس مظہری استدلال پر ہم نے اپنی کتاب میں دو جگہ گفتگو کی ہے، ایک یہاں پہلے باب میں اور دوسری مرتبہ دوسرے باب میں، یہاں اس پر گفتگو کا اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ اس مظہری استدلال کا طرز تعبیر، اصول اہل السنۃ اور قواعد اجتہاد کے خلاف، مُضر اور نقصان دہ ہے، اتباع کی مراد بیان کرنا یہاں مقصود اصلی نہیں وہ یہاں ضمناً بیان ہوئی ہے اسی لئے اس میں یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے، اور دوسرے باب میں اصل گفتگو ہی چونکہ اتباع کی مراد پر ہے اس لئے وہاں ہم نے اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے لیکن یہاں بھی ہم نے صرف ایک اتباع ایمانی والا احتمال ہی ذکر نہیں کیا بلکہ اتباع اجتہادی والا دوسرا احتمال بھی ذکر کیا ہے، لہٰذا قاضی صاحب کا یہ کہنا کہ ہم نے اتباع ایمانی میں حصر کر دیا ہے محض غلط ہے۔ منہ

مجھ سے ان کی عبارت صرف آگے پیچھے ہوگئی تھی تو وہ میری دیانت و امانت کو زیرِ بحث لے آئے تھے، لیکن یہاں دیکھئے کہ میری عبارت کے ساتھ اپنی اس کتر بیونت کو وہ کیا نام دیتے ہیں؟۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ میں نے تو یہاں اتباع ایمانی والی مراد کے ساتھ اتباع اجتہادی والی مراد کا بھی ذکر کیا تھا، اس کے باوجود قاضی صاحب اس کو میرا اتباع ایمانی میں حصر کرنا بتلاتے ہیں لیکن خود انہوں نے حضرت معاویہؓ پر اس نصِ قرآنی کی مخالفت اور رضاءِ الٰہی کی یہ شرط پوری نہ کرنے کا الزام لگایا ہی صرف اور صرف اتباع انتخابی والے ایک احتمال پر ہے، اور اس کے ساتھ دوسرا کوئی احتمال انہوں نے ذکر ہی نہیں کیا، سوال یہ ہے کہ کیا قاضی صاحب کا اس اتباع کا اتباع انتخابی میں حصر کرنا نہیں؟، اگر جواب نفی میں ہے تو میں نے تو اتباع ایمانی کے ساتھ یہاں اتباع اجتہادی والا ایک دوسرا احتمال بھی ذکر کیا تھا پھر وہ کیسے اتباع ایمانی میں حصر ہو گیا؟، اور اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اس اتباع کا اتباع انتخابی میں قاضی صاحب کا حصر کرنا صحیح ہے یا غلط؟، اگر صحیح ہے تو پھر میں نے اگر بالفرض اس اتباع کا اتباع ایمانی میں حصر کیا ہی تھا تو وہ کیسے غیر صحیح ہو گیا،، اور اگر قاضی صاحب کا یہ حصر بھی غلط ہے تو جو غلط کام وہ خود مجھ سے پہلے کر چکے ہیں اس کا مجھ پر اعتراض کیسے کر رہے ہیں اور کیسے کر سکتے ہیں؟۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ آیت زیرِ بحث والی اتباع کی مراد میں اتباع ایمانی والا احتمال تو قاضی صاحب بھی مانتے ہیں لہٰذا جب تک پہلے وہ اس احتمال کو ختم نہیں کر دیتے اس وقت تک حضرت معاویہؓ کے خلاف، اتباع انتخابی کے احتمال پر اس آیت سے ان کا استدلال "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" کے ضابطہ کے تحت باطل ہے، قاضی صاحب پہلے اتباع ایمانی واجتہادی وغیرہ والے تمام احتمالات کو باطل کریں پھر اتباع انتخابی کے احتمال پر حضرت معاویہؓ کے خلاف اس آیت سے استدلال کریں ہو اذ لیس فلیس، دیگر احتمالات کے ہوتے ہوئے اتباع انتخابی والے منجملہ ایک احتمال کی بنیاد پر حضرت معاویہؓ کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا، ہاں

اتباع انتخابی والے احتمال کے ہوتے ہوئے اتباع ایمانی وغیرہ والے کسی بھی احتمال کی بنیاد پر ان کو نصِ قرآنی کی مخالفت وغیرہ کے اس مظنہری الزام سے بری ضرور قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ الزام کے لئے تو یقینی دلیل درکار ہوا کرتی ہے جبکہ براءۃ از الزام کے لئے شک بھی کافی ہوجایا کرتا ہے، مجھے تو صرف ضابطے کی حد تک ہی یہ بات معلوم ہے اور قاضی صاحب کا تو ساری زندگی کا یہ عملی تجربہ بھی ہے۔

چوتھی گزارش یہ ہے کہ آیت زیرِ بحث والی اتباع کی مرادیں جب قاضی صاحب کے نزدیک بھی مختلف ومتعدد ہوئیں تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں ان میں سے وہی مراد لی جائے گی جو صحابہؓ کی شان کے مطابق ہوگی، وہ نہ لی جائے گی جو کسی صحابی کی شان کے خلاف ہو یا جس سے کسی صحابی پر کوئی الزام آتا ہو۔

بنابریں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بالفرض اس آیت سے اگر خود بھی استدلال کیا اور اس اتباع سے انتخابی اتباع مراد لی ہے تو یہاں چونکہ یہی مناسب ہے اس لئے یہاں یہی اتباع مراد لیں گے، لیکن دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چونکہ اس مراد سے الزام آتا ہے لہٰذا وہاں یہ مراد نہ لیں گے بلکہ ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہوئے وہاں اتباع ایمانی وغیرہ ہی مراد لیں گے، اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف واستدلال بھی صحیح رہے گا اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اس نصِ قرآنی کی مخالفت وغیرہ کا الزام بھی عائد نہ ہوگا۔

اور تھے چونکہ دونوں ہی بزرگ مجتہد اور ہر مجتہد کو اپنے اجتہادی موقف سے متعلقہ نص کا استدلالی یا جوابی تاویل کا چونکہ حق حاصل ہوتا ہے لہٰذا یہاں بھی حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں ہی بزرگوں کو اپنے اپنے اجتہادی موقف کے پیش نظر اس اتباع کی مراد متعین کرنے کا پورا پورا حق حاصل ہوگا، ایک کی تاویل سے دوسرے کا حق تاویل ختم نہ ہوگا۔ اور ہر ایک کی تاویل اسی کے موقف کی بس تائید ہی کرے گی، مدِ مقابل دوسرے مجتہد کے موقف کی تردید نہ کرے گی، جیسا کہ اجتہادی دلائل کی شان ہوا کرتی ہے، جس پر قدرے تفصیلی گفتگو ہم اپنی

کتاب ''سبائی فتنہ'' کی دوسری جلد میں کر چکے ہیں۔

یہاں بحث یہ نہیں کہ اس اتباع سے حضرت علیؓ نے کیا مراد لی ہے

بلکہ بحث یہ ہے کہ اس سے حضرت معاویہؓ نے کیا مراد لی ہے

دوسری بات یہاں قاضی صاحب نے یہ کہی ہے کہ:

''میری بحث مولانا ابوریحان سے اس بات میں ہے کہ کیا حضرت علی المرتضیٰؓ نے بھی والذین اتبعوھم میں صرف ایمان میں اتباع مراد لی ہے یا دوسرے امور میں بھی، تو مولانا سندیلوی کی تشریح کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایمان کے علاوہ دوسرے امور میں بھی اتباع مراد لی ہے''۔

قاضی صاحب کی اس بات کا جواب ملاحظہ کرنے سے پہلے قارئین یہ ذہن نشین کر لیں کہ یہاں زیر بحث آیت اتباع باحسان سے ایک استدلال ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صفینی اجتہادی موقف کی تائید وتصحیح کے لئے اور دوسرا استدلال ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صفینی اجتہادی موقف کی تردید وتغلیط کے لئے، لیکن ان میں سے کوئی استدلال بھی بذات خود حضرت علیؓ نے نہیں کیا، نہ اپنے موقف کی تائید کے لئے اور نہ حضرت معاویہؓ کے موقف کی تردید کے لئے اور نہ انہوں نے اس اتباع سے یہاں کوئی اتباع ہی مراد لی ہے، بلکہ ان کے موقف کی تائید کے لئے تو استدلال کیا ہے سندیلوی صاحب نے اور انہوں نے ہی اس اتباع سے مراد لی ہے جو بھی لی ہے اور حضرت معاویہؓ کے موقف کی تردید کے لئے اس آیت سے استدلال کیا ہے قاضی صاحب نے، اور حضرت معاویہؓ کی طرف سے جواب دہی کرتے ہوئے جواباً اتباع سے مراد میں نے لی ہے جو بھی لی ہے، بذات خود حضرت معاویہؓ نے نہ اس تردیدی استدلال کا کوئی جواب دیا ہے اور نہ اس اتباع سے انہوں نے خود کوئی مراد ہی لی ہے، لہٰذا اس آیت سے تائیدی یا تردیدی کسی بھی قسم کا استدلال کرنے اور اس اتباع سے کوئی اتباع مراد لینے کی تمام تر گفتگو سندیلوی صاحب، قاضی صاحب اور راقم الحروف ابوریحان کے درمیان دائر ہے، حضرت علی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) کا دامن ان

تائیدی وتردیدی استدلالوں اور اتباع کی مرادوں سے بالکل پاک ہے، لیکن قاضی صاحب نے یہاں اس استدلال کی اور اس اتباع سے مراد کی نسبت چونکہ خود حضرت علی ﷛ کی طرف کی ہے اس لئے ہم بھی مشاکلۃً ان چیزوں کی نسبت حضرت علی اور حضرت معاویہ (﷛) کی طرف کر رہے ہیں، ورنہ حقیقت وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی۔ قارئین اس بات کو خوب اچھی طرح یاد رکھیں تا کہ کل کلاں قاضی صاحب اگر ہماری اس نسبت پر بہتان تراشی یا تضاد بیانی جیسا کوئی اعتراض اٹھائیں تو قارئین کو اس کی حقیقت جاننے کے لئے ہماری طرف سے جواب کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

اس کے بعد اب ملاحظہ ہو کہ قاضی صاحب نے یہاں موضوع بحث کی تعیین بالکل غلط کی ہے، یہاں قاضی صاحب کی بحث ابوریحان سے اس بات میں ہرگز ہرگز نہیں کہ حضرت علی المرتضی ﷛ نے اس اتباع سے کون سی اتباع مراد لی ہے کیونکہ اس بات کا تعلق تو اس آیت سے حضرت علیؓ کے تائیدی استدلال سے ہے اور اس کو میں اپنی کتاب ''سبائی فتنہ جلد اول'' میں کہیں بھی کسی حیثیت سے بھی زیر بحث لایا ہی نہیں اور نہ حضرت علیؓ کے موقف واستدلال اور اتباع سے ان کی مراد میں مجھے، قاضی صاحب سے کوئی اختلاف ہی ہے، جب اس بات میں قاضی صاحب سے میرا کوئی اختلاف ہی نہیں تو اس میں قاضی صاحب، ابوریحان سے کیا بحث کرتے ہیں؟، اس لئے بحث یہاں یہ ہرگز نہیں کہ حضرت علی ﷛ نے اس اتباع سے کون سی اتباع مراد لی ہے بلکہ بحث اس بات میں ہے کہ جواباً حضرت معاویہ ﷛ نے اس اتباع سے کون سی اتباع مراد لی ہے، کیونکہ اس بات کا تعلق حضرت معاویہؓ کے موقف کی تردید وتغلیط میں اس آیت سے قاضی صاحب کے تردیدی استدلال سے ہے اور حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کے اسی تردیدی استدلال کو ہی میں اپنی کتاب میں زیر بحث لایا ہوں۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرت معاویہ (﷛) کا یہ اختلاف، اہل السنۃ کے نزدیک خالص اجتہادی اختلاف تھا، لہٰذا فریقین نے اپنے اپنے اجتہادی موقف کے لئے جن

کی مخالفت اور رضاء الٰہی کی یہ شرط پوری نہ کرنے کا بڑی دلیری سے الزام لگا دیا، کیا قاضی صاحب بتلا سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے خود یا گذشتہ چودہ صدیوں میں کسی سُنی محقق نے حضرت علیؓ کے اس استدلال کو حضرت معاویہؓ پر یوں پلٹ کر ان کے اجتہادی موقف کو یوں نصِ قرآنی کے مخالف بتایا اور اس طرح ان کو رضاء الٰہی والی یہ شرط پوری نہ کرنے والا بتلایا ہے؟۔ اس لئے بحث یہاں یہ نہیں کہ حضرت علیؓ کا اجتہادی صفینی موقف صحیح تھا یا غلط؟ اس کے لئے آیت و اتباع باحسان سے ان کا استدلال صحیح تھا یا غلط؟ اس اتباع سے انہوں نے جو مراد لی وہ صحیح تھی یا غلط؟ ان باتوں میں ہمارا قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے قاضی صاحب سے، بلکہ بحث یہاں یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے اس استدلال کو بالکل غلط در غلط استعمال کرتے ہوئے قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ جیسے جلیل القدر مجتہد صحابی پر اس نصِ قرآنی کی مخالفت اور رضاء الٰہی والی یہ شرط پوری نہ کرنے کا جو سبائی الزام لگایا ہے یہ صحیح ہے یا غلط؟، حضرت علیؓ کے اس اجتہادی استدلال کا یہ چکوالی استعمال صحیح ہے یا غلط؟، پھر اس سبائی الزام کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے اس اتباع سے جو مراد لی ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟، نیز بحث یہاں یہ بھی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ بھی مجتہد تھے تو ان کو بھی اس اتباع سے کوئی مراد لینے کا حق ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ہے تو پھر انہوں نے اپنا یہ حق استعمال کرتے ہوئے اس اتباع سے جو اتباع مراد لی ہے وہ، نصِ قرآنی کی مخالفت وغیرہ والے مظہری سبائی الزم سے ان کی براءت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ہے تو ہم نے اپنی کتاب میں اس کے سوا اور کیا بیان کیا ہے؟ پھر اس پر قاضی صاحب اتنے جز بز کیوں ہو رہے ہیں؟۔

کتنے تعجب کی بات ہے کہ حضرت معاویہؓ کے بارے میں مجتہد، مجتہد کی رٹ تو قاضی صاحب لگاتے ہیں لیکن اجتہاد کا اول تو حق ہی ان کو نہیں دیتے ورنہ اس اتباع کی مراد میں ان کی بھی سُنتے اور حضرت علیؓ کے اجتہاد کی پیروی ہی از روئے نصِ قرآنی ان پر لازم نہ کرتے، اور اگر اجتہاد کا حق ان کو دیتے ہیں اور وہ اجتہاد کر لیتے ہیں تو پھر جھٹ سے کانوں میں انگلیاں دے کر

ٹھنا چلانا شروع کر دیتے ہیں کہ "اجتہاد غلط، از روئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز، قرآن وحدیث کی مخالفت، اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی، اس کو صحیح کون کہہ سکتا ہے؟ اس کو اجتہادی خطا کہے بغیر نہ کوئی چارہ ہے اور نہ اس کے سوا دوسرا کوئی صحیح راستہ، کہا تو ان کو باغی ہی جائے گا"، یہ ہے ان کی شرعی عظمت کا مظہری تحفظ، نہیں تو قاضی صاحب، حضرت معاویہؓ کا کوئی ایک تقابلی اجتہاد ایسا بتلائیں جو ان کے نزدیک دنیا میں صواب ہوا ہو؟ اور قاضی صاحب کے راجح ترین، مقبول ترین اور قوی ترین مسلک "المجتھد یخطی و یصیب" کی پابندی کے ساتھ صواب ہوا ہو؟ جس کو اسی طرح صواب کہنے کے بغیر کوئی چارہ نہ رہا ہو جس طرح ان کے صفینی اجتہاد کو خطا کہنے کے بغیر ان کے نزدیک کوئی چارہ نہیں؟۔

الغرض قاضی صاحب کی بحث یہاں ابوریحان سے یہ نہیں کہ حضرت علیؓ نے اس اتباع سے کیا مراد لی ہے؟ کیونکہ اس کی صحت میں ابوریحان کا قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے قاضی صاحب سے، بلکہ بحث یہاں یہ ہے کہ اس مرتضوی مراد کو حضرت معاویہؓ پر پلٹتے ہوئے، نصِ قرآنی کی مخالفت وغیرہ کا جو سبائی الزام قاضی صاحب نے ان پر لگایا ہے اس کے جواب میں حضرت معاویہؓ نے اس اتباع سے کیا مراد لی ہے؟ اور وہ غلط ہے یا صحیح؟ پھر اس سبائی مظہری الزام سے براءت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ کیونکہ اسی بات میں ابوریحان کا اختلاف ہے قاضی صاحب سے۔

مولانا سندیلوی کی تشریح اور حضرت علیؓ کی مراد کے مطابق بھی حضرت معاویہؓ نے یہ اتباع کی تھی

موضوعِ بحث کی تعیین کے بعد اب آیئے قاضی صاحب کی اس بات کی طرف کہ "مولانا سندیلوی کی تشریح کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایمان کے علاوہ دوسرے امور میں بھی اتباع مراد لی ہے، علاوہ ازیں والذین اتبعوھم سے دوسری تفاسیر میں ایمان کے علاوہ دوسرے اقوال واعمال میں بھی اتباع مراد ہے" (ص 39)۔

قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے ایمان لانے میں تو بے شک

حضرت علیؓ کی اتباع کی تھی لیکن مولانا سندیلوی کی تشریح، حضرت علی المرتضیٰؓ کی مراد اور دیگر تفاسیر کے مطابق یہاں صرف ایمان میں ہی اتباع مراد نہیں بلکہ دوسرے اقوال واعمال حسنہ بالخصوص حق انتخاب میں بھی اتباع مراد ہے اور یہ اتباع حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی نہیں کی تھی (1)۔

حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ مولانا سندیلوی کی تشریح کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ نے ایمان کے علاوہ جن دوسرے امور میں اتباع مراد لی ہے حضرت معاویہؓ نے ان تمام امور میں بھی جہاں جیسی بنتی تھی وہاں ویسی ہی (2) حضرت علیؓ کی پوری پوری اتباع کی تھی، نیز ایمان لانے میں جس طرح انہوں نے حضرت علیؓ کی پیروی کی تھی اسی طرح یہاں خاص حق انتخاب کے معاملہ میں بھی ان کے قول وعمل کی پوری پوری پیروی کر کے رضاءِ الٰہی کی یہ شرط بھی علی وجہ الاتم پوری کی تھی۔

قاضی صاحب کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مولانا سندیلوی کی تشریح اور حضرت علیؓ کی

---

(1) اور یہی اتباع یہاں قاضی صاحب کے نزدیک رضاءِ الٰہی کی شرط تھی، جب حضرت معاویہؓ کی طرف سے یہ اتباع نہ پائی گئی تو شرط رضاء نہ پائی گئی، جب شرط رضاء نہ پائی گئی تو ان کے لئے رضاءِ الٰہی نہ پائی گئی، جب رضاءِ الٰہی نہ پائی گئی تو نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کے مصداق نہ بن سکے، قاضی صاحب کا یہ عقیدہ ہے یا نہیں لیکن حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کے اس استدلال کا نتیجہ یہی اور یقیناً یہی نکلتا ہے۔منہ

(2) وضاحت اس کی یہ ہے کہ ایمان کے علاوہ حضرت علیؓ نے جن دوسرے امور میں اتباع مراد لی ہے، حضرت معاویہؓ نے ان امور میں حضرت علیؓ سے اختلاف کیا ہوگا یا اتفاق، اگر اتفاق کیا ہو تو اتباع ظاہر ہے، اور اگر اختلاف کیا ہو تو امور اجتہادی ہوں گے یا غیر اجتہادی، اگر غیر اجتہادی ہوں اور ان میں حضرت معاویہؓ کا اختلاف ثابت ہو جائے تو ان کا یہ اختلاف عدم اتباع ہی کہلائے گا لیکن اس کی کوئی حتمی مثال شاید پیش نہیں کی جا سکتی، اور اگر وہ امور اجتہادی ہوں تو حضرت معاویہؓ کو قاضی صاحب بھی چونکہ مجتہد مانتے ہیں اس لئے ایسے امور میں اس آیت کی رُو سے حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی اتباع بالفرض اگر لازم بھی مان لی جائے تو وہ مجتہدانہ ہوگی نہ کہ محض مقلدانہ، یعنی اس وقت اتباع ان امور میں اجتہاد کرنے اور اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنے میں ہوگی، اس لحاظ سے ایسے امور میں حضرت معاویہؓ کا حضرت علیؓ سے اجتہادی اختلاف کرنا ہی عین اتباع کرنا ہوگا، یہاں آپ کی تقلیدی اتباع کا لازم ہونا تو درکنار وہ تو حضرت معاویہؓ کے لئے نفس جائز تک بھی نہ ہوگی، تفصیل ہماری کتاب کی فصل سوم میں گذر چکی ہے، حق انتخاب کا مسئلہ چونکہ اجتہادی تھا ورنہ قاضی صاحب حضرت معاویہؓ کو ایک اجر بھی نہ دلاتے۔ لہٰذا یہاں حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی اتباع اگر لازم ہی تھی تو وہ، مجتہدانہ تھی محض مقلدانہ، نہ تھی اور یہ اتباع انہوں نے کی تھی۔منہ

مراد کے مطابق حضرت معاویہؓ نے یہ اتباع نہیں کی تھی، جیسا کہ گزارشات ذیل سے ان شاء اللہ معلوم ہوگا۔

اتباع ایمانی

چنانچہ ایمان لانے میں اتباع تو قاضی صاحب بھی مانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ ہی کی تھی، باقی رہی ایمان کے علاوہ حق انتخاب سے متعلق ان کے عمل وقول کی اتباع؟ تو وہ بھی حضرت معاویہؓ نے کی تھی جس کی تفصیل ہدیۂ ناظرین ہے۔

اتباع عملی

عمل میں تو حضرت علیؓ کی اتباع حضرت معاویہؓ نے اس طرح کی تھی کہ اور کوئی مانے یا نہ مانے لیکن قاضی صاحب تو یہ مانتے ہی ہیں کہ صفینی اختلاف خالص اجتہادی اختلاف تھا اور یہ کہ حضرت علیؓ کی طرح حضرت معاویہؓ بھی صرف مجتہد ہی نہیں بلکہ ایک جلیل القدر صحابی مجتہد تھے، اور یہ بات ہم اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' کی فصل سوم میں بالتفصیل بیان کر آئے ہیں کہ اجتہادی مسئلہ میں ہر مجتہد خود اجتہاد کر کے اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنے کا پابند ہوا کرتا ہے، کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد پر عمل کرنا اس کے لئے جائز ہی نہیں ہوا کرتا، اس لئے قاضی صاحب کے بقول یہاں حضرت معاویہؓ پر از روئے نصِ قرآنی حضرت علیؓ کی پیروی اگر بالفرض لازم ہی تھی تو وہ مجتہدانہ تھی محض مقلدانہ، نہ تھی، یعنی ان پر لازم نہ تھا کہ وہ، حضرت علیؓ کے ہی اجتہاد پر عمل کرنے میں ان کی پیروی کرتے بلکہ ان پر لازم یہ تھا کہ وہ، ان کی طرح خود اجتہاد کر کے اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنے میں ان کی پیروی کرتے، یعنی فعلِ اجتہاد اور عمل بر اجتہادِ خود میں حضرت علیؓ کی اتباع حضرت معاویہؓ پر لازم تھی، سو ایمان لانے میں اتباع کی طرح یہ عملی اتباع بھی حضرت علیؓ کی انہوں نے کی تھی کہ ان کی اتباع میں بوجہ مجتہد ہونے کے خود اجتہاد بھی کیا تھا اور ان کی طرح اپنے ہی اجتہاد پر پوری طرح عمل پیرا بھی رہے تھے، حضرت علیؓ کے ہی اجتہاد پر عمل کرنے والی اتباع اگر حضرت معاویہؓ نے نہیں کی تھی تو یہ اتباع نہ صرف یہ کہ ان پر لازم نہ تھی بلکہ ان کے لئے جائز ہی نہ تھی۔

الغرض حضرت علیؓ کی جو عملی اتباع حضرت معاویہؓ پر یہاں لازم تھی وہ انہوں نے علی وجہ الاتم کی تھی اور جو اتباع انہوں نے حضرت علیؓ کی یہاں نہیں کی وہ ان پر لازم تو کیا ہوتی ان کے لئے جائز ہی نہ تھی۔

قاضی صاحب کو حضرت معاویہؓ جو حضرت علیؓ کی پیروی کرتے نظر نہیں آتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو جلیل القدر مجتہد مانتے ہوئے بھی یہاں ان کی مجتہدانہ حیثیت کو ملحوظ نہیں رکھا اور ان پر خلاف قاعدہ حضرت علیؓ کی خالص مقلدانہ اتباع لازم کر کے ان پر نصِ قرآنی کی مخالفت کا سہائی الزام لگا دیا ہے، حالانکہ ان پر اگر لازم تھی تو مجتہدانہ اتباع لازم تھی محض مقلدانہ اتباع لازم نہ تھی۔

اتباعِ قولی

اسی طرح اس معاملہ میں حضرت علیؓ کے قول کی بھی جیسی اتباع مولانا سندیلوی کی ہی تشریح کے مطابق حضرت معاویہؓ پر لازم تھی ویسی ہی یہ اتباع بھی علی وجہ الاتم انہوں نے کی تھی، اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ متعین کیا جائے کہ یہاں حضرت علی المرتضیٰؓ کا قول کیا تھا اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کے اس قول کی اتباع کی تھی یا نہیں؟۔

سو ملاحظہ ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صفینی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے سندیلوی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے قاضی صاحب کی ہی نقل کے مطابق اس کا حاصل یہ ہے کہ:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس سوال پر کہ ہم لوگوں کے مشورے کے بغیر انتخاب خلیفہ کیسے مکمل ہو گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں مہاجرین وانصار کا مشورہ ہی کافی تھا سو انہوں نے میری بیعت کر لی ہے، اس پر حضرت معاویہؓ نے اعتراض کیا کہ بہت سے مہاجرینؓ وانصارؓ یہاں شام میں بھی موجود ہیں ان سے اس معاملہ میں مشورہ نہیں لیا گیا، اس کا جواب حضرت علیؓ نے یہ دیا کہ انتخاب کا حق، مہاجرینؓ وانصارؓ میں سے صرف بدریینؓ کو ہے''۔

آگے حضرت علیؓ کی اس رائے کا ماٴخذ آیت اتباع باحسان کو بتاتے ہوئے اس سے

یوں استدلال کیا ہے کہ:

"آیت، مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کو سب مسلمانوں کا متبوع ومقتدیٰ قرار دے رہی ہے اور ان کی اتباع کو دوسرے مسلمانوں کے لئے رضاء الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے اس لئے نصب خلیفہ کے معاملہ میں بھی وہی متبوع اور مقتدیٰ سمجھے جائیں گے، اور بدری ہی حضرات، سابقون اولون بھی تھے" (ماہنامہ حق چار یار، رجب/شعبان 1412ھ، ص 36، 37)۔

یہ ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے صفینی موقف کی سندیلوی تشریح، قارئین ملاحظہ فرمادیں کہ اس کے مطابق حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ سے یہ نہیں فرمار ہے کہ: "آیت، مجھے تمہارا متبوع ومقتدیٰ قرار دے رہی ہے اور میری اتباع واقتداء کو تمہارے لئے رضاء الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے، لہٰذا نصب خلیفہ کے معاملہ میں تم میری اتباع واقتداء کر کے اللہ کی رضا حاصل کرو"، بلکہ قاضی صاحب کی ہی نقل اور مولانا سندیلوی کی ہی تشریح کے مطابق وہ یہ فرمار ہے ہیں کہ "آیت، بدری مہاجرین وانصار کو تمہارا متبوع ومقتدیٰ ٹھہرا رہی اور ان کی اتباع واقتداء کو تمہارے لئے رضاء الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے، لہٰذا نصب خلیفہ کے معاملہ میں تم بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کی اتباع واقتداء کر کے اللہ کی رضا حاصل کرو"۔

اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مولانا سندیلوی کی ہی تشریح کے مطابق حضرت علیؓ کا قول حق انتخاب اور نصب خلیفہ کے معاملہ میں بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کی پیروی کا تھا، ان کی پیروی ہی حضرت علیؓ کے اس قول کی پیروی تھی، جب یہ معلوم ہوگیا تو اب یہ معلوم کرنے کے لئے کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس قول کی پیروی کی تھی یا نہیں؟ یہ دیکھنا ہوگا کہ انہوں نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے فرمان کے مطابق اس معاملہ میں بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کی پیروی کی تھی یا نہیں؟ (1)، اگر انہوں نے اپنے صفینی اجتہادی موقف میں بدری مہاجرینؓ وانصارؓ

---

(1) واضح ہو کہ قاضی صاحب نے یہاں دوہائی تو مولانا سندیلوی کی تشریح کی دی ہے لیکن بات اپنی کی ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ "اور ظاہر ہے کہ جب حضرت علی المرتضیٰؓ قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں، ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

میں سے کسی ایک کی بھی پیروی کر لی ہو تو ان کی یہ پیروی حضرت علی المرتضیٰؓ کے قول کی ہی پیروی کہلائے گی، ان کو حضرت علیؓ کے قول کا متبع ہی کہا جائے گا، اور اگر انہوں نے بدری مہاجرینؓ وانصارؓ میں سے کسی ایک کی بھی پیروی نہ کی ہو تو تب البتہ کہا جا سکے گا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے قول کی پیروی نہیں کی۔

سو اس سلسلے میں ملاحظہ ہو کہ مولانا سندیلوی کی تشریح کے مطابق حضرت علی المرتضیٰؓ جن بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کو حق انتخاب میں بعد والوں کا متبوع ومقتدیٰ قرار دے رہے ہیں؛ حضرت علیؓ کی خلافت پالیسی سے متعلق ان سب کا کوئی ایک متفقہ موقف نہ تھا، بلکہ خود ان کے بھی اس معاملہ میں تین مختلف مواقف تھے۔

چنانچہ بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کا بھی ایک فریق تو وہ تھا جس نے خلافت پالیسی سے متعلق موقف مرتضوی سے مکمل اتفاق کیا تھا جیسے مثلاً حضرت عمار، حضرت سہل بن حنیف اور

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ)

اس لئے بطور خلیفہ راشدان کے اعمال، حسنہ ہی ہوں گے، اور ان کی خلافت کی پالیسی بھی حسنہ ہوگی جس کی پیروی بعد والوں پر لازم ہے" (ص 39)، حالانکہ مولانا سندیلوی کی جس تشریح کی دوہائی قاضی صاحب نے یہاں دی ہے اس میں قرآن کے چوتھے موعود خلیفہ راشد کی خاص اپنی خلافت پالیسی کے پیروی بعد والوں پر لازم نہیں ہورہی بلکہ ان کی اس پالیسی کے بارے میں انہی کے بقول بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کی پیروی بعد والوں پر لازم ہورہی ہے، قاضی صاحب یا تو مولانا سندیلوی کی تشریح کا دامن ودامنہ چھوڑیں یا پھر بات اسی کے مطابق کریں، مغالطہ نہ خود کھائیں اور نہ دوسروں کو دیں۔

نیز قاضی صاحب نے یہاں جیسے یہ یاد رکھا ہے کہ قرآن کے موعود چوتھے خلیفہ کی خلافت پالیسی بھی حسنہ ہوگی وہاں ان کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے تھا کہ حسنہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خالص اجتہادی بھی تھی، جس میں دوسرے مجتہدین اور ارباب حل وعقد کو اختلاف کرنے کا حق خود قاضی صاحب کے اقرار کے مطابق بھی تھا (خارجی فتنہ، ص 522 / ج 1) اجتہادی مواقف تو حسنہ ہی ہوا کرتے ہیں لیکن اختلاف کی صورت میں ان کے محض حسنہ ہونے سے مد مقابل دوسرے مجتہدین پر ان کی پیروی لازم نہیں ہو جایا کرتی، کتنی عجیب بات ہے کہ خود ہی قاضی صاحب، قرآن کے چوتھے موعود خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت پالیسی سے اس دور کے صحابہ کرامؓ کو اختلاف کا حق بھی دیتے ہیں لیکن جب وہ اپنا یہ حق استعمال کرتے ہوئے اختلاف کرتے ہیں تو ان پر نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت کا الزام بھی لگانے لگ جاتے ہیں۔ منہ

حضرت خزیمہ بن ثابت (رضی اللہ عنہم)۔

دوسرا فریق وہ تھا جس نے اس معاملہ میں موقف مرتضوی سے مکمل اختلاف کیا، جیسے مثلاً حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عقبہ بن عامر، وغیرہم (رضی اللہ عنہم)۔

اور تیسرا فریق وہ تھا جس نے مکمل توقف وتخلف کیا، جیسے مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت صہیب اور حضرت محمد بن مسلمہ، وغیرہم (رضی اللہ عنہم)۔

اب ظاہر ہے کہ بیک وقت ان تینوں بدری موقفوں کی پیروی حضرت معاویہؓ کے لئے ممکن نہ تھی اور نہ حضرت علیؓ کی ہی مراد ہوسکتی تھی کیونکہ یہ تینوں بدری مواقف آپس میں ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد تھے اور ایک شخص ایک وقت میں ایسے متعدد ومتضاد مواقف میں سے کسی ایک موقف کی ہی اتباع کرسکتا ہے سب کی نہیں کرسکتا، اس لئے حضرت علیؓ کے قول کی بجاآوری میں حضرت معاویہؓ نے ان میں سے کسی ایک بدری فریق کے موقف کو ہی پیروی کے لئے منتخب کرنا تھا، یہ پھر اجتہادی مسئلہ تھا، چونکہ وہ خود بھی مجتہد تھے اس لئے ان تینوں بدری موقفوں میں سے پیروی کے لئے کسی ایک موقف کا انتخاب بھی خود انہوں نے ہی کرنا تھا، پھر اپنے اجتہاد کو کام میں لاتے ہوئے جس بدری موقف کو بھی وہ منتخب کرکے اس کی پیروی کرتے اس میں وہ، حضرت علیؓ کی قول کے ہی متبع قرار پاتے، کیونکہ حضرت علیؓ نے مطلقاً بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کو بعد والوں کا متبوع ومقتدیٰ قرار دیا تھا ان میں سے کسی خاص فریق کے کسی خاص موقف کی تخصیص نہ کی تھی، اور مطلق کا حکم ہی یہ ہے کہ آتي بای فرد آتي بالمامور ہوا کرتا ہے، لہٰذا حضرت علیؓ کے قول کی اتباع کے لئے بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کے مذکورہ تینوں موقفوں میں سے کسی بھی موقف کی اتباع باحسان کرلینا حضرت معاویہؓ کے لئے کافی تھا، تینوں ہی بدری موقفوں کی اتباع یہاں ان پر لازم وضروری نہ تھی، سو انہوں نے پیروی کے لئے بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کے ہی اس فریق کا موقف منتخب کرلیا جس نے حضرت علی المرتضیٰؓ کے موقف سے اجتہادی اختلاف کیا تھا۔

لہٰذا حضرت معاویہؓ نے موقف مرتضوی یا قرآن کے چوتھے موعود خلیفہ راشد کی

خلافت پالیسی سے اگر اختلاف کیا تو یہ ان کا بدری مہاجرینؓ وانصارؓ سے ہٹ کر اپنا کوئی نیا موقف نہ تھا، بلکہ یہ ان میں کے ایک فریق کا ہی بعینہ موقف تھا، اس میں انہوں نے بدری مہاجرینؓ وانصارؓ کی ہی پیروی کی تھی اور ان کی پیروی حضرت علی المرتضیٰؓ کے قول کی ہی بعینہ پیروی تھی، اس طرح حضرت معاویہؓ کی طرف سے حق انتخاب اور نصب خلیفہ کے معاملہ میں حضرت علیؓ کی قولی اتباع بھی ہوگئی۔

الغرض آیت اتباع باحسان "والذین اتبعوھم باحسان" میں اتباع سے اتباع ایمانی مراد لی جائے یا اتباع عملی وقولی، مولانا سندیلوی کی تشریح کے مطابق بھی ہر لحاظ سے حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی اتباع باحسان کر کے رضاء الٰہی کی یہ شرط بھی علی وجہ الاتم پوری کی تھی، لہٰذا قاضی صاحب کا اس آیت سے حضرت معاویہؓ کے خلاف استدلال کرتے ہوئے ان پر اس نصِ قرآنی کی مخالفت اور رضاء الٰہی کی یہ قرآنی شرط پوری نہ کرنے کا الزام دھرنا سراسر سبائی استدلال اور خالص سبائی الزام ہے۔

قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ پر اس نصِ قرآنی کی مخالفت اور رضاءِ الٰہی کی یہ قرآنی شرط پوری نہ کرنے کا جو الزام لگایا تھا ہم نے اس الزام سے ان کی براءت بیان کرتے ہوئے "اتباع ایمانی" اور "اتباع اجتہادی" کی بات کی تھی، لیکن قاضی صاحب نے ہماری بات پر سنجیدگی سے غور کئے بغیر حضرت معاویہؓ کو بہر صورت اس نصِ قرآنی کا مخالف ہی بتانے کے لئے اتباع قولی وعملی کا شوشہ چھوڑ دیا، حالانکہ ہم اپنی کتاب میں اتباع ایمانی کے بیان کے بعد دوسرے نمبر پر "اتباع اجتہادی" کے نام سے اس کو بھی مختصراً بیان کر آئے تھے اور تفصیل اس کی اپنی کتاب کے دوسرے حصے میں بیان کی تھی (جو اَب شائع کیا جا رہا ہے۔ مرتب)، لیکن قارئین نے اب تو یہاں بھی اس کو مفصلاً ملاحظہ فرما ہی لیا کہ حضرت معاویہؓ نے اتباع ایمانی کی طرح حضرت علیؓ کی اتباع عملی وقولی بھی کی تھی، قاضی صاحب فرمادیں کہ حضرت معاویہؓ کو بہر صورت اس نصِ قرآنی کا مخالف بتانے اور ان کو رضاءِ الٰہی والی یہ قرآنی شرط پوری نہ کرنے والا ہی بتانے کے لئے اب

اور کون سا گوشہ وہ چھوڑنا چاہتے ہیں، اس سلسلے کے اپنے اور بھی تمام دلی ارمان وہ خوب اچھی طرح نکال لیں، ہم ان شاء اللہ خدمت کے لئے حاضر ہیں۔

قاضی صاحب تو خیر پہنچے ہوئے بزرگ ہیں ان کو تو شاید اب ایسی باتوں کی ضرورت نہیں رہی اس لئے ان کے لئے نہیں بلکہ اپنے قارئین کے ملاحظہ کے لئے عرض ہے کہ یہاں اگر بالفرض کوئی اور بھی احتمال نکلتا ہو جس سے حضرت معاویہؓ اس نصِ قرآنی کی مخالفت کرتے اور حضرت علیؓ کی ایمانی اور قولی و عملی اتباع نہ کرتے نظر آتے ہوں تو اس کے مقابلہ میں جب ایک نہیں بلکہ کئی کئی احتمالات نصِ قرآنی پر عمل کرنے اور حضرت علیؓ کی اتباع کرنے کے نکل رہے ہوں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت و عقیدت، اللہ و رسولؐ کے ہاں ان کے بلند مقام و مرتبہ نیز عقیدۂ اہل السنۃ کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں وہ احتمالات لئے جائیں جن کے تحت وہ نصِ قرآنی کی مخالفت کے الزام سے بچتے اور حضرت علیؓ کے متبع بنتے ہوں، وہ احتمالات ہرگز ہرگز نہ لئے جائیں گے جن سے ان پر کسی قسم کا الزام عائد ہوتا ہو، حضرت معاویہؓ ہوں یا کوئی بھی اور صحابیؓ، ان کو مورد الزام ٹھہرانے والے احتمالات تو وہ لے جس کو صحابہ کرامؓ سے بغض و عداوت ہو یا کم از کم وہ محبت و عقیدت نہ ہو جو ایک سُنی مسلمان کو ان سے ہونی چاہئے، لیکن کتنے تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ یہاں یہ کام قاضی صاحب انجام دے رہے ہیں جو امام اہل السنۃ، قائدِ اہل السنۃ اور وکیلِ صحابہؓ جیسے القابات سے یاد کئے جاتے ہیں۔

وان كنتَ لا تدري فتلك مصيبة ...... وان كنتَ تدري فالمصيبة اعظم

جی ہاں! بے شک یہ جنگ بھی خوبی کے ساتھ پیروی میں ہی شامل ہے

تیسری بات یہاں قاضی صاحب نے یہ کہی تھی کہ:

"فرمایئے قرآن کے چوتھے موعودہ (1) خلیفہ راشد جو مہاجرین اولین میں سے ہیں

(1) لیکن آپ تو عبارۃ النص کے طور پر بالتصریح یہ بتا آئے ہیں کہ دورِ صحابہ میں کسی کو یقینی طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علیؓ نص قرآن کے چوتھے موعود خلیفہ راشد ہیں، اور نہ حضرت علیؓ کی حیات کے آخری لمحہ تک (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کیا ان کے ساتھ جنگ کرنا بھی خوبی کے ساتھ پیروی (1) میں شامل ہے"۔ (ص 40)۔

قاضی صاحب کا یہ استفہام انکاری نہ صرف یہ کہ امر واقعہ کے خلاف ہے بلکہ خود ان کے اپنے مسلمات کے بھی سراسر خلاف ہے۔

امر واقعہ کے خلاف تو قاضی صاحب کا یہ استفہام انکاری اس لئے ہے کہ انہوں نے محض "جنگ" کے عنوان اور اس کی ظاہری شکل وصورت کو ہی سامنے رکھ کر یہ عامیانہ سوال کر دیا ہے اور اس جنگ کی اجتہادی حقیقت اور اس کے فریقین کی مجتہدانہ حیثیت کو انہوں نے ملحوظ نہیں رکھا، حالانکہ یہاں یہ فیصلہ کہ یہ جنگ، خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل ہے یا نہیں؟ صرف

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ)

یہ قطعی فیصلہ ہی ہو سکتا تھا کہ وہی ان آیات (خلافت) کے چوتھے مصداق ہیں، بلکہ آخر تک یہ احتمال واشکال رہا کہ شاید ان کی جگہ کوئی اور صحابی قرآن کا چوتھا موعود خلیفہ راشد ہو، ایسی صورت میں آپ، حضرت معاویہ جیسے جلیل القدر مجتہد صحابی پر حضرت علی کی پیروی قطعی طور پر کیسے لازم کرتے ہیں؟۔ منہ

(حاشیہ صفحہ ہذا)

(1) ہماری گزارش ہے کہ یہاں خوبی کے ساتھ پیروی سے آپ کی کیا مراد ہے؟، اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کو اول تو خود اجتہاد ہی نہ کرنا چاہئے تھا، اور اگر کر ہی لیا تھا تو پھر اپنے اجتہاد پر عمل نہ کرنا چاہئے تھا، بلکہ حضرت علیؓ کے اجتہاد کی ہی پیروی کرنی چاہئے تھی، تو یہ اصول اجتہاد کے بالکل خلاف ہے، اگر حضرت معاویہؓ مجتہد ہو کر بھی ایسا کرتے تو گناہ گار ہوتے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (سبائی فتنہ ازص 181 تا ص 186 / ج 1)، اور اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو بھی حضرت علیؓ کی طرح اپنے اجتہاد میں صواب پر ہی پہنچنا چاہئے تھا، تو یہ نہ مجتہد کے اختیار میں ہوتا ہے اور نہ وہ اس کا مکلف ہی ہوتا ہے، وہ تو بس اجتہاد کرنے اور اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل کرنے کا مختار مکلف ہوتا ہے، حق عند اللہ تک پہنچنا نہ پہنچنا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا، اگر اس کو اس کا مکلف بنایا جائے تو یہ تو تکلیف مالا یطاق ہے جو ارشاد ربانی "لا یکلف اللہ نفساً إلا وسعها" میں منفی ہے، اور اگر اس پیروی سے آپ کی مراد یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو بھی حضرت علیؓ کی طرح خود اجتہاد کر کے انہی کی طرح اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل کرنا چاہئے تھا تو یہ پیروی تو انہوں نے حضرت علیؓ کی پوری پوری کی تھی، پھر آپ کے نزدیک یہ جنگ خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل آخر کیوں نہیں؟، اور اگر اس پیروی سے آپ کی مراد اس کے سوا کچھ اور ہے تو وہ بیان کریں تاکہ اس کے بارے میں بھی یہ معلوم کیا جاسکے کہ وہ پیروی، حضرت علیؓ کی حضرت معاویہؓ نے کی تھی یا نہیں؟۔ منہ

''جنگ'' کے عنوان اور اس کی ظاہری شکل و صورت کی ہی بنیاد پر ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے اس جنگ کی اجتہادی حقیقت اور اس کے فریقین کی مجتہدانہ حیثیت کو ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ یہ جنگ، شامل تو یقیناً خوبی کے ساتھ پیروی میں ہی ہے، لیکن پیروی، پیروی میں فرق ہوتا ہے، ہر ہر موقع و محل کی پیروی الگ الگ ہوتی ہے، قاضی صاحب نے خوبی کے ساتھ پیروی کی ''مقلدانہ'' بس ایک ہی صورت فرض کر کے اسی پر حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے اس قسم کے عامیانہ سوالات و سبائیانہ استدلالات کی عمارت کھڑی کردی ہے، حالانکہ ہم اپنی کتاب ''سبائی فتنہ'' میں اسی جگہ بتا آئے ہیں کہ امور اجتہادیہ میں پیروی، مجتہدانہ بھی ہوتی ہے اور غیر مجتہدانہ بھی، پھر غیر مجتہدانہ، محققانہ بھی ہوتی ہے اور مقلدانہ بھی۔

غیر مجتہدانہ پیروی کا تعلق متبوع کے اقوال و افعال کی ظاہری شکل و صورت کے ساتھ ہوا کرتا ہے یعنی اس میں غیر مجتہد تابع نے اپنے مجتہد متبوع کے اجتہاد کی ہی پیروی کرنی ہوتی ہے، خود اجتہاد نہیں کرنا ہوتا، جبکہ مجتہدانہ پیروی کا تعلق تابع و متبوع کی مجتہدانہ حیثیت اور ان کے اقوال و افعال کی اجتہادی حقیقت سے ہوتا ہے، یعنی اس میں مجتہد نے اپنے مجتہد متبوع کے ہی اجتہاد کی پیروی نہیں کرنی ہوتی بلکہ اس کی طرح خود اجتہاد کر کے اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل کرنے میں اس کی پیروی کرنی ہوتی ہے، اگر ہم چاہیں تو غیر مجتہدانہ پیروی کو ''صوری'' اور مجتہدانہ کو ''معنوی'' پیروی بھی کہہ سکتے ہیں۔

مثلاً دیکھیے امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہما اللہ) اپنے استاد امام الائمہ، امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے صرف فروع میں ہی نہیں بلکہ اصول تک میں بھی اختلاف کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود کہلاتے وہ، امام اعظمؒ کے پیروکار ہی ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ، امام صاحبؒ کی مقلدانہ پیروی کرتے ہیں بلکہ اس لئے کہ اجتہاد کرنے کرانے میں وہ، ان کے پیروکار ہیں۔

جب امور اجتہادیہ میں کسی متبوع و مقتدیٰ کی اتباع و اقتداء، مجتہدانہ بھی ہوئی اور مقلدانہ بھی تو یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ جنگِ صفین، خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل ہے یا

نہیں؟ پہلے یہ متعلق کرنا ہوگا کہ یہاں پیروی کی قسم کون سی ہو سکتی ہے اور پھر اس کی روشنی میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ جنگ، پیروی کی اس قسم میں شامل ہے یا نہیں؟۔

سو واضح ہو کہ یہ جنگ قاضی صاحب کے نزدیک بھی خالص اجتہادی تھی، اور وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ اس جنگ کے فریقین یعنی حضرت علی المرتضٰی اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہما) دونوں ہی بزرگ مجتہد تھے، نیز وہ یہ بھی تسلیم کر آئے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ سے اس اختلاف وقتال کا حق بھی تھا (خارجی فتنہ، ص522 / ج1) اور اجتہادیات کا یہ ضابطہ تو طے ہی شدہ ہے کہ ہر مجتہد پر اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا ہی واجب ہوا کرتا ہے کسی دوسرے مجتہد کے اجتہاد کی پیروی کرنا اس کے لئے جائز ہی نہیں ہوا کرتا۔

ان حقائق و مسلمات کی روشنی میں دیکھا جائے تو جنگِ صفین کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ پر حضرت علیؓ کی کوئی پیروی اگر لازم ہوتی بھی تھی تو وہ مجتہدانہ پیروی ہی لازم ہوتی تھی غیر مجتہدانہ پیروی لازم نہ ہوتی تھی نہ مقلدانہ اور نہ محققانہ، یعنی انہوں نے اس معاملہ میں خود اجتہاد کرکے اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنے میں حضرت علیؓ کی اتباع کرنی تھی، ان کے اجتہاد کی محض غیر مجتہدانہ پیروی انہوں نے نہیں کرنی تھی، کیونکہ یہ پیروی نہ حضرت معاویہؓ پر لازم تھی اور نہ شرعاً ان کے لئے یہ جائز ہی تھی، اور مجتہدانہ پیروی انہوں نے حضرت علیؓ کی پوری پوری کی تھی کہ حضرت علیؓ کی طرح اس جنگ کے معاملہ میں خود اجتہاد بھی کیا تھا اور انہی کی طرح اپنے ہی اجتہاد کے مطابق عمل پیرا بھی رہے تھے، چنانچہ خود قاضی صاحب ہی امام نووی اور حضرت مجدد الف ثانی (رحمہما اللہ) کے حوالہ سے یہ لکھ اور مان آئے ہیں کہ "صحابہ کرام کے مشاجراتی فریقوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا تھا اور یہی ان پر واجب بھی تھا" (خارجی فتنہ، از ص551 تا 555 / ج1) یعنی جو کچھ انہوں نے کیا یہی کچھ ان پر واجب تھا اور جو کچھ ان پر واجب تھا وہی کچھ انہوں نے کیا، لہٰذا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عین جنگ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ویسے ہی متبع اور پیروکار تھے جیسے کہ مثلاً امام ابو یوسف اور امام محمد (رحمہما اللہ) عین اختلافات میں بھی امام اعظم

ابوحنیفہ ﷬ کے پیروکار ہی رہتے ہیں، اور یہ جنگ بالکل اسی طرح خوبی کے ساتھ پیروی میں ہی شامل ہے جس طرح مثلاً صاحبینؒ کی اختلافی اجتہادیات، امام ابوحنیفہؒ کی خوبی کے ساتھ پیروی میں ہی شامل ہیں۔

لہٰذا یہاں سوال وہ نہیں جو قاضی صاحب نے کیا ہے کہ "کیا ان کے ساتھ جنگ کرنا بھی خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل ہے؟" بلکہ سوال یہاں یہ ہے کہ "کیا ان کے ساتھ یہ اجتہادی جنگ کرنا بھی خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل نہیں؟"، اگر نہیں تو پھر بتلایا جائے کہ اجتہادی اختلافی مسائل میں مجتہدین پر اگر ایک دوسرے کی پیروی لازم قرار دے دی جائے تو اس کی صورت مجتہدانہ پیروی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟۔

اور قاضی صاحب کے اپنے ہی مسلّمات کے خلاف ان کا یہ استفہام انکاری اس طرح ہے کہ:

الف:...... حضرت معاویہ ﷛ کی طرف سے خوبی کے ساتھ جس پیروی کا وہ یہاں انکار کر رہے ہیں خوبی کے ساتھ اسی پیروی کو وہ خود ہی اپنے اسی استدلال میں رضاء الٰہی کی شرط بھی قرار دے چکے ہیں، اور قاعدہ ہے کہ شرط کے فوت ہونے سے مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے، اب جب قاضی صاحب کے نزدیک یہ جنگ اس پیروی میں شامل نہ ہوئی جو یہاں رضاءِ الٰہی کی شرط تھی تو رضاءِ الٰہی کی شرط نہ پائی گئی، جب رضاءِ الٰہی کی یہ شرط نہ پائی گئی تو حضرت معاویہؓ کے لئے رضاءِ الٰہی بھی نہ پائی گئی، جب ان کے لئے رضاءِ الٰہی نہ پائی گئی تو قاضی صاحب کے ہی استدلال کے بموجب وہ "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کا مصداق بھی نہ بن سکے، حالانکہ قاضی صاحب کو اس پر اصرار ہے کہ وہ، حضرت معاویہؓ کو "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کا مصداق بھی مانتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کی طرف سے جب وہ پیروی ہی نہ پائی گئی جو قاضی صاحب کے نزدیک یہاں رضاء الٰہی کی شرط تھی تو ان کے لئے تو رضاء الٰہی پائی ہی نہ گئی پھر وہ،

رضاء الٰہی کے بغیر "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کے مصداق کیسے بن گئے؟، جب وہ اس کے مصداق ہی نہ بن سکے تو قاضی صاحب اپنے ہی استدلال کے خلاف ان کو اس کا مصداق کیسے مانتے ہیں؟۔

لہٰذا قاضی صاحب کو چاہئے کہ اپنی ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات کریں، یا تو اس جنگ کو "والذين اتبعوهم باحسان" والی اس اتباع باحسان میں شامل مانیں جس کو وہ یہاں رضاء الٰہی کی شرط قرار دے رہے ہیں، یا پھر حضرت معاویہؓ کو "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کا مصداق بھی نہ مانیں کیونکہ اس جنگ کو اس اتباع باحسان میں شامل بھی نہ ماننا اور پھر حضرت معاویہؓ کو "رضي الله عنهم ورضوا عنه" کا مصداق بھی ماننا، یہ دونوں باتیں بیک وقت ایک ہی جگہ ہرگز جمع نہیں ہوسکتیں، اس آیت واتباع باحسان سے حضرت معاویہؓ کے خلاف قاضی صاحب کا طرز استدلال اگر وہی رہے جو انہوں نے اپنی کتاب "خارجی فتنہ" میں اختیار کیا اور یہاں دہرایا ہے تو پھر ان کو مذکورہ اپنی دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات سے لازماً دست بردار ہونا پڑے گا، کیونکہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ خوبی کے ساتھ جو پیروی ان کے نزدیک یہاں رضاء الٰہی کی شرط ہے وہ بھی نہ پائی جائے اور اس کے بغیر حضرت معاویہؓ کو رضاء الٰہی بھی حاصل ہو جائے، اب یہ قاضی صاحب ہی فرمادیں کہ وہ اپنی ان دونوں متضاد باتوں میں سے کس بات سے دست بردار ہونا پسند کریں گے؟۔

ب:...... قاضی صاحب کا یہ استفہامِ انکاری ان کے اپنے ہی مسلّمات کے خلاف اس طرح بھی ہے کہ وہ خود ہی اس جنگ کو حق کا ہی ایک فرد، خیر و بھلائی اور کارِ ثواب بھی بتلاتے نیز اس پر ان کو حسبِ حدیثِ بخاری ایک اجر بھی دلاتے ہیں، اس جنگ کا حضرت معاویہؓ کو حق بھی دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کی طرح اس میں ان کو بھی حق پر بھی کہتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ایک ایسی جنگ جو حق کے دائرے میں ہو، حق کا ہی ایک فرد ہو، خیر و بھلائی ہو، کارِ ثواب ہو، جنگ کرنے والے کو اس پر اجر ملا ہو، جنگ کرنے والا اس میں حق پر ہو،

اس جنگ کا اس کو حق بھی ہو، وہ جنگ بھی اگر خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل نہیں تو پھر اور کون سی جنگ اس میں شامل ہوگی؟ اور اگر کوئی جنگ بھی خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل نہیں ہوسکتی تو قاضی صاحب نے پھر ایسی جنگ کو جو خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل نہیں ہوسکتی تھی، حق، خیر دبھلائی، کارثواب اور باعث اجروثواب کیوں بتایا؟ حضرت معاویہؓ کو اس کا حق کیوں دیا؟ ان کو بھی اس میں حضرت علیؓ کی طرح حق پر کیوں کہا؟۔

لہٰذا یہاں بھی قاضی صاحب، ایک بات کریں یا تو اس جنگ کو خوبی کے ساتھ پیروی میں شامل مانیں یا پھر اس کو حق، خیر و بھلائی اور کارثواب بتانے، نیز اس پر حضرت معاویہؓ کو اجر دلانے، ان کو اس کا حق دینے اور حضرت علیؓ کی طرح ان کو بھی اس میں حق پر کہنے سے دست بردار ہوجائیں، کیونکہ یہ دونوں متضاد باتیں بھی بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ جنگ، خوبی کے ساتھ اس پیروی میں شامل بھی نہ ہو جو یہاں رضاء الٰہی کی شرط ہے، اور دوسری طرف وہ حق وخیر و بھلائی اور کارثواب وغیرہ بھی ہو، دیکھیے قاضی صاحب یہاں بھی اپنی ان دونوں متضاد باتوں میں سے کس بات سے دست بردار ہونا پسند کرتے ہیں؟۔

کیا میں نے مظہری استدلال پورا نقل نہیں کیا؟

آگے قاضی صاحب "الجواب" کے نمبر 5 کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"ابوریحان صاحب نے میری کتاب خارجی فتنہ ص476 کی عبارت یہاں تک نقل کی ہے: "تو اس صورت میں حضرت معاویہ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے"، اور انہوں نے اس کے بعد کی عبارت چھوڑ دی ہے جو حسب ذیل ہے":

"لیکن اس کے برعکس سندیلوی صاحب تو جنگِ صفین میں حضرت معاویہؓ کو بہ نسبت حضرت علیؓ کے اقرب الی الحق لکھ رہے ہیں، کیا سندیلوی صاحب قرآن سے معارضہ اور مقابلہ نہیں کررہے؟ مسئلہ حالات کا نہیں مسئلہ نصِ قرآنی کے تقاضا کا ہے قرآن کا جواب قرآن سے چاہئے اگر جواب نہیں ہے اور نہ ہوسکتا ہے تو حضرت معاویہ کی اجتہادی خطا تسلیم کرکے نصِ قرآنی

کے تقاضا پر عقیدہ رکھیں، اس میں حضرت معاویہؓ کی کوئی تنقیص لازم نہیں آتی بلکہ اجتہادی خطا کی وجہ سے وہ ایک گونہ ثواب کے ہی مستحق ہیں، ان حالات میں حضرت معاویہؓ تو معذور تھے لیکن اب سندیلوی صاحب تو معذور نہیں ہیں" (ص 477)۔ (حق چار یار، ص 40)۔

آگے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس عبارت کے بعد کیا کوئی ذی فہم اور انصاف پسند شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضرت امیر معاویہؓ کی بے ادبی اور توہین کی ہے اور میں ان کو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا مصداق نہیں ٹھہراتا جیسا کہ ابو ریحان صاحب مجھ پر بہتان تراشی کر رہے ہیں الخ" (ص 40)۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہاں ایک ہے حضرت معاویہؓ کے خلاف قاضی صاحب کا استدلال، اور ایک ہے اس استدلال کی بنیاد پر قاضی صاحب کا سندیلوی صاحب کو الزام، حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کا استدلال تو ان کی عبارت "کون صحیح کہہ سکتا ہے" تک یعنی وہاں تک جہاں تک میں نے قاضی صاحب کی عبارت نقل کی ہے، ختم ہو گیا ہے، اس سے آگے "لیکن اس کے برعکس الخ" سے یعنی اس عبارت سے جس کو بقول قاضی صاحب، میں نے چھوڑ دیا ہے، ان کا وہ الزام شروع ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے اوپر والے استدلال کی بنیاد پر سندیلوی صاحب کو دیا ہے، میں یہاں "تعبیرات مظہریہ بابت اجتہادی خطاءِ حضرت معاویہؓ" میں چونکہ حضرت معاویہؓ کے خلاف مظہری استدلال کی تعبیرات کا اصول اہل السنۃ، قواعدِ اجتہاد اور حضرت معاویہؓ کی شان کے خلاف ہونا بیان کر رہا تھا، خود مظہری استدلال و مظہری الزام پر بحث نہ کر رہا تھا اس لئے یہاں میں نے مظہری استدلال والی وہ عبارت نقل کر دی جس کی تعبیر کا اصول اہل السنۃ، قواعدِ اجتہاد اور حضرت معاویہؓ کی شان کے خلاف ہونا یہاں بیان کرنا مقصود تھا، اور مظہری الزام والی وہ عبارت یہاں میں نے نقل نہ کی جس کا مظہری استدلال کی تعبیر سے کچھ تعلق نہ تھا۔

لیکن میں قاضی صاحب کی اس عبارت سے غافل نہیں ہوں، ایسا نہیں ہے کہ میں نے اس کو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے اور اس کو اپنی کتاب میں کہیں بھی نہیں چھیڑا ہے، بلکہ میں اس کو بھی اس

کے اپنے موقع ومحل میں بالتفصیل زیرِ بحث لایا ہوں، میں اپنی کتاب کے ''افتتاحیہ'' میں ہی بتا چکا ہوں کہ اصحاب جمل وصفین بالخصوص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے خلاف قاضی صاحب کے دلائل یعنی آیت اتباع باحسان، آیت اولی الامر، آیت استخلاف، آیت تمکین، حدیث قتل عمار، حدیث قتال خوارج، حدیث اجتہاد حاکم، حدیث ہنات وغیرہا، نیز اجماع، قیاس، فضائل اور عبارات اکابر پر مفصل ومدلل گفتگو اوران کا تجزیہ میری کتاب کے دوسرے باب کا موضوع ہے، اسی باب میں قاضی صاحب کی اس عبارت کو بھی زیرِ بحث لایا ہوں، اور وہاں ہی میں نے تفصیل سے بتایا ہے کہ قرآن سے معارضہ ومقابلہ اگر کر رہے ہیں تو کیا تنہا سندیلوی صاحب ہی کر رہے ہیں یا کہ خود قاضی صاحب بھی؟ اور کتاب کا وہ حصہ اشاعت کے لئے بھی جا چکا ہے اگر قاضی صاحب نے ہمیں اتنی جلدی ''کشف سبائیت'' میں نہ الجھایا ہوتا تو قارئین پہلے ''سبائی فتنہ'' کا دوسرا حصہ ہی ملاحظہ فرما رہے ہوتے، اب بھی ''کشف سبائیت'' سے فارغ ہوتے ہی ''سبائی فتنہ'' کا دوسرا حصہ قارئین کی خدمت میں ان شاء اللہ پیش ہونا شروع ہو جائے گا۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ میں نے یہاں مظہری طرز استدلال اور اس کے اسلوب بیان کو اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف بتایا ہے اور وہ یقیناً ایسا ہی ہے، مظہری الزام کی جو عبارت قاضی صاحب نے یہاں نقل کی ہے اس سے اس کی حیثیت میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی فرق نہیں پڑتا ہے، مظہری الزام کی وہ عبارت یہاں نقل کی جائے یا نقل نہ کی جائے، مظہری استدلال اپنے اسلوب بیان اور اپنی ترکیب وتعبیر کے اعتبار سے بہرصورت اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ہی قرار پاتا ہے، ہم نے اب یہاں قاضی صاحب کی وہ عبارت اسی لئے نقل کی ہے کہ قارئین خود ہی اس کو مظہری استدلال کے ساتھ ملا کر دیکھ لیں کہ کیا اس سے مظہری طرز استدلال کی سبائیت میں کچھ بھی تخفیف ہوتی ہے؟۔

ہمارے نزدیک حضرت معاویہؓ کے خلاف قاضی صاحب کے اس استدلال کا اسلوب بیان کل بھی اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف تھا اور آج بھی اس کی حیثیت وہی ہے، اور

جب تک قاضی صاحب اپنے طرز استدلال کی اصلاح نہیں کرتے اس وقت تک یہ اصول اہل السنہ اور قواعد اجتہاد کے خلاف ہی رہے گا۔

قاضی صاحب کو چاہئے کہ وہ حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے اس استدلال کے اسلوب بیان کو ہی نہیں بلکہ حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت ابوموسیٰ اشعری (رضی اللہ عنہم) کے خلاف اپنے تمام استدلالات کے دیگر تمام تعبیری تسامحات اور لفظی تساہلات کو بھی اصول اہل السنہ، قواعد اجتہاد اور صحابہ کرامؓ کی شان کے مطابق بنانے کی کوشش کریں، ان کی موجودہ ہیئت ترکیبیہ و تعبیریہ کو صحیح ثابت کرنے پر زور صرف نہ کریں، کیونکہ اس طرح بات، مظہری استدلال کی تعبیری لفظی سبائیت سے مظہری عقیدے کی سبائیت تک تو پہنچ سکتی ہے لیکن مظہری طرز استدلال اور انداز بیان کی سبائیت مبدّل بسنیت نہیں ہو سکتی۔

آگے قاضی صاحب نے ابوریحان کی بہتان تراشی کی جو بات کی ہے اس سے متعلق ہم گذشتہ صفحات میں بعنوان ''ایک الزام یا بہتان لیکن کس کی جانب سے؟'' بتا آئے ہیں کہ ابوریحان نے قاضی صاحب پر یہ بہتان تراشی ہرگز ہرگز نہیں کی بلکہ قاضی صاحب ہی ابوریحان پر اس بہتان تراشی کا بہتان تراش رہے ہیں۔

تو ہم نے کب کہا ہے کہ یہ غلط ہے؟

اسی سلسلۂ کلام میں آگے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اگر میں نے لکھ دیا کہ حضرت معاویہؓ نے آخر تک حضرت علیؓ کی اتباع نہیں کی اور آپ نے حضرت علیؓ سے جنگ وقتال کیا، تو فرمایئے کیا یہ غلط ہے؟'' (ص40)۔

تو عالیجاہ! میں نے آپ کے اس لکھنے کو غلط اور توہین حضرت معاویہؓ پر مشتمل کب کہا ہے؟، میں نے آپ کے اس لکھنے کو غلط کہنے کے لئے تو نقل ہی نہیں کیا بلکہ صرف یہ بتانے کے لئے نقل کیا ہے کہ آپ کے بقول حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی اتباع باحسان نہ کر کے رضاء الٰہی کی یہ شرط جو پوری نہ کی تھی تو کب تک پوری نہ کی تھی؟ میں نے آپ کی یہ بات نقل کر کے بتا دیا کہ

آپ کے ہی بقول حضرت معاویہؓ نے رضاء الٰہی کی یہ شرط آخر تک پوری نہ کی تھی، یعنی وہ آخر تک "رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ" کے مصداق نہ بن سکے تھے، بس آپ کے اس لکھنے کو یہاں نقل کرنے سے میرا مقصد فقط اتنا ہی بتانا تھا، اس کے غلط یا صحیح ہونے سے یہاں مجھے کوئی غرض نہ تھی نہ میں نے اس سے یہاں کوئی تعرض ہی کیا تھا، میری کتاب "سبائی فتنہ، جلد اول" کے ص 78 کا ٹھنڈے سبھاؤ سے ایک دفعہ پھر اچھی طرح مطالعہ فرما لیجئے۔

علاوہ ازیں گزارش ہے کہ بالفرض اگر میں نے آپ کے اس لکھنے کو غلط ہی کہہ دیا ہوتا تو تب بھی آپ کی محض اتنی بات سے کہ "فرمایئے کیا یہ غلط ہے"، اس کا جواب ہرگز نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ کسی بات کو غلط کہنے کے لئے ہر وقت اُس بات کا فی نفسہ بھی غلط ہونا ہی ضروری نہیں ہوتا بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات تو فی نفسہ غلط نہیں ہوتی لیکن اس کا استعمال غلط ہوتا ہے، اس کا سباق وسیاق غلط ہوتا ہے، اس کے پیچھے کوئی مقصد غلط ہوتا ہے، اس سے لازم آنے والا نتیجہ غلط ہوتا ہے جیسے مثلاً خوارج کا حضرت علیؓ پر اعتراض کرتے ہوئے "انِ الحکم اِلّا للہ" کہنا، تو اس وقت اس کے اس غلط استعمال، غلط سباق وسیاق اور غلط مقصد ونتیجہ کی وجہ سے اس کو غلط کہہ دیا جاتا ہے، یہ درحقیقت اس بات کو غلط کہنا نہیں ہوتا بلکہ مذکورہ خارجی امور کو غلط کہنا ہوتا ہے، یعنی یہ تغلیط، بعینہٖ نہیں ہوتی بلکہ لغیرہ ہوتی ہے، لہٰذا ایسے موقع پر اس بات کو غلط کہنے والے کی تغلیط محض اس بات کی فی نفسہ صحت کے حوالہ سے اور صرف اتنی بات کہہ دینے سے نہیں ہو سکتی کہ "فرمایئے کیا یہ غلط ہے"، بلکہ اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کو غلط کہنے والے نے جن خارجی امور کی وجہ سے اس کو غلط کہا ہے انہی امور کے حوالہ سے اس کا صحیح یا غلط ہونا بیان کیا جائے۔

اس اعتبار سے آپ کے اس لکھنے کو بالفرض اگر میں غلط بھی کہہ دیتا تو بے جا نہ ہوتا، کیونکہ آپ نے اس کو خوارج کے "انِ الحکم اِلّا للہ" کی طرح حضرت معاویہؓ کے خلاف استعمال کیا ہے، ان کو ضرور بالضرور مخطی ہی بنانے اور ان کی خطاءِ اجتہادی کو زیادہ سے زیادہ وزنی کرنے میں اس سے کام لیا ہے، اور آپ کی طرف سے اس کا یہ استعمال اور اس کے پیچھے آپ کا یہ

مقصد ہمارے نزدیک بلاشبہ غلط ہے، اور غلط کام بہرحال غلط ہی ہوا کرتا ہے اور اس کو جب بھی کہا جائے تو غلط ہی کہا جاتا ہے۔

دیکھئے مولانا سراج الحق مچھلی شہری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشاجراتی موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

"قصاص عثمانؓ لیا جانا عین منشاء نبوی بلکہ منشاء خداوندی تھا، لیکن حضرت علیؓ نے قصاص نہ لیا، نہ اس کا ارادہ کیا بلکہ الٹا قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے جنگ کرنے لگے"۔

(ملخصاً از خارجی فتنہ، ص 410 ج 1)

قاضی صاحب نے مولانا مچھلی شہری کے اس لکھنے کو "آیت بیعت رضوان میں معنوی تحریف" اور "حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش" کہا اور اس پر رد کیا، اس کے جواب میں قاضی صاحب ہی کی طرح مولانا مچھلی شہری بھی اگر یہ کہنے لگ جائیں کہ اگر میں نے لکھ دیا کہ حضرت علیؓ نے نہ قصاص لیا اور نہ اس کا ارادہ کیا بلکہ الٹا قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے جنگ کرنے لگ گئے، تو فرمایئے کیا یہ غلط ہے" تو قاضی صاحب ہی فرما دیں کہ کیا وہ، مولانا مچھلی شہری کے اس جواب سے مطمئن ہو کر ان کو آیت بیعت رضوان کی تحریف معنوی اور حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش سے بری مان لیں گے؟، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جو، جواب قاضی صاحب، ان کو دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے اپنی مذکورہ بات کا بھی منظور فرمالیں۔

ایسی عظمت شان تو سندیلوی صاحب نے بھی بڑھائی تھی حضرت علیؓ کی پھر اس پر قاضی صاحب اتنے مشتعل کیوں ہوئے؟

اپنی اوپر والی بات پوری کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن جب میں نے تصریح کردی کہ یہ جنگ حضرت معاویہؓ نے اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کی تھی اور اس میں ان سے اجتہادی خطا ہوگئی اور اس پر بھی ان کو یک گونہ ثواب ملے گا تو کیا اس

سے ان کی توہین لازم آتی ہے؟ یا بوجہ مجتہد ہونے کے ان کی عظمتِ شان بڑھتی ہے''۔

یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں، ایک تو یہ کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کی طرف صرف خطأ اجتہادی کی نسبت ہی نہیں کی بلکہ بغاوت، جور، قصور، نافرمانی اور اللہ کے حکم کی مخالفت وغیرہ تک کی نسبت بھی کی ہے، سوال یہ ہے کہ حضرت معاویہؓ کو یہ سب کچھ کہنے سنانے کے باوجود بھی ان کو صرف مجتہد کہہ دینے، ان کی اس ساری کارگزاری کو خطأ اجتہادی کا نام دے دینے اور اس پر ان کو یک گونہ ثواب دلانے سے اگر ان کی عظمتِ شان بڑھتی ہے تو ایسی عظمتِ شان تو سندیلوی صاحب نے بھی حضرت علیؓ کی بڑھائی تھی کہ ان کی طرف جو کچھ بھی انہوں نے منسوب کیا تھا ان کو مجتہد کہہ، مان کر ہی منسوب کیا تھا، بلکہ اس لحاظ سے ان کا حضرت علیؓ کی عظمتِ شان کو بڑھانا، قاضی صاحب کے حضرت معاویہؓ کی عظمتِ شان کو بڑھانے کی بنسبت بڑھ کر تھا کہ قاضی صاحب نے تو حضرت معاویہؓ کے اجتہاد کو خطأ کہہ کر اس پر ان کو اکہرا ثواب دلایا ہے جبکہ سندیلوی صاحب نے حضرت علیؓ کے اجتہاد کو خطأ نہ کہا تھا بلکہ اس کو بھی صواب ہی کہہ کر گویا ان کو دوہرا ثواب دلوایا تھا (دیکھو''اظہار حقیقت'' ج 2/ص 197، 200، 201، 416، 439 وغیرہ) پھر قاضی صاحب اس پر اتنے مشتعل اور معترض کیوں ہوئے؟ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمتِ شان کی یہ سندیلوی بڑھوتی کیوں نہ بھائی؟۔

اور دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ قاضی صاحب کا حضرت معاویہؓ کو مجتہد مخطی کہہ کر اس پر ان کو یک گونہ ثواب دلا دینا اگر ان کی عظمتِ شان کو بڑھانے میں مؤثر ہوسکتا ہے تو ان کا حضرت معاویہؓ کی طرف بغاوت و جور، قصور و نافرمانی وغیرہ کو منسوب کرنا ان کی عظمتِ شان کو گرانے گھٹانے میں کیوں مؤثر نہیں ہوسکتا؟، اگر قاضی صاحب، حضرت معاویہؓ سے متعلق، خطأ اجتہادی، یک گونہ ثواب اور مجتہد جیسی اپنی تاویلات کو اپنی صفائی میں پیش کرسکتے ہیں تو ان کا کوئی بھی مدِ مقابل، بغاوت، جور، قصور، نافرمانی، اللہ کے حکم کی مخالفت اور از روئے نصِ قرآنی در حقیقت بالکل ناجائز، جیسی متجاوز عن الحد اور مُوہم بلکہ مُوجبِ توہین و تنقیص ان کی تعبیرات کو ان

کی طرف سے حضرت علیؓ کی منقبت نگاری کے بہانے حضرت معاویہؓ کی منقصت شماری کے ثبوت میں کیوں پیش نہیں کیا جا سکتا؟۔

ابوریحان اور کیا چاہتا ہے؟

میری کتاب ''سبائی فتنہ'' پر اپنے اجمالی تبصرہ کی پہلی قسط کے آخر میں قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''جب میں نے حضرت معاویہؓ کو بھی قطعی جنتیوں میں شامل کر لیا تو پھر ابوریحان صاحب اور کیا چاہتے ہیں اور وہ کیوں لکھ رہے ہیں کہ...... الخ'' (ص41)۔

گزارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ ابوریحان صرف یہ چاہتا ہے کہ ۔

دورنگی چھوڑ یک رنگ ہوجا ...... سراسر موم ہو یا سنگ ہوجا

آپ کا حال اور وہ قال جو ''سبائی فتنہ'' میں زیر بحث ہے، ایک نہیں، میرے حسن ظن کے مطابق آپ کا حال اگر سُنی ہے تو محولہ بالا آپ کا قال خالص سبائی ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یا تو اپنا وہ قال بھی اپنے حال کے مطابق کر کے پورے سُنی بن جائیں یا پھر اپنے حال کو بھی اپنے قال کے موافق بنا کر پورے سبائی بن جائیں، کچھ سُنی اور کچھ سبائی بن کر ''آدھا تیتر آدھا بٹیر'' کا مصداق نہ بنیں، بس میں اتنا کچھ ہی چاہتا ہوں۔

باقی رہا آپ کا یہ لکھنا کہ ''میں نے حضرت معاویہؓ کو بھی قطعی جنتیوں میں شامل کر لیا''، تو آپ کا یہ شامل کرنا میں خود اپنی کتاب میں اسی جگہ نقل کر چکا ہوں جہاں میں نے ان کو رضاءِ الٰہی سے محروم بتانے والی آپ کی استدلالی تعبیر پر بحث کی ہے، آپ یہ بتائیں کہ حضرت معاویہؓ کے خلاف آپ کے جس استدلال کا نتیجہ میں نے رضاءِ الٰہی سے ان کی محرومی بتایا ہے آپ کے اُس استدلال کا نتیجہ وہی ہے یا نہیں؟، نیز سوال یہ ہے کہ جب آپ حضرت معاویہؓ کو بھی قطعی جنتیوں میں شامل مانتے ہیں تو پھر آیتِ اتباع باحسان سے ان کے خلاف اپنے استدلال میں ان سے اللہ کی رضاء کو آپ زیر بحث کیوں لائے ہیں؟، ان سے اللہ کی رضاء کو مشروط بالشرط

کرنے اور پھر اس شرط کی نفی کرنے کا تکلف یہاں آپ نے کیوں کیا ہے؟، نیز جب آپ حضرت معاویہؓ کو "رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ" کا مصداق مانتے ہیں تو پھر یہاں آپ نے ان کے خلاف ایسا طرز استدلال کیوں اپنایا ہے جس کے نتیجہ میں وہ اس کے مصداق نہیں رہتے؟۔

یہاں تک مظہری تبصرے کی پہلی قسط کا جواب بحمد اللہ مکمل ہوا، آگے اس کی دوسری قسط کا جواب ان شاء اللہ شروع ہوتا ہے۔

☆☆☆

(شائع شدہ: ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان، اپریل تا ستمبر 1992ء)

مظہری تبصرہ کی قسطِ دوم کا مفصل ریحانی جواب

یہاں سے مظہری تبصرہ کی قسطِ دوم کا ریحانی جواب شروع ہوتا ہے، مظہری تبصرہ کی یہ قسط ماہنامہ "حق چار یار" بابت ماہِ رمضان 1413ھ مطابق مارچ 1992ء کے شمارہ میں از ص 11 تا 18 چھپی ہے، اس کے ریحانی جواب میں حوالے اسی شمارے کے ہوں گے۔

سبحانك هذا بهتان عظيم

قارئین یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ میری کتاب "سبائی فتنہ جلد اول" پر اپنے اجمالی تبصرہ کی قسطِ دوم کا آغاز ہی قاضی صاحب نے مجھ پر بہتان تراشی سے کیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو کہ پہلے تو انہوں نے میرے بارے میں یہ بتایا ہے کہ:

"ابو ریحان مولانا عبدالغفور سیالکوٹی کی اس کتاب کے مطالعہ کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اسی طرح غلو رکھتے ہیں جس طرح شیعہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو میں مبتلا ہیں"۔

اور پھر اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ:

"اہل سنت، حضرت علیؓ کو قرآن کا چوتھا خلیفہ راشد اور قطعی جنتی ماننے کے باوجود جو ان کو خلیفہ بلا فصل (خلیفہ اول) اور معصوم نہیں مانتے تو شیعہ، ان کو، حضرت علیؓ سے بغض رکھنے والا قرار دیتے ہیں، اسی طرح اہل سنت، حضرت معاویہؓ کو ایک جلیل القدر مجتہد صحابی اور جنتی تسلیم کرنے کے باوجود حضرت علیؓ سے جنگ کرنے میں جو اُن کی خطاءِ اجتہادی کے قائل ہیں تو ابو ریحان اور ان کے ہم نوا اس کو حضرت معاویہؓ کی توہین گردانتے اور اس مسلک کو بیان کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ دیتے ہیں"۔ (ملخصاً بلفظہ، ص 11)۔

جواباً گزارش ہے کہ یہ قاضی صاحب کا مجھ پر صریح بہتان ہے، کیونکہ میں نے اپنی ساری کتاب میں کہیں بھی نہ تو حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی کے قائل ہونے کو ان کی توہین گردانا

ہے اور نہ کہیں اس مسلک کو بیان کرنے والوں کو "سبائیت" کا طعنہ ہی دیا ہے، اس کا ایک واضح ثبوت تو یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی عادت کے مطابق میرے بارے میں یہ غلوی شوشہ تو چھوڑ دیا ہے لیکن میری ساری کتاب میں سے ایسے کسی ایک مقام کی بھی نشاندہی وہ نہیں کر سکے جہاں میں نے حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی کے قائل ہونے کو ان کی توہین گردانا اور اس مسلک کو بیان کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ دیا ہو۔

ریحانی چیلنج

میرا چیلنج ہے کہ سورج تو مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو سکتا ہے لیکن قاضی صاحب قیامت کی صبح تک میری اس کتاب کے کسی ایسے مقام کی بھی نشاندہی نہیں کر سکتے اور ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے کہ جہاں ان کے اس غلوی شوشہ کا کوئی ذکر مذکور ہی آیا ہو، قاضی صاحب میں اگر جرأت ہے تو وہ اپنے اس غلوی شوشہ کا کوئی ایک ہی ثبوت میری ساری کتاب میں سے پیش کریں ورنہ مجھے "سبحانك هذا بهتان عظيم" کہنے میں حق بجانب سمجھیں۔

مظہری غلط فہمی یا غلط بیانی

دراصل بات یہ ہے کہ میں نے حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی کے قائل ہونے کو ان کی توہین نہیں گردانا اور نہ اس مسلک کو بیان کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ دیا ہے، بلکہ حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی سے متعلق قاضی صاحب کے توہین آمیز لب ولہجہ، گستاخانہ اندازِ بیان اور خالص سبائیانہ طرزِ استدلال کو میں نے حضرت معاویہؓ کی توہین گردانا اور سبائیت کی ترجمانی کہا ہے اور یہ میں بات نہیں بنا رہا، نکتہ بعد الوقوع نہیں بیان کر رہا بلکہ اپنی کتاب میں از اول تا آخر جابجا عبارۃ النص کے طور پر لکھی ہوئی بات بتا رہا ہوں، چنانچہ ملاحظہ ہو کہ میں اپنی کتاب کے بالکل شروع میں ہی اصحاب جمل وصفین بالخصوص حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہ) کی خطاءِ اجتہادی سے متعلق قاضی صاحب کی انوکھی روش کا ذکر کر کے یہ تصریح کر چکا ہوں کہ:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ مجتہدین کے اجتہادات میں خطأ وصواب کا احتمال ہوتا ہے

اور مجتہدین میں سے کسی کو مخطی اور کسی کو مصیب کہا جاسکتا ہے، لیکن اس اجتہادی خطا وصواب کو زبان وقلم پر لانے اور اس کی تعیین کے علماء اہل السنۃ نے چند اصول بیان فرمائے ہیں جن کی پابندی اس دوران نہایت ضروری ہے"۔ (سہائی فتنہ ص 14 / ج 1)۔

آگے میں نے اہل السنۃ کے وہ اصول بیان کرکے بتلایا ہے کہ قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ وغیرہ صحابہؓ کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کرنے میں ان اصولوں کی خلاف ورزی کی ہے، تو دیکھئے میں اس پر تو بحث ہی نہیں کررہا کہ حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی کا قائل ہونا ان کی توہین ہے یا نہیں؟ بلکہ میری تمام تر بحث تو صرف اس پر ہو رہی ہے کہ اصول اہل السنۃ اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف ان کی خطاء اجتہادی کا قائل ہونا ان کی توہین ہے یا نہیں؟، دونوں باتوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے، قاضی صاحب اگر اس فرق کو نہیں سمجھ سکے تو یہ ان کی فہم کا قصور ہے، حضرت معاویہؓ کے بارے میں میرا غلو نہیں ہے، آگے چل کر اس بات کو میں اور بھی زیادہ واضح الفاظ میں یوں بیان کرچکا ہوں:

"الغرض اجتہادی اختلافی مسائل خصوصاً مشاجراتِ صحابہؓ میں ترجیح تو انسان جس جانب کو چاہے دے سکتا ہے لیکن اس کو یہ ترجیح ایسے انداز سے دینے اور بیان کرنے کی اجازت ہرگز ہرگز نہیں کہ جس سے جانبِ آخر کی صراحتاً یا اشارۃً ہی توہین وتنقیص ہوتی یا لازم ہی آتی ہو، لیکن اس سب کے علی الرغم حضرت قاضی صاحب مدظلہ نے مشاجراتِ صحابہؓ کو مبنی بر اجتہاد مانتے ہوئے بھی حضرت علی ؓ کے اجتہادی موقف کے مقابلہ میں حضرت معاویہ ؓ کے اجتہادی موقف کی مرجوحیت ایسے انداز سے بیان کی ہے کہ اس سے حضرت معاویہؓ کی توہین وتنقیص صرف لازم ہی نہیں آتی بلکہ صراحتاً ہوتی ہے.........اس طرح جو مسئلہ حضرت قاضی صاحب کے نزدیک بھی مزلۃ الاقدام تھا افسوس کہ اس مسئلہ میں اسلوب بیان کی حد تک خود حضرت قاضی صاحب کے قدم بھی زلت کھانے سے محفوظ نہیں رہ سکے" (سہائی فتنہ ص 72، 73 / ج 1)۔

تو ملاحظہ فرمایئے کہ میں بات حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی کے قائل ہونے نہ

ہونے کی کر رہا ہوں یا ان کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت کرنے کے مظہری انداز اور اسلوب بیان کی کر رہا ہوں؟۔

اس سے بھی زیادہ واضح ایک اور تصریح ملاحظہ ہو:

''اصولاً تو تقریباً تمام اہل السنۃ اور ان میں سے ارباب استقامت، عملاً بھی اس پر متفق ہیں کہ مشاجرات صحابہؓ پر کسی شدید دینی ضرورت کے تحت اگر کبھی گفتگو کرنی ہی پڑ جائے تو ''خطاءِ اجتہادی'' سے بڑھ کر کوئی لفظ زبان وقلم پر ہرگز ہرگز نہ لانا چاہئے............ اور ضابطے کی حد تک تو خود حضرت قاضی صاحب صاحب مدظلہ بھی اس تجاوز کو خطرناک ہی قرار دیتے ہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ............ لیکن افسوس کہ عملاً حضرت قاضی صاحب اس پر کاربند نہیں رہ سکے اور خطاءِ اجتہادی سے بہت آگے بڑھ کر ''سخت نافرمانی''، ''نصِ قرآنی کی مخالفت'' اور ''نافرمانی پر اصرار'' جیسی تعبیرات بڑی فیاضی سے اختیار فرمائی ہیں اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں غیروں کا کہا ہوا وہ سب کچھ کہہ گئے ہیں جو خود ان کے نزدیک بھی جائز نہیں تھا...... الخ''۔

(سبائی فتنہ، ص110، 111/ ج1)

ایسی ہی ایک اور تصریح بھی ملاحظہ ہو:

''لہٰذا کسی اور کا مجتہد کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت کرنا اس مجتہد کی بے ادبی اور توہین ہو یا نہ ہو، حضرت قاضی صاحب نے صحابہ کرام کا تخطئہ جس انداز سے کیا ہے، حضرت قاضی صاحب کا ارادہ ہو یا نہ ہو، اس کی ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے اس کو صحابہؓ کی بے ادبی اور تنقیصِ شان کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا، آخر کون مانے گا اور کیسے مانے گا کہ صحابہ کرامؓ کو گناہ یقیناً سخت نافرمانی، اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی اور نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت وغیرہ وغیرہ کا مرتکب ثابت کرنا اور منوانا تک بھی ان کی بے ادبی اور تنقیصِ شان نہیں؟ الخ''۔

(ایضاً ص399/ ج1)

تو دیکھ لیجئے! میں، حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی کے قائل ہونے کی بات نہیں کر رہا

بلکہ اس کو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، نصِ قرآنی کی مخالفت اور نافرمانی پر اصرار جیسی [illegible]
کرنے کی بات کر رہا ہوں، "خطأ اجتہادی" کے قائل ہونے کو حضرت معاویہؓ کی توہین [illegible]
رہا بلکہ اس کو ایسی ایسی توہین آمیز اور گستاخانہ تعبیرات سے معبر کرنے کو ان کی توہین کہہ [illegible]

اسی طرح حضرت معاویہؓ کی خطأ اجتہادی والا مسلک بیان کرنے والوں کو [illegible]
طعنہ بھی میں نے اپنی ساری کتاب میں کہیں نہیں دیا، بلکہ مشاجرات صحابہؓ سے متعلق اہل السنۃ کے
جہاں دیگر مسالک کا میں نے ذکر کیا ہے وہیں اس کو بھی ایک سُنی مسلک کے طور پر ہی ذکر کیا ہے،
میں نے تو اس کے سُنی مسلک ہونے کا انکار بھی کہیں نہیں کیا چہ جائیکہ اس کو بیان کرنے والوں کو
سبائیت کا طعنہ دیا ہو؟، ہاں قاضی صاحب نے اس مسلک کو مشاجرات میں اہل السنۃ کا اصل
مذہب نیز قوی ترین، مقبول ترین اور راجح ترین مذہب قرار دے کر اس کے مقابلہ میں سکوت
و توقف کو جو کمزور ترین، ناپسندیدہ ترین اور غیر مختار مذہب قرار دیا ہے اس پر میں نے دلائل سے
گفتگو البتہ ضرور کی ہے لیکن اس کو نقل کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ میں نے کہیں بھی نہیں دیا (1)
چنانچہ اپنی کتاب کی فصلِ پنجم میں مشاجراتِ صحابہؓ سے متعلق اہل السنۃ کے جن مذاہب کا میں نے
ذکر کیا ہے ان میں تخطیہ و تصویب یعنی حضرت علیؓ کے مصیب اور حضرت معاویہؓ کے مخطی ہونے کو
بھی ایک سُنی مذہب کی حیثیت سے ہی ذکر کیا ہے، پھر آگے "ذکر بالخیر کی انواع و اقسام" کے زیر
عنوان، صحابہؓ کے ذکر بالخیر کی جو صورتیں میں نے ذکر کی ہیں ان میں بھی اس تخطیہ و تصویب کو ذکر
بالخیر کی ایک قسم کے طور پر ہی ذکر کیا ہے، انہی اقسام ذکر بالخیر کا جو خاکہ میں نے اپنی کتاب کے
ص 316 پر دیا ہے اس میں اِس قسم کا چھٹا نمبر ہے، ملاحظہ ہو میری کتاب "سبائی فتنہ" از ص 310

(1) اگر قاضی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے ان کو سبائی کا طعنہ دیا ہے اور یہ مذہب نقل کرنے کی وجہ سے دیا ہے تو
اوّل تو ان کا یہ خیال ہی خیال باطل ہے، کیونکہ میں نے ان کو سبائیت کا طعنہ نہیں دیا بلکہ ان کی سبائیانہ تعبیرات و تحریرات اور
طرز ہائے استدلالات کو یہ طعنہ دیا ہے، دوم اگر بالفرض میں نے ان کو ہی یہ طعنہ دیا ہے تو پھر محض اس مذہب کو نقل کرنے کی
وجہ سے نہیں دیا بلکہ اس مذہب کی آڑ لے کر صحابہؓ کو سبائیات کا نشانہ بنانے کی وجہ سے دیا ہے۔ منہ

ص 319/ ج 1)۔

پھر میں نے مشاجرات صحابہؓ سے متعلق اہل السنۃ کے مذاہب اور صحابہؓ کے ذکر بالخیر کی اہمیت اور اقسام کی تفصیل بیان کر کے بالتصریح لکھا ہے کہ:

''مشاجرات صحابہؓ سے متعلق سندیلوی صاحب کے ذکر کردہ اہل السنۃ کے جن پانچ مذاہب پر قاضی صاحب نے بحث کی ہے وہ ذکر بالخیر کی ہی مذکورہ پہلی، دوسری اور ساتویں صورت کے علاوہ باقی پانچ صورتیں ہیں، ان پانچوں صورتوں میں سے ایسی صورت کوئی بھی نہیں ہے جس کا اہل السنۃ میں سے کوئی بھی قائل نہ ہو، بلکہ ہر ایک صورت کا اہل السنۃ میں کوئی نہ کوئی قائل ضرور ہے، یہ پانچوں مذہب، اہل السنۃ کے ہی ہیں، غیر اہل السنۃ کا ان میں سے ایک مذہب بھی نہیں ہے، لہٰذا مسلسل شمار سے صرف چھٹی صورت (1) میں اجماع کا دعویٰ بظاہر خلاف واقعہ ہے تفصیل ان شاء اللہ دوسرے باب میں آئے گی'' (سبائی فتنہ ص 321/ ج 1)۔

تو دیکھ لیجئے! مشاجرات صحابہؓ سے متعلق ان پانچوں مذہبوں کو کہ جن میں سے ایک حضرت علیؓ کا مصیب اور حضرت معاویہؓ کا مخطی ہونا بھی ہے، میں اہل السنۃ کے ہی مذاہب کہہ رہا ہوں اور ان میں سے کسی بھی مذہب کے غیر اہل السنۃ کا مذہب ہونے کی بالتصریح نفی کر رہا ہوں، نیز آگے چل کر ''تخطئہ و تصویب کی مزعومہ ارجحیت و مقبولیت کی اصولی حیثیت'' کے زیر عنوان بھی میں نے یہ تصریح کی ہے کہ:

''سو واضح ہو کہ اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ اجتہادیات میں خطأ و صواب دونوں کا احتمال رہتا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ فصل اول میں اجتہادیات سے متعلق ذکر کردہ اصول کی پابندی کے ساتھ کسی مجتہد کی طرف اس کی براءۃ کے لئے اجتہادی خطأ کی نسبت کرنا جائز ہے، اس میں اس مجتہد کی نہ تو توہین و تنقیص ہے اور نہ بے ادبی و کسر شان، لیکن اس کو توقف کے مقابلہ میں بالخصوص صحابہؓ کے بارے میں راجح ترین، قوی ترین اور مقبول ترین کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے،

---

(1) یہ وہی صورت ہے جس میں حضرت علیؓ کو مصیب اور حضرت معاویہؓ کو مخطی کہا گیا ہے۔ منہ

کیونکہ..........الخ" (ایضاً، ص 383/ ج 1)۔

ایک اور جگہ میں نے لکھا ہے کہ:

"کسی مجتہد کا مخطئہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو اگرچہ اس مجتہد کی بے ادبی اور تنقیص شان نہیں لیکن مقصدِ مخطئہ اور اندازِ مخطئہ کے اعتبار سے کبھی اس میں بے ادبی اور تنقیص شان کی شان آجاتی ہے.....الخ" (ایضاً، ص 397/ ج 1)۔

جب میں حضرت معاویہؓ کی خطأِ اجتہادی والے مذہب کو بھی اہل السنۃ کے ہی ایک مذہب کے طور پر بذاتِ خود نقل کر رہا ہوں اور جب میں خود ہی یہ تصریح بھی کر رہا ہوں کہ کسی مجتہد کی طرف خطأِ اجتہادی کی نسبت اپنی ذات کے اعتبار سے نہ اس مجتہد کی توہین ہے اور نہ تنقیص شان تو پھر میں اس مذہب کو نقل کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ کیسے دے سکتا تھا؟ میری ان تصریحات کے باوجود بھی میرے بارے میں قاضی صاحب جو یہ لکھ رہے ہیں کہ میں اس مذہب کو نقل کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ دیتا ہوں تو قارئین ہی انصاف فرماویں کہ اس کو میرے بارے میں قاضی صاحب کی غلط فہمی یا غلط بیانی کے سوا آخر اور کون سا نام دیا جا سکتا ہے؟۔

ایسی مزید تصریحات بھی میری کتاب میں جا بجا موجود ہیں، طوالت اور اپنے قارئین کی اکتاہٹ کا اگر خوف نہ ہوتا تو میں ایسی اور تصریحات بھی یہاں نقل کرتا، ان تمام تصریحات سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ میں نے نہ تو حضرت معاویہؓ کی خطأِ اجتہادی کے قائل ہونے کو ان کی توہین گردانا ہے اور نہ اس مذہب کو نقل کرنے والوں کو سبائیت کا کہیں طعنہ ہی دیا ہے، بلکہ قاضی صاحب نے اس خطأِ اجتہادی کو جس بھیانک انداز اور لب ولہجہ میں پیش کیا ہے ان کے اس انداز بیان اور لب ولہجہ کو میں نے حضرت معاویہؓ کی توہین گردانا اور سبائیت کا طعنہ دیا ہے، قاضی صاحب نے اپنے اس گستاخانہ لب ولہجہ، بے ادبانہ اندازِ بیان اور سبائیانہ طرز ہائے استدلالات پر پردہ ڈالنے کے لئے میرے بارے میں یہ غلط بیانی کی ہے کہ میں حضرت معاویہؓ کی خطأِ اجتہادی کے قائل ہونے کو ان کی توہین گردانتا ہوں اور اس مذہب کو نقل کرنے والوں کو سبائیت کا طعنہ دیتا

ہوں، اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بارے میں ان کی یہ غلط بیانی نہیں بلکہ حق بیانی ہے تو پھر ان کو چاہئے کہ میری ساری کتاب میں سے اپنی اس حق بیانی کا کوئی ایک اور صرف کوئی ایک ہی ثبوت وہ پیش کریں۔ مجھے یقین ہے کہ قاضی صاحب اپنی حیات کے آخری لمحہ تک میری ساری کتاب میں سے اپنی اس حق بیانی کا کوئی ایک ثبوت بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ فأتوا برهانكم ان كنتم صادقین۔

غلو میں مبتلا کون، ابو ریحان یا قاضی صاحب؟

حضرت معاویہؓ کی خطاءِ اجتہادی سے متعلق میرے جس غلو کا قاضی صاحب نے دعویٰ کیا ہے وہ اس کا کوئی ثبوت میری کتاب سے ابھی تک پیش نہیں کر سکے اور نہ حشر تک ان شاء اللہ پیش کر سکیں گے، لیکن اس سلسلے میں خود وہ اکہرے ہی نہیں بلکہ دہرے غلو کے مرتکب ہوئے ہیں، میں اس کا ثبوت اپنی کتاب میں علیٰ وجہ الاتم پیش کر چکا ہوں، "غلو" کہتے ہیں تجاوز عن الحد کو (1) اور اجتہادی خطاء وصواب کی سُنی حدود ہے جس کو ہم نے اپنی کتاب کے شروع میں "اجتہادی اصول اربعہ" کی صورت میں بیان کیا ہے، لہذا اجتہادی خطاء وصواب کے سلسلے میں اُس حد سے تجاوز، غلو ہوگا، اور ہم وہیں بدلائل قاہرہ یہ ثابت کر آئے ہیں کہ قاضی صاحب نے جہاں حضرت معاویہؓ کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت کرنے میں اس حد سے تجاوز کیا ہے وہیں انہوں نے حضرت علیؓ کی طرف صواب کی نسبت کرنے میں بھی اس حد سے تجاوز کیا ہے، چنانچہ وہ، حضرت معاویہؓ کی طرف خطاءِ اجتہادی کی نسبت کرنے نکلے تو ان کے اجتہادی موقف کو نافرمانی، نصوص قرآنی وحدیثیہ کی خلاف ورزی، اللہ ورسول کے حکم کی مخالفت اور از روئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز وغیرہ وغیرہ تک پہنچا دیا، اس میں صواب کے احتمال کو بھی اڑا دیا اور اس سب کو کچھ قطعی ویقینی بھی بنا دیا، اسی طرح دوسری طرف حضرت علیؓ کی طرف صواب اجتہادی کی نسبت کرنے چلے تو ان کو روافض

(1) چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں "الغلو في الدين هو مجاوزة عن الحق فيه"۔
(احکام القرآن، ص 292/ ج2)

کی طرح معصومیت کے درجے تک پہنچا دیا کہ مشاجراتی اجتہاد میں ان سے خطأ اجتہادی نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہی تھی، بلکہ معصومیت کے درجے سے بھی بڑھا دیا کہ معصوم انبیاء کرام ﷺ تو قاضی صاحب کے نزدیک صرف گناہوں سے معصوم ہیں، زلات اور اجتہادی خطاؤں سے معصوم نہیں، لیکن حضرت علیؓ سے ان کے نزدیک یہاں خطأِ اجتہادی بھی نہ صرف یہ کہ ہوئی نہیں بلکہ ہو سکتی ہی نہیں تھی، انہوں نے یہاں نہ صرف یہ کہ اللہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا نہیں بلکہ یہاں ایسا کام وہ کر سکتے ہی نہیں تھے، اور یہ "نہ ہو سکنا" ہی قاضی صاحب کے نزدیک مفہوم عصمت کا جزو ہے، دیکھو ہماری کتاب "سبائی فتنہ، از ص 46 تا 48/ج 1"، اس طرح اس سلسلے میں صرف اکہرے ہی نہیں بلکہ سبائیانہ و رافضانہ دہرے غلو میں مبتلا ہوئے تو قاضی صاحب خود مگر "غلو آیا غلو آیا" کے بمصداق مبتلا اس میں بتا رہے ہیں ابوریحان کو، لیکن خدا کی شان کہ ان کی تو اُلٹی بھی سیدھی اور ابوریحان کی سیدھی بھی اُلٹی صرف اس لئے کہ وہ امام اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب ہیں اور میں ابوریحان ہوں، اور بالفرض اگر میں نے حضرت معاویہؓ کے بارے میں غلو ہی کیا ہے تو ان کی براءت بیان کرنے میں ہی کیا ہے جبکہ قاضی صاحب نے ان کو مورد الزام ٹھہرانے میں غلو سے کام لیا ہے، غلو خواہ کیسا ہی ہو، وہ اپنی ذات کے اعتبار سے غیر محمود ہی ہوتا ہے، اس لحاظ سے یہ دونوں غلو بھی غیر محمود ہی ہوں گے، لیکن قاضی صاحب ہی بتلائیں کہ صحابہؓ کو گناہ و نافرمانی وغیرہ وغیرہ کے عنوان سے مجتہدِ مخطی بتانے یا خطأِ اجتہادی کے بہانے ان کو گناہ و نافرمانی کا مرتکب ثابت کرنے میں غلو کرنا زیادہ غیر محمود ہے یا ایسے ایسے الزامات و عنوانات سے ان کی براءت بیان کرنے میں غلو کرنا زیادہ غیر محمود ہے؟۔

مدح و ذم کی ریحانی جھلکیوں سے متعلق مظہری مُہمل جھڑیوں کی حقیقت

اس کے بعد قاضی صاحب نے بعنوان "مدح و ذم کی ریحانی جھلکیاں" اپنی گنتی کے مطابق میرے چار عدد تضادات بیان کئے ہیں، ان کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ انسانی کلام میں تضادات کا ہو جانا کوئی اُنہونی بات نہیں، یہ ربّانی کلام کا خاصہ ہے

کہ اس میں اختلاف وتضاد نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہی ارشاد فرمائی ہے کہ اس میں فی الواقع کہیں بھی کوئی اختلاف وتضاد نہیں "ولو کانَ من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا" (1)، ہاں تضاد کا علم ہو جانے کے بعد انسان کا کام ہے کہ اس کو اٹھائے یا اس کی حقیقت بیان کرے۔

اس لحاظ سے میری کتاب میں اگر کہیں متضاد عبارتیں اور متناقض باتیں آگئی ہیں تو یہ چیز میری کتاب کے انسانی کلام ہونے کی علامت ہے، اس حد تک یہ کوئی ایسی بات نہیں جو صرف ابو ریحان کے ساتھ ہی خاص ہو بلکہ خود قاضی صاحب کی کتاب میں بھی اس سے زیادہ متضاد عبارتیں اور متناقض باتیں موجود ہیں، جن میں سے چند کی نشاندہی اب ہم یہاں بھی ان شاء اللہ کریں گے، جبکہ ان کا مفصل بیان کسی دوسرے مقام پر ان شاء اللہ آئے گا، ہاں قاضی صاحب کی طرف سے ہماری ایسی عبارتوں کی نشاندہی کے بعد ہم اس کے پابند ہیں کہ ان تضادات کی حقیقت بیان کریں یا اگر واقعی تضاد ہو تو اس کو اٹھائیں، سو ملاحظہ ہو قاضی صاحب کی طرف سے بیان کردہ ریحانی تضادات کی بالترتیب حقیقت یا ان کا رفع۔

ریحانی تضاد نمبر 1 اور اس کی حقیقت

سب سے پہلے میری جن باتوں میں قاضی صاحب نے تضاد دکھلایا ہے وہ ایک بات نہیں بلکہ دو باتیں ہیں جن کو انہوں نے ایک ہی نمبر میں جمع کر دیا ہے، ایک ان کی کتاب سے متعلق ہے اور دوسری حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے، اپنی کتاب سے متعلق اپنے خیال کے مطابق میری تضاد بیانی تو انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ میں نے ان کی کتاب کو رد خارجیت وناصبیت میں واقعی خوب بھی کہا ہے اور پھر آگے چل کر اسی کتاب میں مذکور ان کے ایک طرز استدلال اور اسلوب بیان کو خارجیت کا راستہ دکھانے والا بھی بتایا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق میری

---

(1) ترجمہ: "اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلاف پاتے" (النساء: آیت 82)۔ مرتب

تضاد بیانی انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ ایک طرف تو میں اپنی نجات اسی عقیدہ میں سمجھتا ہوں جو حضرت علیؓ سے متعلق قاضی صاحب نے اہل السنۃ کے حوالہ سے اصولی طور پر بیان کیا ہے اور دوسری طرف میں یہ بھی کہتا ہوں کہ حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے ایک طرز استدلال میں انہوں نے حضرت علیؓ کے بارے میں شکوک و شبہات کی قلوب واذہان میں تخم ریزی کا سامان مہیا کیا اور مسلکِ اہل السنۃ کی ترجمانی کے بجائے اسی خارجیت و ناصبیت کی ترجمانی کی ہے جس کی تردید کا بزعم خود بیڑا اٹھایا تھا، میری یہ دونوں قسم کی اپنے خیال کے مطابق متضاد عبارتیں پیش کر کے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ان متضاد تحریرات کے پیشِ نظر مولانا ابوریحان خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان میں سے کون سی بات صحیح ہے، اس خادم اہل سنت کی کتاب ''خارجی فتنہ''، خارجیت و ناصبیت کے ردّ میں تو واقعی خوب ہے یا میں نے ناصبیت کی خوب تردید کی ہے لیکن خارجیت کا رستہ دکھا کر، اور حضرت علی المرتضیٰ کی موعودہ خلافت راشدہ کے بارے میں، میں نے اہل سنت کی صحیح ترجمانی کی ہے (1) اور اس سلسلے میں مولانا ابوریحان بھی اپنی نجات اسی عقیدہ میں سمجھتے ہیں یا خادم اہل سنت نے کتاب میں کچھ ایسے استدلالات پیش کئے ہیں جس کی وجہ سے حضرت علیؓ کے بارے میں بھی قلوب واذہان میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور بجائے اہل سنت کی ترجمانی کے اس میں

(1) میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ اس سلسلے میں آپ نے ''اہل السنۃ کی صحیح ترجمانی کی ہے''، بلکہ اس عقیدہ میں اپنی نجات بتائی ہے جو آپ نے ''اہل السنۃ کے حوالہ سے اصولی طور پر بیان فرمایا ہے''، اور اصولی یعنی بنیادی عقیدہ اہل السنۃ کا بسلسلۂ خلافت حضرت علیؓ بس اتنا ہی ہے کہ اپنے دور میں قرآن کے موعود خلیفہ راشد وہی تھے، ان کے مقابلہ میں کوئی اور خلیفہ نہ تھا، اپنے مشاجراتی اجتہادی موقف میں وہ بھی برحق تھے، خوارج ونواصب کے الزامات سے کلی طور پر بَری تھے، اس سلسلہ میں اپنی نجات میں نے بس اسی عقیدہ میں بتلائی ہے، باقی رہیں اس سے آگے حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ کے تحفظ کے بہانے ان کے مدِ مقابل صحابہ کرامؓ کے خلاف آپ کی سہائیات؟ تو ان کو تو میرا دُور سے سلام ہے، ان میں اپنی نجات میں کیوں بتانے لگا؟ ۔منہ

خارجیت اور ناصبیت کی ترجمانی پائی جاتی ہے(1)، العیاذ باللہ''۔ (ص 12)۔

اس سلسلے میں جواباً پہلی گزارش تو یہ ہے کہ ابوریحان کے فیصلے کے مطابق اس کی یہ دونوں ہی باتیں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں ان میں سے کوئی بات بھی نہ غلط ہے اور نہ ان دونوں میں فی الواقع کوئی تضاد ہی ہے، کیونکہ تضاد تب ہوتا جبکہ میری مذکورہ دونوں باتیں ایک ہی موضوع سے متعلق ہوتیں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ میری پہلی تحریر تو قاضی صاحب کی کتاب سے اور دوسری تحریر، صحابہ کرامؓ کے خلاف ان کے بعض طرز ہائے استدلال سے متعلق ہے، فتنہ خارجیت و ناصبیت کے رد میں واقعی خوب تو میں نے مجموعی طور پر ان کی کتاب کو کہا ہے اور خارجیت کا راستہ دکھا کر ناصبیت کی تردید کرنے والی خرابی میں نے حضرات حکمین یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے سبائیانہ طرز استدلال کی بیان کی ہے۔

اسی طرح اپنی نجات تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق اہل السنہ کے اصلی اور اصولی عقیدے میں بتلائی ہے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف قلوب و اذہان میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی والا خطرناک نتیجہ میں نے حضرت معاویہؓ کے خلاف قاضی صاحب کے مرتب کردہ سبائیانہ زہر فرارداد بغاوت کا بتلایا ہے۔

اور یہ کون نہیں جانتا کہ کوئی کتاب، مجموعی طور پر کسی موضوع میں خوب ہو لیکن اسی موضوع سے متعلق اس کی کسی بات یا کسی استدلال میں کسی خاص اعتبار سے کوئی خامی وخرابی بھی ہو تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہ تو فی الواقع ہوا کرتا ہے اور نہ سمجھا ہی جایا کرتا ہے، یہ تو کلامِ ربانی کا خاصہ ہے کہ وہ از اوّل تا آخر ہر لحاظ سے بس خوب ہی خوب ہوا کرتا ہے، ناخوب بات اس میں کوئی بھی نہیں ہوا کرتی، لیکن جہاں تک کلام انسانی کا تعلق ہے، تو وہ بحیثیت مجموعی اپنے موضوع میں خواہ کتنا ہی خوب کیوں نہ ہو، کسی نہ کسی ناخوب بات کا بھی اس میں آجانا کوئی ناممکن

---

(2) تو کیا ابھی بھی اس میں آپ کو کوئی شک ہے؟ اگر شک ہے تو میں نے اپنی کتاب کے جن صفحات میں آپ کے ایسے استدلالات کی نشاندہی کی ہے ان کا خوب غور اور ٹھنڈے دل سے ذرا ایک دفعہ پھر مطالعہ کر لیجئے۔ منہ

بات نہیں۔

جب کسی موضوع میں کسی کتاب کے مجموعی طور پر خوب ہونے اور اس کی کسی خاص بات کے کسی خاص اعتبار سے ناخوب ہونے میں کوئی تضاد نہ ہوا تو اس کے خوب کو خوب اور ناخوب کو ناخوب کہنے میں بھی قطعاً تضاد نہیں ہوسکتا، دیکھئے حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب"، معرفۃ صحابہؓ کے موضوع پر بہت خوب کتاب ہے لیکن اسی موضوع سے متعلق اس میں ایک بدنما داغ بھی ہے، چنانچہ مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ:

"یہی وجہ ہے کہ حافظ حدیث امام ابن عبدالبرؒ نے جو معرفۃ صحابہ کے موضوع پر اپنی بہترین کتاب "الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب" لکھی تو علماءِ امت نے اس کو بڑی قدر سے دیکھا مگر اس میں مشاجرات صحابہ کے متعلق کچھ غیر مستند تاریخی روایات بھی شامل کر دیں تو عام علماءِ امت اور ائمۂ حدیث نے اس عمل کو کتاب کے لئے ایک بدنما داغ قرار دیا"۔

(مقام صحابہ،ص36)

ملاحظہ فرمایئے کہ معرفتِ صحابہؓ کے موضوع پر لکھی گئی اس کتاب کو علماءِ امت ایک طرف تو بڑی قدر کی نظر سے دیکھ رہے ہیں، بتصریح حضرت مفتی صاحب مرحوم، سب سے افضل واعلیٰ اور سب سے زیادہ مفید فرما رہے ہیں لیکن دوسری طرف ایک خاص پہلو سے اس میں ایک بدنما داغ بھی بتلا رہے ہیں اور علماءِ امت کی ان دونوں باتوں میں کسی کو بھی تضاد نظر نہیں آیا، کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ "علماءِ امت خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ ان کی ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط؟"۔

دور کیوں جایئے! خود قاضی صاحب کی اسی کتاب کو ہی لیجئے! اس پر سب سے مفصل تبصرہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہ کا ہے، انہوں نے جہاں کتاب کی مکمل تائید کی ہے وہیں اس کے اندازِ بیان، تیز و تند لب ولہجہ اور سندیلوی صاحب کے خلاف قاضی

صاحب کی درشتی و تندی سے اختلاف بھی کیا ہے (کشفِ خارجیت، ص 57) تو دیکھئے ایک پہلو سے لدھیانوی صاحب کتاب سے اتفاق کر رہے ہیں اور دوسرے پہلو سے اس سے اختلاف بھی کر رہے ہیں اور قاضی صاحب یہاں لدھیانوی صاحب سے یہ نہیں پوچھتے کہ آپ کا یہ اتفاق صحیح ہے یا اختلاف؟، بلکہ ان کے اتفاق و اختلاف دونوں کو اپنی اپنی جگہ صحیح مانتے ہیں، بس اسی طرح میں نے ان کی کتاب کو ردِ خارجیت و ناصبیت میں بحیثیت مجموعی خوب بھی کہا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری و حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے خلاف ان کے بعض طرز ہائے استدلال کا موضوع و مقصدِ کتاب سے متصادم ہونا دکھلا کر ان کو خارجیت کا رستہ دکھانے والا بھی کہا، نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ سے متعلق اہل السنۃ کا جو بنیادی عقیدہ انہوں نے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے اس میں اپنی نجات بھی بتلائی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جو سبائیانہ فردِ قرار دادِ بغاوت انہوں نے مرتب کی ہے انجام کار اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق قلوب و اذہان میں شکوک و شبہات کی تخم ریزی کرنے والا بھی بتایا، یہ اگر تضاد ہے تو ابو ریحان کی تحریروں کا تضاد نہیں بلکہ خود قاضی صاحب کی کتاب کے مختلف پہلوؤں کا تضاد ہے، ان کے موضوع و مقصدِ کتاب اور مذکورہ بالا صحابہ کرامؓ کے خلاف ان کے جارحانہ و سبائیانہ طرز ہائے استدلال کا تضاد ہے، میرا تو ان مخصوص طرز ہائے استدلال پر اعتراض ہی یہی ہے کہ وہ ردِ خارجیت و ناصبیت والے ان کے موضوعِ کتاب سے متصادم ہیں، میں تو ان کے غلط ہونے کی ایک دلیل ہی وہاں یہ دے رہا ہوں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ کے تحفظ والے ان کے مقصدِ کتاب کے خلاف ہیں، لہٰذا قاضی صاحب، ابو ریحان سے یہ نہ پوچھیں کہ اس کی ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط، بلکہ خود اپنے اس تضاد کو اٹھانے کی فکر کریں، یا تو خارجیت کا راستہ دکھانے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعلق قلوب و اذہان میں شکوک و شبہات کی تخم ریزی کرنے والے صحابہؓ کے خلاف اپنے ان سبائیانہ طرز ہائے استدلال کو بدلیں یا پھر ردِ خارجیت و ناصبیت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ کے تحفظ والے اپنی کتاب کے موضوع و مقصد کو تبدیل کر لیں، کتنی عجیب بات

ہے کہ تضاد تو قاضی صاحب کا اپنا ہے لیکن تھوپتے اس کو وہ، اس کی نشاندہی کرنے والے ابوریحان کے سر ہیں، اسی کو کہتے ہیں "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔

یہ تو بات تھی ضابطے کی لیکن جہاں تک امرِ واقعہ کا تعلق ہے تو وہ یہ ہے کہ میں نے اپنی پہلی تحریر میں قاضی صاحب کی کتاب کی ردِ خارجیت وناصبیت والی صرف خوبی ہی بیان نہیں کی تھی بلکہ وہیں بالکل اس سے متصل ہی اس میں حضرت معاویہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) سے متعلق لفظی بے احتیاطیوں اور تعبیری بے اعتدالیوں کے جابجا موجود ہونے کی نیز مشاجرات صحابہؓ کے سلسلے میں اہل السنۃ کے اصول وحدود کی کما حقہ رعایت نہ ہو سکنے والی خامی وخرابی کا ذکر بھی ساتھ کے ساتھ کیا تھا (دیکھو "سبائی فتنہ" ص 12)، پھر آگے چل کر میں نے اپنی جس تحریر میں صحابہؓ کے خلاف قاضی صاحب کے بعض طرز ہائے استدلال کو خارجیت کا راستہ دکھانے والا اور حضرت علیؓ سے متعلق قلوب واذہان میں شکوک وشبہات کی تخم ریزی کرنے والا کہا ہے تو اس میں، میں نے اپنی اس خوبی والی تحریر کے خلاف کوئی نئی بات نہیں کہی کہ میری ان دونوں تحریروں میں تضاد وتعارض ہوتا بلکہ اس میں، میں نے ان کی کتاب کی اسی خامی وخرابی کی ہی تفصیل بیان کی اور ان کی انہی لفظی بے احتیاطیوں اور تعبیری بے اعتدالیوں کا ہی نتیجہ بیان کیا ہے جن کا ذکر میں اپنی اس خوبی والی تحریر میں ہی بالاجمال کر آیا تھا، لہٰذا میری اس دوسری تحریر کو قاضی صاحب چاہیں تو میری پہلی تحریر کے اجمال کی تفصیل یا اس میں مذکور ایک دعویٰ کی دلیل تو کہہ سکتے ہیں لیکن اس کو میری پہلی تحریر سے متصادم ومتعارض نہیں کہہ سکتے، جب ابوریحان کی ان دونوں تحریروں میں امرِ واقعہ کے اعتبار سے بھی کوئی تضاد وتعارض نہ ہوا تو ابوریحان کو پھر یہ فیصلہ کرنے کی بھی قطعاً کوئی ضرورت نہ رہی کہ اس کی ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات صحیح اور کون سی غلط ہے، بلکہ اس کی دونوں ہی باتیں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح اور ایک دوسری پر منطبق رہیں۔

آسان لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ میری پہلی تحریر میں تو اس بات کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب میں خارجیت وناصبیت کا دروازہ خوب بند کیا ہے، ان کی کتاب،

خارجیت و ناصبیت کے دروازے پر بہت بڑا اور بہت خوب قفل ہے، اور میری دوسری تحریر میں اس بات کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے یہ سب کچھ کر کے آخر کار اس قفل کی چابیاں پھر انہی خوارج ونواصب کے ہاتھوں میں ہی تھمادی ہیں، یعنی خوارج ونواصب کے رد میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے کرتے دوسری طرف اصحاب جمل وصفین بالخصوص حضرت معاویہ حضرات مکین (رضی اللہ عنہم) کے خلاف ایسا دل آزار لب ولہجہ، جارحانہ انداز بیان اور سبائیانہ طرز استدلال اختیار کیا ہے کہ اس کو خوارج ونواصب بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بڑی آسانی سے استعمال کر سکتے ہیں، تو یہاں میرا مقصود کتاب کی رد خارجیت وناصبیت میں خوبی کورد کرنا نہیں بلکہ بعض مظہری طرز ہائے استدلال کی اس خوبی ' کتاب سے تصادم وتعارض والی خرابی وخامی کا بیان کرنا میرا مقصود ہے، اور یہ خوبی وخرابی کا تضاد خود قاضی صاحب کا تضاد ہے، ابو ریحان کا تضاد نہیں، ابو ریحان نے تو اس مظہری تضاد کی صرف نشاندہی کی ہے۔

میری پہلی قسم کی جن عبارتوں میں قاضی صاحب اور ان کی کتاب کی تعریف تھی ان کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''یہ عبارتیں تو مولانا ابو ریحان نے بقائمی ہوش وحواس لکھی ہیں (1)'' (ص12)۔

اور میری جن دوسری قسم کی عبارتوں کو انہوں نے میری پہلی قسم کی عبارتوں سے متصادم وتعارض بنایا ہے ان کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

''یہ عبارتیں ابو ریحان نے مغلوب الغضب ہو کر لکھی ہیں (2)'' (ص12)۔

---

(1) اس لئے کہ ابو ریحان کی یہ عبارتیں قاضی صاحب کے مطلب کی تھیں، ان میں ان کی مدح وستائش تھی ورنہ معاملہ اس کا الٹ بھی تو ہو سکتا تھا۔ منہ

(2) کیونکہ میری یہ عبارتیں قاضی صاحب کے مطلب کی نہ تھیں، ان میں ان کی تعریف وتوصیف نہ تھی بلکہ صحابہ کے خلاف ان کے سبائیانہ استدلال کے کچے چٹھے کا بیان تھا، مجھ پر قاضی صاحب کا یہ فتویٰ کوئی نئی بات نہیں، ایسے فتوے ہر اس شخص پر لگانا ان کی مزاجی خصوصیت رہی ہے جس نے ان سے کسی مسئلہ میں ذرہ بھر بھی کوئی اختلاف کیا، ان کے نزدیک ہر وہ آدمی مغلوب الغضب ہے جو ان کی کسی بات پر تنقید کرے، ہر وہ شخص نامعقول ونا سمجھ ہے ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اگر میں بھی اپنی ان دونوں قسم کی عبارتوں کا منشاد خالص قاضی صاحب کی ہی اس زبان میں بیان کروں تو پھر میں اپنی پہلی قسم کی عبارتوں کو خارجیت وناصبیت کے سامنے والے صدر دروازے اور دوسری قسم کو انہی کے پچھلے چور دروازے سے متعلق بنا کر یوں بھی کہہ سکتا ہوں کہ قاضی صاحب نے خارجیت وناصبیت کا سامنے والا صدر دروازہ تو خوب بند کیا ہے اور بقائمی ہوش وحواس بند کیا ہے لیکن جب وہ حضرت معاویہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) کے خلاف سہ بائیانہ استدلال کرتے کرتے مغلوب الغضب ہوئے ہیں تو بے خیالی اور مدہوشی میں اسی خارجیت وناصبیت کا پچھلا چور دروازہ بھی کھولتے ہیں، لہٰذا اگر یہ تضاد ہے تو قاضی صاحب کے ہی نفسوں اور حالتوں کا تضاد ہے، ابوریحان کی عبارتوں کا تضاد نہیں۔

آخری بات

اور اگر قاضی صاحب کو اسی پر اصرار اور ضد ہو کہ یہ ابوریحان کی عبارتوں کا ہی تضاد ہے تو لیجئے میں اپنی پہلی قسم کی عبارتوں سے رجوع کرتے ہوئے ان کو واپس لیتا ہوں اور اپنی کتاب

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

جو ان کی کسی بات میں ان سے اختلاف کرے، ہر ایسا انسان، خارجی، ناصبی اور یزیدی وغیرہ ہے جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے، ہر وہ فرد جادۂ حق سے ہٹا ہوا ہے جو ان کی چکوالیات ومظہریات پر ایمان نہ لائے، ان کے نزدیک معقول اور حلیم وستین بس وہی شخص ہے جو مطاع مطلق کی طرح ان کی اطاعت کا دم بھرے، سُنی بس وہی ہے جو بلا چون وچرا ان کی ہاں میں ہاں ملائے، مسلکِ حق واعتدال پر بس وہی ہے جو آنکھیں بند کر کے ان کی ہر بات پر ایمان لائے اور انہی کا کلمہ پڑھے، یہی وجہ ہے کہ دنیا میں کسی ایسے خوش قسمت انسان کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جس نے ان کی کسی بات پر تنقید کی ہو، کسی بات میں ان سے اختلاف کیا ہو اور پھر وہ ان کے عتابِ خسروانہ سے بچ گیا ہو، اور ''ع ...... جو بھی نکلا تیری محفل سے پریشان نکلا'' کا مصداق نہ بنا ہو، پاکستان کے بعض ایسے اجلّہ علماء کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں جو قاضی صاحب کی کسی بات کو غلط جانتے اور مانتے ہوئے بھی اس پر تبصرہ کرنا صرف اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اپنے سے اختلاف کرنے والوں کی عزت وشہرت سے کھیلنا قاضی صاحب کے بائیں ہاتھ کا کھیل اور روز مرہ کا وطیرہ ہے تو ان کی کسی بات سے اختلاف رائے کا اظہار کر کے کوئی اپنی عزت وشہرت کو خطرے میں کیوں ڈالے، اور اس سب کے باوجود لطمائش سندیلوی صاحب کو ہے کہ ''آپ کو انانیت (میں) نے خراب کیا ہے'' (خارجی فتنہ، ص 17 / ج 1) فاعتبروا یا اولی الابصار۔ منہ

کے سطر 12 کی سطر 8 تا سطر 24 کی جگہ درج ذیل نئی عبارت تجویز کرتا ہوں:

"اس تفصیلی مطالعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ رد تو اس میں بنیادی طور پر واقعی خارجیت وناصبیت کا ہی کیا گیا ہے مگر سبائیت کا راستہ اپنا کر، تحفظ تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کا ہی کیا گیا ہے مگر اصحاب جمل وصفین (رضی اللہ عنہم) کو باغی وخاطی اور ہزارہا مسلمانوں کے خون کا ذمہ دار ٹھہرا کر، بیان تو اس میں حضرت علیؓ کی، خارجیانہ وناصبیانہ الزامات سے براءۃ ہی کی گئی ہے مگر حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ (رضی اللہ عنہم) کو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، قرآن وحدیث کی مخالفت اور اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی وغیرہ کا قطعی مرتکب بنا کر، دعویٰ تو قاضی صاحب نے اگرچہ یہی کیا ہے کہ مشاجرات صحابہؓ کے مسئلہ میں باتباع اکابر اہل سنت، خارجیت ورافضیت اور مودودیت وغیرہ سے ہٹ کر مسلکِ حق کی ترجمانی کی خدمت ان کو نصیب ہوئی ہے (خارجی فتنہ، ص29 / ج1) لیکن عمل کے میدان میں وہ اس پر پورے نہیں اتر سکے یعنی مشاجراتِ صحابہؓ کے بیان میں اہل السنۃ کے اصول وحدود کی جیسی رعایت اور اکابر اہل السنۃ کی جیسی اتباع ہونی چاہیے تھی اور ہو بھی سکتی تھی، سندیلوی صاحب کی ضد میں وہ اس کا ویسا اہتمام نہیں کر سکے، خصوصاً حضرت معاویہؓ اور حضرات حکمینؓ کے خلاف جو لب ولہجہ اور انداز بیان انہوں نے اختیار کیا ہے، اس کو حضرت علیؓ کی منقبت نگاری کے بہانے ان حضراتؓ کی منقصت شماری کے سوا شاید اور کوئی نام نہ دیا جا سکے، اور یہ وہ بات ہے جس کا اعتراف خود قاضی صاحب کو بھی ہے جس کی انہوں نے تاویل بھی کی ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کی وہ تاویل خود قابلِ تاویل ہے، حتیٰ کہ ان مذکورہ حضرات صحابہؓ کے خلاف ان کے بعض سبائیانہ طرزہائے استدلال تو دو آتشہ ہیں کہ سبائیت کی ظلمت کے ساتھ ساتھ اسی خارجیت وناصبیت کی ظلمت کے جراثیم بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہیں جس کی تردید کا بزعم خود اس کتاب میں بیڑا اٹھایا گیا ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ معلوم ہوگا۔

خارجی فتنہ کی بس ایسی ہی سبائیات میری ان معروضات کا موضوع ہیں ورنہ اپنے دور

میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قرآنی موعودہ راشدہ خلافت اور خوارج ونواصب کے الزامات سے ان کی کلی براءت کے سلسلہ میں جو تفصیلات قاضی صاحب نے اس میں ذکر کی ہیں ان میں مجھے ان سے کوئی اختلاف نہیں کیونکہ میں بھی اپنی نجات خالص سنی عقیدہ ومذہب میں سمجھتا ہوں"۔

علی ہذا القیاس میں اپنی کتاب کے صفحہ 251 سطر 6 تا 8 کی بھی اس قسم کی سابقہ عبارت کو درج ذیل عبارت سے تبدیل کرتا ہوں:

"اس سلسلے میں ہم اپنی نجات اسی عقیدہ میں سمجھتے ہیں جو اصولی طور پر سنی عقیدہ ومسلک کی حیثیت سے جانا پہچانا ہے"۔

امید ہے اب قاضی صاحب کو ابوریحان کی اس تضاد بیانی کا شکوہ نہ رہے گا۔

ریحانی تضاد نمبر 2 اور اس کی حقیقت

میرا دوسرا تضاد قاضی صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک طرف تو میں ان کو وکیل صحابہ مانتا ہوں چنانچہ میں نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ "وکیل صحابہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے"، لیکن دوسری طرف صلیبی کیس میں ان کو حضرت معاویہؓ کے خلاف وکیل جرح کا کردار ادا کرنے والا بھی بتاتا ہوں، میری یہ دونوں قسم کی عبارتیں نقل کر کے قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"ہمارا سوال یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں تو پھر ان کے بارے میں کیوں وکیل جرح بن گیا (1) اور بقول آپ کے جب میں وکیل صحابہ ہوں تو پھر وکیل سبائیت

---

(1) ہمیں کیا معلوم صاحب کہ آپ کیوں وکیل جرح بن گئے؟ ہمیں تو صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ نے صحابہؓ پر سنگین جرحیں کی ہیں، ممکن ہے آپ وکیل جرح اس لئے بن گئے ہوں کہ آپ نے بھی دنیاوی وکلاء کی طرح اندر ہی اندر اپنے فریق مخالف سے کوئی ساز باز کر لی ہو؟، صحابہؓ پر جرح تو بہرحال آپ کی کتاب میں موجود ہے لہٰذا آپ سوال مجھ سے یہ نہ کریں کہ آپ وکیل جرح کیوں بن گئے بلکہ اگر کرنا ہے تو یہ کریں کہ آپ کی ان جرحوں کے ہوتے ہوئے میں نے آپ کو وکیل صحابہؓ کیوں کہہ دیا؟، اور پھر صاحب! میں نے آپ کو وکیل جرح کہا بھی کب ہے؟ میں نے تو آپ کو وکیل جرح کا کردار ادا کرنے والا کہا ہے خود وکیل جرح نہیں کہا، اور ان دونوں باتوں میں اسی طرح بڑا فرق ہے جس طرح ...... (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کا طعن کیونکر صحیح ہوسکتا ہے، اور حقیقت یہی ہے کہ بندہ دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح حضرت معاویہ ؓ کا بھی وکیل صفائی ہے، ملاحظہ ہو میری کتاب (1) ''دفاع حضرت معاویہؓ''۔

(ص 13)

اس سلسلے میں جواباً پہلی گزارش یہ ہے کہ میں نے قاضی صاحب کو وکیل صحابہؓ مان کر وکیل جرح نہیں کہا بلکہ صحابہؓ کے ایک کیس میں وکیل جرح کا کردار ادا کرنے والا کہا ہے، اور ایک آدمی، وکیل صحابہؓ بھی ہو اور صحابہؓ ہی کے کسی کیس میں وہ کسی صحابی کے خلاف وکیل جرح کا کردار بھی ادا کرے تو ان دونوں باتوں میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تضاد نہیں ہے، کیونکہ ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کا کردار ادا کرنے سے ہر وقت بالکل وہی کچھ نہیں بن جایا کرتا، جیسے تارک نماز کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ''من ترکھا فقد کفر'' یعنی جس نے (جان بوجھ کر) نماز چھوڑی اس نے کفر کیا، عام فقہاء خصوصاً احناف کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ وہ فی الواقع کافر ہوگا، بلکہ اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ اس نے کفر والا کام کیا، کفر کا کردار ادا کیا، تو دیکھیے اس حدیث کی رُو سے تارک صلوٰۃ مسلمان، مسلمان بھی ہے اور کفر کا کردار بھی ادا کر رہا ہے اور دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اسی طرح آنحضرت ﷺ نے منافق کی چند علامتیں بیان فرما کر فرمایا تھا کہ ''من کنّ فیھا کانَ منافقاً خالصا'' یعنی جس میں یہ خصلتیں ہوں گی وہ پورا منافق ہے، اس کا معنیٰ بھی عام فقہاء کے نزدیک یہ نہیں کہ وہ اعتقاد کا منافق ہے بلکہ اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وہ کردار کا منافق ہے، یہاں بھی دیکھ لیجیے کہ علامات منافق کا حامل شخص، مسلمان بھی ہے اور کردار، منافق والا بھی ادا کر رہا ہے اور ان دونوں باتوں میں آج تک کسی کو تضاد نظر نہیں آیا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

آپ کے نزدیک کسی مجتہد کو غلطی کہنے میں اور اس کو خطا کار کہنے میں بڑا فرق ہے (کشف خارجیت، ص 215)۔ منہ

(حاشیہ صفحہ ہذا)

(1) یہ کتاب کا صرف نام ہے، کیونکہ کتاب میں تو حضرت معاویہ ؓ کا دفاع خاک بھی نہیں بلکہ اپنا ذاتی دفاع ہے، البتہ کتاب کا نام ''دفاع حضرت معاویہؓ'' ضرور ہے۔ منہ

ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا قاضی صاحب یہاں آنحضرت ﷺ سے بھی (العیاذ باللہ) یہ پوچھنے کی جرأت کریں گے کہ تارک صلوٰۃ اور علامات منافق کا حامل شخص جب مسلمان ہے تو پھر وہ کافر اور منافق کیوں بن گیا؟، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر میں نے ان کو اگر وکیل صحابہؓ مان کر صحابہ کے ایک خاص کیس میں وکیل جرح کا کردار ادا کرنے والا کہہ دیا تو مجھ پر ہی وہ، یہ رعب کیوں جھاڑ رہے ہیں کہ جب مجھے وکیل صحابہؓ تسلیم کر لیا تو پھر میں وکیل جرح کیوں بن گیا؟۔

اور دوسری گزارش اس سلسلے میں یہ ہے کہ میں نے کوئی فرضی اور خیالی بات نہیں کی بلکہ حقائق وواقعات اور دلائل کی روشنی میں قاضی صاحب کو صفینی کیس میں حضرت معاویہؓ کے خلاف وکیل جرح کا کردار ادا کرنے والا کہا اور بتایا ہے، قاضی صاحب میں اگر جرأت تھی تو میرے پیش کردہ حقائق وواقعات اور دلائل کو جھٹلاتے، ان پر گفتگو کر کے یہ ثابت کرتے کہ حضرت معاویہؓ کے خلاف میری جن باتوں کو ابوریحان نے ان پر جرحیں قرار دیا ہے میں نے وہ باتیں بالکل نہیں کہیں یا یہ کہ وہ باتیں اصول اہل السنۃ کی رُو سے حضرت معاویہؓ پر جرح کی تعریف میں نہیں آتیں، ورنہ اس کے بغیر یہ رعب جھاڑ دینے سے حقائق وواقعات اور دلائل کا جواب نہیں ہو سکتا کہ "میں جب وکیل صحابہ تھا تو پھر ان کے بارے میں وکیل جرح کیوں بن گیا؟" (محصلاً) اس لئے کہ یہ ہمیں کیا معلوم کہ آپ وکیل صحابہؓ ہو کر پھر ان کے بارے میں وکیل جرح کیوں بن گئے؟ یہ تو آپ ہی بہتر بتا سکتے ہیں کہ آپ حضرت معاویہؓ کے بارے میں وکیل جرح کیوں بن گئے؟ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ آپ نے اصحاب جمل وصفین بالخصوص حضرت معاویہ اور حضرات حکمین (رضی اللہ عنہم) پر جرحیں کی ہیں اور سنگین ترین جرحیں کی ہیں، آپ میں اگر جرأت تھی تو آپ اس پر گفتگو کرتے کہ صحابہؓ کے خلاف آپ کی جن جرحوں کی میں نے نشاندہی کی ہے وہ جرحیں آپ کی ہیں یا نہیں؟ یا یہ کہ وہ جرحیں، جرحیں ہیں یا نہیں؟۔

میرا تو اشکال یا اعتراض ہی یہ ہے کہ آپ جب وکیل صحابہ کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں اور ادھر حضرت معاویہؓ بھی جب صحابی ہیں تو پھر آپ نے ان کے خلاف وکیل جرح کا

کردار کیوں ادا کیا؟، یہ اگر تضاد ہے تو ابوریحان کی باتوں کا تضاد نہیں بلکہ آپ کے لقب اور عمل کا تضاد ہے۔آپ فرمائیں کہ کیا آپ نے حضرت معاویہؓ کو نصوص قرآنیہ وحدیثیہ کی مخالفت اور اللہ ورسول کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب نہیں بنایا؟ ان کے صفینی اجتہادی موقف کو از روئے نصِ قرآنی درحقیقت بالکل ناجائز نہیں بتایا؟، اس کو مرتدین، زکوۃ کے منکرین اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین کی کافرانہ وزندیقانہ مخالفت حق پر قیاس نہیں کیا؟، کیا آپ نے اصحابؓ جمل وصفین پر ہزاروں مسلمانوں کے خون کا الزام نہیں لگایا؟، کیا آپ نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری اور حضرت عمرؓو بن العاص کو گناہ، یقیناً سخت نافرمانی، آیت استخلاف اور حکم خداوندی کی خلاف ورزی نیز حدیث "لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق" کے حوالہ سے معصیت کا مرتکب نہیں لکھا؟، اگر آپ نے یہ کچھ نہیں لکھا تو انکار کیجئے، اور اگر لکھا ہے تو بتائیے کہ یہ صحابہؓ پر جرح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر سندیلوی صاحب بلکہ سید لعل شاہ مرحوم حتیٰ کہ مودودی صاحب کا کیا قصور ہے؟، انہوں نے صحابہؓ کے بارے میں اس سے زیادہ اور کیا کہا، لکھا ہے کہ آپ ان کو صحابہؓ پر تنقید بلکہ ان کی تنقیص کا مرتکب گردانتے ہیں، اور اگر آپ کا لکھا، کہا ہوا یہ سب کچھ اپنے ظاہر کے اعتبار سے صحابہ کرامؓ پر جرح ہی ہے تو پھر آپ مجھ سے کیا پوچھتے ہیں کہ "میں وکیلِ جرح کیوں بن گیا"، آپ بتائیں کہ وکیلِ صحابہؓ کے لقب سے ملقب ہو کر بھی آپ نے صحابہؓ کے خلاف وکیلِ جرح کا کردار کیوں ادا کیا؟، ان پر مذکورہ بالا سبائیانہ جرحیں کیوں کیں؟۔

تیسری گزارش یہ ہے کہ جب آپ کی کتاب میں صحابہ کرامؓ پر آپ کی مذکورہ بالا سنگین جرحیں موجود ہیں تو ان کے پیش نظر میرا آپ کو "وکیلِ صحابہ"، تسلیم کرنا تو خلاف واقعہ ہوا، اور "وکیلِ جرح کا کردار ادا کرنے والا" لکھنا واقعہ کے عین مطابق ٹھہرا، لہٰذا آپ نے اگر مجھ سے سوال کرنا ہی تھا تو میری خلاف واقعہ بات کو صحیح اور مطابق واقعہ بات کو غلط فرض کر کے یہ نہ کرنا چاہئے تھا کہ "جب میں ابوریحان کی تسلیم کی مطابق وکیلِ صحابہؓ ہوں تو پھر میں ان کے بارے میں وکیلِ جرح کیوں بن گیا"، بلکہ میری خلاف واقعہ بات کو غلط اور مطابق واقعہ بات کو صحیح سمجھ کر یہ

کرنا چاہئے تھا کہ ''جب میں نے صحابہؓ کے خلاف وکیلِ جرح کا کردار ادا کیا ہے تو پھر میں ابو ریحان کی تسلیم کے مطابق وکیلِ صحابہؓ کیوں بن گیا؟''، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ میری یہ دونوں باتیں اگر صحیح نہیں ہوسکتیں بلکہ قاضی صاحب کے نزدیک ان میں سے کوئی ایک ہی صحیح اور دوسری غلط ہے تو پھر میرا ان کو ''وکیل جرح کا کردار ادا کرنے والا'' کہنا ہی صحیح اور ان کو ''وکیل صحابہ'' کہنا غلط ہے، لہٰذا میں اپنی غلطی اور خلاف واقعہ بات یعنی قاضی صاحب کو وکیلِ صحابہؓ کہنے اور ماننے سے رجوع کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ جب تک صحابہؓ کے خلاف مذکورہ بالا اپنی سبائیانہ جرحوں سے وہ مکمل رجوع نہیں کر لیتے آئندہ اس وقت تک ان کو ''وکیلِ صحابہ''، کہنے کی غلطی بھول کر بھی نہ کروں گا۔

لیجئے! میں نے اپنا یہ تضاد بھی اٹھادیا۔

کیا حضرت معاویہؓ کو مرتدین اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین کے ساتھ ملانا بھی ان کی طرف سے صفائی کی وکالت ہے؟

پھر قاضی صاحب نے اپنے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ ''حقیقت یہی ہے کہ بندہ دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح حضرت معاویہ ﷛ کا بھی وکیلِ صفائی ہے''، اس پر ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت معاویہ ﷛ کے خالص اجتہادی اور ماجور اختلاف کو زکوٰۃ کے منکرین، مرتدین اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین کے سراسر نفسانی و شیطانی اور ماز ور جنگ و جدال کے ساتھ جو ملایا ہے اور ان کی کافرانہ وزندیقانہ مخالفتِ حق پر قیاس (1) کر کے ان کو مخطی اور باغی ہی بنانے

---

(1) قاضی صاحب نے حضرت معاویہؓ کو بہرصورت خلاف ورزی قرآن حدیث کا مرتکب اور مخطی و باغی ہی بنانے اور منوانے کے لئے جو پاپڑ بیلے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے خالص اجتہادی اختلاف کو خلفاء ثلاثہ (﷡) کی خلافت کے منکرین نیز زکوٰۃ کے منکرین و مرتدین اور حضرت عثمانؓ کے قاتلین کے کافرانہ وزندیقانہ جنگ و جدال پر قیاس کرتے ہوئے یہ شوشہ چھوڑا ہے کہ اگر حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والے اصحاب جمل و صفین کو بھی ٹھیک کہا جائے تو پھر ان سب لوگوں کو بھی ٹھیک کہنا پڑے گا پھر ان لوگوں کی بھی......

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

بالخصوص قرآن و حدیث کی مخالفت اور اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کا مرتکب ثابت کرنے پر ایڑی چوٹی کا جو زور لگایا ہے تو کیا حضرت معاویہؓ کی طرف سے آپ کی صفائی کی وہ وکالت بھی ہے؟، اگر یہ سب کچھ بھی ان کی طرف سے آپ کی صفائی کی ہی وکالت ہے تو فرمایئے کہ پھر جرح کی وکالت کیا ہو گی؟۔

کتاب کا صرف نام ہی "دفاع معاویہ" ہے ورنہ درحقیقت دفاع تو وہ قاضی صاحب کا اپنا ذاتی ہے

باقی رہی بات قاضی صاحب کی کتاب "دفاع حضرت معاویہؓ" کی؟ تو اس کا بس نام ہی "دفاع حضرت معاویہؓ" ہے ورنہ حضرت معاویہؓ کا دفاع تو اس میں نام کا بھی نہیں البتہ قاضی صاحب کا اپنا ذاتی دفاع اس میں ضرور ہے۔

قصہ اس کا یہ ہے کہ قاضی صاحب نے اپنی کتاب "خارجی فتنہ" حصہ اول میں مولانا لعل شاہ صاحب بخاری مرحوم کی کتاب "استخلاف یزید" کی بعض عبارتوں پر بھی تنقید کرتے ہوئے ان پر ضمن اعتراضات کئے تھے، ایک تو عام صحابہؓ کی عدالت سے متعلق، دوسرا خاص حضرت

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گزشتہ)

کوئی غلطی اور کوئی قصور نہ رہے گا، حالانکہ خلفاء ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کی خلافت کے انکار اور ان کے ساتھ مذکورہ لوگوں کے مذکورہ جنگ و جدال کو کوئی بھی ٹھیک نہیں کہتا بلکہ سب غلط ہی کہتے ہیں، لہذا حضرت علیؓ سے جنگ کرنے والے اصحابؓ جمل و صفین بالخصوص حضرت معاویہؓ بھی یقیناً غلط ہی ہوں گے ٹھیک نہ ہوں گے، قاضی صاحب کے اس سبائی قیاس و استدلال پر میں نے اپنی کتاب "سبائی فتنہ" کی جلد اول کے ص 301 تا ص 308 پر تفصیلی بحث کی ہے، اسی موقع پر میں نے ان کے بارے میں یہ بات لکھی ہے کہ یا تو وہ وکیل صحابہؓ کے لقب سے کئے جاتے ہیں لیکن صفینی کیس میں حضرت معاویہؓ کے خلاف کردار انہوں نے وکیل جرح کا ادا کیا ہے۔

قارئین خود ہی فیصلہ فرماویں کہ صحابہؓ کے ماجور اجتہادی اختلاف کو مرتدین و مفسدین کی مرتدانہ و فاسقانہ جاہلانہ حق پر قیاس کر کے ان کے خلاف یوں زور آزمائی کرنا بھی صحابہؓ کی طرف سے کیا واقعی صفائی کی وکالت ہے؟

؎ جنوں کا نام خرد رکھ دیا اور خرد کا جنوں ...... جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے